واصف علی واصف
گفتگو 15

میں نے جب بھی انہیں پکارا ہے
اک صدا آئی تو ہمارا ہے
(واصف علی واصفؒ)

# فہرست

[ 1 ]


1 اگر ملنا وہی ہے جو مقدر ہے تو پھر محنت کیوں کریں؟ 17
2 کیا ہمیں کسر نفسی سے خود کو گناہ گار کہنا چاہیے؟ 27
3 اگر سب کچھ کوشش سے ملنا ہے تو پھر توکل کا مقام کیا ہے؟ 35
4 اگر چہ حالات اچھے ہیں لیکن دل گرفت میں آ گیا ہے تو کیا کریں؟ 40


[ 2 ]


1 رُوح کی حقیقت کیا ہے؟ 48
2 رُوح کا باپ بیٹا تو نہیں ہوتا ہے تو کیا روح کا ساتھی ہوتا ہے؟ 57
3 اس جسمانی اتّصال کے نہ ہونے کے پس منظر میں ہم پیر و مرید کے ظاہری رشتے کی وضاحت کیسے کریں گے؟ 59
4 عہدِ الست کیا ہے؟ 60
5 حضرت سلیمانؑ کے واقعے میں الکتاب کا ذکر ہے تو اس واقعے میں کتاب کون سی مراد ہے اور علم سے کیا مراد ہے؟ 63

6 یہ "کن فیکون" کا جو علم ہے کیا یہ قرآن یا توریت کے علاوہ ہے؟ 68

7 کیا روحانی علم سیکھنے سے مل سکتا ہے؟ 71

8 کیا حضرت اویس قرنیؓ کو حضور پاک ﷺ کا دیدار ہوا تھا؟ 72

9 کیا یہ ممکن ہے کہ حضور پاک ﷺ کو دیکھے بغیر عشق ہو جائے؟ 72

10 محبت عطا تو ہے لیکن اس میں کوشش کا تو کچھ دخل نہیں ہوگا۔ 73

11 کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک ہی اسم اعظم ہے جسے اسم اعظم کہا جاتا ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہر زمانے کے لیے الگ اسم اعظم ہے۔ 77

12 لوگوں کو یہ شوق کیوں ہوتا ہے کہ اسم آسانی سے اسم اعظم حاصل کریں۔ 80


## [ 3 ]


1 کیا پیر اور مرید میں کسی اختلافِ رائے کی گنجائش ہے؟ 91

2 اگر کسی کو شریعت کے لحاظ سے اختلاف ہے تو مرشد کو چاہیے کہ اس کی اصلاح کر دیں۔ 96

3 اگر کسی کا پیر انتقال کر جائے تو کیا دوسرا پیر بنانا جائز ہے؟ 102

4 کیا بزرگوں کے مرتبے مختلف ہوتے ہیں؟ 105

5 کیا کوئی سلسلۂ طریقت دوسرے سلسلے پر فوقیت رکھتا ہے؟ 108

6 فیض کسے کہا جاتا ہے؟ 109

7 کیا صاحبِ مزار کسی کا استقبال کرنے کے لیے مزار سے باہر آ سکتے ہیں؟ 116

8 کیا صاحبِ قبر کسی آنے والے کو متاثر نہیں کر سکتے؟ 117

9 علم حاصل کرنے کے شوق کا طریقہ کیا ہے؟ 119

10 کسی اہلِ علم کو دیکھ کر جذبہ تو پیدا ہو سکتا ہے۔ 121

11 سر! انسان کی بہت سی آرزوئیں ناتمام بھی رہ جاتی ہیں۔ 122

12 جو شخص تکلیف میں ہوگا وہ تو مانگے گا۔ 125

13 حقوق العباد کیا ہیں؟ 127

14 یہ آزمایا ہوا ہے کہ صاحبِ مزار ہر چیز دیتے ہیں۔ 128

15 دنیاوی ضرورتیں انسان کو مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ مزار پر جا کر ان کا حل مانگیں۔ 130


## [ 4 ]


1 آج کل کراچی کے حالات بہت خراب ہیں۔ اس بارے میں کوئی مہربانی فرمائیں۔ 139

2 کہنے والے کہتے ہیں کہ خون کی زکوٰۃ دینی بھی ضروری ہوتی ہے۔ 147

3 اچھے یا برے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ہر چیز جو ہے وہ لوحِ محفوظ میں ہے تو پھر دعا کی کیا حیثیت ہے؟ 151

4 یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی مرضی سے چیزیں چھوڑ دے۔ 166

5 کہتے ہیں کہ جب تک سسٹم ٹھیک نہیں ہوتا فرد ٹھیک نہیں ہوگا۔ اس طرح ایک بے عملی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ 170

6 جب کوئی حکمران فرد کے طور پر اصلاح کرتا ہے تو وہ عارضی ہوتی ہے تو اصل اصلاح کیسے ہوتی ہے؟ 173

7 کیا ممکن ہے کہ ایسا شخص آجائے جو صحیح معنوں میں امیر المومنین بھی ہو اور حکمران بھی ہو۔ 174

8 اولی الامر کون ہوتا ہے؟ 177

9 کیا غاصب کے خلاف خروج ہونا چاہیے؟ 178

10 کسی شخص میں کیا خصوصیت ہو کہ ہم اُسے اپنا مرشد بنالیں۔ 179

11 کیا مرشد روحانی رہنمائی کے لیے ضروری ہے؟ 179

12 جو بزرگ دنیا میں نہیں ہیں کیا اُن سے رابطہ کیا جاسکتا ہے؟ 180

13 اس زمانے میں ہم کیا کریں جب کہ شر کی قوت بلند ہے اور خیر کی قوت کم ہے؟ 181

14 اللہ کی بے نیازی کی سمجھ نہیں آتی۔ 183

15 جب فرشتوں نے اللہ سے کہا کہ انسان کو پیدا نہ کرو کیونکہ یہ خون خرابہ کرے گا تو کیا فرشتوں کو غیب کا علم تھا؟ اور یہ غیب کیا ہوتا ہے؟ 185

16 یہ جو اولی الامر کے لیے کہتے ہیں کہ وہ لائق ہو، نیک ہو، حکومت چلانا جانتا ہو اتنی ساری خصوصیات ایک آدمی میں کیسے ہوسکتی ہیں؟ 187

17 اگر جواب دہ صرف اللہ ہی کو ہونا ہے تو پھر جمہوریت میں تو لوگوں کو جواب دینا پڑتا ہے؟ 188

18 کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ حق پر سمجھوتہ کرنے سے ہمارے اندر وہ طاقت کمزور ہوگئی ہے۔ 189

19 جس طرح دوسرے خوف ہیں اس طرح مجھے لوگوں کی تنقید کا بڑا خوف رہتا ہے۔ 191

20 نادان دوست اور دانا دشمن میں کیا فرق ہے؟ 193

21 کیا امام عالی مقامؑ نے کربلا سے واپسی کی کوشش کی تھی؟ تو وہ کیا کسی مصلحت کے تحت تھی؟ 194

22 کیا طاقت والے حکمران کو اللہ کی مرضی سمجھ کے قبول کر لینا چاہیے۔ 194

23 جن کافروں کے اعمال اچھے ہیں کیا وہ جنت میں جائیں گے؟ 196


## [ 5 ]


1 کوئی ایسا عمل بتائیں کہ دنیاوی اور دینی طور پر آسانی اور آسودگی مل جائے۔ 203

2 اللہ تعالیٰ کی یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جو اس نے قرآن میں فرمائی ہے کہ میرے پتھروں سے نہریں نکلتی ہیں اور یہ کہ انسان اور پتھر جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ 217

1 کیا ولی پیدائشی طور پر ہوتے ہیں یا کسی پراسیس سے گزرنے کے بعد بنتے ہیں؟ 227

2 اگر کسی سے محبت ہو تو اس کے ساتھ کہاں تک Liberty لی جا سکتی ہے؟ 236

3 ایسی صورت میں اقبالؒ کے ''شکوہ'' کا کیا مقام ہے؟ 238

4 ایک غیر مرئی آواز سن کر دل بند ہوتا ہے اور سانس رکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے' تو اُس آواز کو کیا کہا جا سکتا ہے؟ 239

5 فقیری کے یہ جو فارمولے بنے پڑے ہیں ان کا کیا کریں؟ 241

6 تو یہ جو درد ہے کیا یہ بھی عنایت ہے؟ 244

7 کیا خواہش کو Curb کرنا چاہیے؟ 245

8 یہاں پر ہم سوال کر کے آپ سے جواب پا لیتے ہیں' ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب آپ نہ ہوں پھر سوال ہو اور پھر بھی جواب ملے اور اُسی آواز میں ملے' تو کیا ہم اُس کو سچا جانیں؟ 247

9 شکر کا جو احساس ہے وہ کیسے ادا ہونا چاہیے؟ 249


# عرضِ ناشر

کوئی چیز نظر آنے کے لیے ضروری ہے کہ اس پر روشنی پڑے۔ جب اس پر روشنی پڑتی ہے تو یہ روشنی انسان کی بصارت کو نظارے دکھاتی ہے۔ صبح کا منظر دیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اشیاء پر سورج کرن کرن ہو کر پڑے۔ تاریکی میں بھی یہی اصول کارفرما ہوتا ہے' ہر چیز اس وقت نظر میں آتی ہے جب شب چراغ جل اُٹھے۔ اس عمل سے پھر مشاہدہ بنتا ہے اور شاہد و مشہود کا قصہ چلتا ہے۔ یہ انسان کی ظاہری آنکھ کی کہانی ہے۔ ظاہری آنکھ کے ان نظاروں کے علاوہ انسان کے اندر ایک باطنی کائنات بھی موجود ہے اور اس کائنات کو صرف باطنی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اندر کی یہ کائنات دیکھنے کے لیے بھی روشنی کی ضرورت پڑتی ہے مگر یہ روشنی کسی ظاہری چراغ یا سورج سے نہیں ملتی بلکہ کسی روشنی والے شخص سے حاصل ہوتی ہے اور اس روشنی والے اصحاب کے پاس وہ بات ہوتی ہے' وہ طریقہ ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ انسان کے اندھیرے ضمیر اور تاریک روح کو دل کا چراغ جلا کر راستہ دکھاتے ہیں۔ اس طرح اپنا راستہ گم کر دینے والے کو پھر سے اپنا سفر مل جاتا ہے بلکہ منزل کی امید اور لگن مل جاتی ہے۔ یوں زندگی کے اس مشکل سفر میں انسان کو آسانی مل جاتی ہے' یہاں بھی آسانی

اور آگے بھی آسانی۔ روشنی کے ذریعے ایسا راستہ دکھانے کا منبع خود وہ ذات ہے جو زمین اور آسمانوں کا نور ہے' روشنی ہے۔ اس ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو اپنی روشنی سے یہ روشنی بخشی اور یوں تاریک جہاں کو وحدانیت کی روشنی سے جگمگا دیا۔ اسی روشنی کے مظہر اصحاب کو ہر دور میں ہر جگہ مخلوق خدا کی ظاہری اور باطنی کشائش کے لیے بھیجا گیا تا کہ وہ زندگی کے اس مشکل سفر میں تنہا نہ رہ جائیں اور راستہ گم نہ کر بیٹھیں۔ اس روشنی والے علم کا سورج جب ہمارے دور میں چمکا تو اس کی کرن کرن نے جگہ جگہ علم کا نور پھیلا دیا۔ قبلہ واصف صاحبؒ کے اس روشنی والے علم کو جب پڑھنے والوں نے پایا تو ان پر خوشگوار تاثیر و تاثر مرتب ہوئے۔ پھر ان کی ہر کتاب کے بعد اگلی کتاب کے لیے بے کلی سے انتظار کیا گیا۔ ان کی گفتگو کی روشنی میں مرتب کی جانے والی یہ پندرہویں کتاب اب آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ امید ہے یہ کتاب بھی حسبِ روایت قارئین کے دل و دماغ میں پڑی ہوئی گرہیں کھولنے میں مدد دے گی اور روشنی کا پیغام لائے گی۔

# 1

1 اگر ملنا وہی ہے جو مقدر ہے تو پھر محنت کیوں کریں؟

2 کیا ہمیں کسر نفسی سے خود کو گناہ گار کہنا چاہیے؟

3 اگر سب کچھ کوشش سے ملنا ہے تو پھر توکل کا مقام کیا ہے؟

4 اگرچہ حالات اچھے ہیں لیکن دل گرفت میں آ گیا ہے تو کیا کریں؟

سوال:

اگر ملنا وہی ہے جو مقدر ہے تو پھر محنت کیوں کریں؟

جواب:

یہ سوال کرنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جنت یا دوزخ بھی تو طے شدہ ہے' پھر عبادت کیوں۔ یہ کس نے کہا ہے کہ ہونا وہی ہے جو مقدر ہے؟ یہ اللہ نے کہا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ تم اپنے مقدر میں رہن رکھ دیے گئے ہو' یعنی کہ تم مجبور ہو اس طرح کا عمل کرنے کے لیے جو تمہاری فطرت میں رکھا گیا ہے۔ تو آپ کا مقدر آپ کی فطرت ہے اور وہ طے ہے۔ محنت کا مقدر کے ساتھ مقابلہ کریں گے تو آپ کو سمجھ نہیں آئے گی۔ تقدیر کے ساتھ مقابلہ تدبیر کا ہوتا ہے' تقدیر طے ہے تو پھر تدبیر کس بات کی۔ اور اگر محنت سے مقابلہ کریں گے تو آرام کے ساتھ کریں گے کیونکہ جو ہونا ہے وہ ہو جائے گا۔ جس اللہ نے کہا ہے کہ تم اپنے مقدّر میں پابند کیے جا چکے ہو اُسی نے وضاحت فرمائی ہے کہ تمہیں پیدا کیا گیا محنت کے لیے' محنت کے لیے بھی اور عبادت کے لیے بھی۔ اگر آپ دونوں احکامات کو معلوم نہ کریں اور سمجھیں کہ جو مقدر میں ہے وہ ہو جائے گا' اگر اس بات پہ یقین

کرلیا جائے اور مقدر کا صرف انتظار کیا جائے تو پھر وہ ہو جائے گا۔ یعنی کہ اس نے جو رزق لکھا ہے وہ مل کے رہے گا' کھانا لکھا ہے تو پھر مل کے رہے گا۔ تو جب تک نہ ملے اُسے کھانا نہیں چاہیے' کب تک کھانا نہیں کھانا چاہیے؟ مرتے دم تک۔ کیونکہ ایسا یقین رکھنے والا کہتا ہے کہ جب وہ کھلائے گا تو ہم کھائیں گے' اگر مقدر میں ہے تو کھائیں گے' میں نے کمانا نہیں ہے۔ مگر آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ حکم کی بجائے ضرورت کے تابع ہو گئے ہیں۔ اگر تو آپ حکم کی تابع داری کریں تو پھر انتظار کریں گے کہ وہ دے گا' جہاں سے مرضی دے گا مگر آپ تو ضرورت کے تابع ہیں' اگر بچے نے کہا کہ کھانا لاؤ تو آپ نے اللہ کو چھوڑ دینا ہے' توکل کو چھوڑ دینا ہے اور کھانا لینے چلے جائیں گے' یہ کہتے ہوئے کہ بچہ مانگ رہا ہے' مقدر کی بات کو بعد میں دیکھیں گے کہ ہے یا نہیں ہے' فی الحال تو ضرورت پوری کرو............ اس لیے آپ کو یہ مسئلہ سمجھ نہیں آتا۔ ضرورت جو ہے یہ آپ کو تحریک دیتی ہے' پیٹ کی ضرورت' کھانے کی ضرورت' بیمار کو صحت کی ضرورت' دوائی کی ضرورت اور نیند و آرام کی ضرورت............ وہاں پہ آپ مقدر کو بھول جاتے ہیں اور اپنی ضروریات کا خود ہی علاج کرنے لگ جاتے ہیں۔ جب صحت اس کی طرف سے ہے' بیماری اس کی طرف سے ہے' ہر چیز اس کی طرف سے آ رہی ہے تو پھر بیماری کو صحت کی طرف لے جانا بڑا گناہ ہے۔ تو آپ تو علاج کرتے ہو' ڈاکٹر کے پاس جاتے ہو۔ علاج کا دعویٰ مقدر کو ماننے والے کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اگر مقدر میں ہے تو ٹھیک ہو جائے گا اور نہیں ہے تو ٹھیک نہیں ہوگا۔ اور دنیا میں ایسے بے شمار مریض گزر رہے ہیں جنہوں نے دوائی نہیں کھائی'



وہ اکثر صحت میں رہے ہیں' ایسے لوگ کہتے تھے کہ دوائی ہمارا حجاب ہے' انہوں نے گولی نہیں کھائی' انجکشن نہیں لگوایا اور لمبی عمر بھی گذاری۔ اب یہ ہے اعتقاد کی بات۔ اگر آپ کو مقدر پر یقین ہے کہ یہ طے شدہ ہے تو پھر کوئی بات زندگی میں خود طے نہ کرنا' پھر کل جو ہوگا دیکھا جائے گا' یہ نہ کہنا کہ کل شام کو ہم آپ کے پاس مدد کے لیے آئیں گے۔ پھر جو ہوگا وہ ہوگا۔ یقین والے کے لیے مستقبل کی ساری کی ساری پلاننگ ناجائز ہو جاتی ہے۔ جب کہ آپ کو پتہ ہے کہ مقدر طے شدہ ہے پھر آپ پلاننگ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ بیماری اور صحت کی بات آپ نے سمجھ لی ہے' غریبی اور فاقے کی بات آپ نے سمجھ لی ہے۔ اگر اس نے مقدر میں غریبی لکھی ہے تو غریبی قبول کرو' یہ دولت سے بہتر ہے کیونکہ جو دوست نے لکھا ہے اُسے آپ قبول کر لو۔ پھر آپ یہ دیکھو کہ اگر اس نے مقدر کو مقرر کر رکھا ہوتا ہے تو پھر نہ وہ انعام کا لفظ کہتا اور نہ سزا کا لفظ کہتا۔ جـــــــزاء المحسنین اور مکذبین' عاقبت اور سزا جیسے الفاظ وہ کبھی نہ فرماتا۔ اگر اس نے مقدر کو اتنا پابند کیا ہوتا تو دوزخ' جنت اور سزا جیسے الفاظ استعمال نہ ہوتے۔ آپ کو اتنی بات کا تو پتہ ہے ناں کہ عقل پیدا کرنے والا لاعقلوں کا کُل ہے۔ اس نے آپ لوگوں کو جزا سزا کا تصور دیا' جنت اور دوزخ کی بشارتیں عطا کیں' زندگی میں سیئات اور حسنات کی بات کی' خیر اور شر کی بات بتائی' بلکہ اللہ کی طرف سے اگر دو الفاظ آپ کو سمجھ آ جائیں تو یہ کمال کی بات ہے' ایک تو یہ ہے کہ سلام علی نوح' سلام علی ابراھیم۔ اگر اللہ تعالیٰ سلام بھیجے تو سلام کا معنیٰ کیا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ کہیں پر اللہ کہتا ہے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ یعنی

اللہ کی طرف سے کسی کو ملعون کہنا' رجیم کہنا عجب بات ہے حالانکہ خالق وہ آپ ہے۔ اور کسی پر سلام بھیجنا اور کسی پر درود بھیجنا عجب بات ہے حالانکہ خالق وہ آپ ہے۔ جب تک آپ کو یہ دو باتیں سمجھ نہ آئیں مقدر کا مسئلہ آپ کو سمجھ نہیں آ سکتا۔ تو خالق وہ خود ہے' خود ہی اس نے تصویر بنائی ہے اور خود ہی دیکھتا چلا جا رہا ہے اور پھر عش عش کر اُٹھا۔ آپ ہی خالق ہے' آپ ہی مالک ہے اور آپ ہی محبت کرنے لگ گیا' پتہ نہیں یہ محبت کب سے ہے .......... راز کیا ہے؟

آپ تھوڑی سی توجہ کریں تو راز کھل جائے گا اور آپ کو ایمان اور کفر کے درمیان فاصلہ نظر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ جو کہ مساوی سلوک کرنے والا ہے' یعنی اللہ کا سورج ساری کائنات کو برابر کی روشنی دے گا' اللہ کی کائنات سب کے لیے روشن ہوگی' اللہ کے پہاڑ اور دریا سب کے لیے ہیں' بارش سب کے لیے ہے چاہے غریب کا جھونپڑا ہو یا امیر کا گھر' ہر آدمی کی پیدائش ایک جیسی ہے اور موت بھی ایک جیسی' زندگی بھی ویسی' سانس لینا بھی ویسا' ہر آدمی کی شکل ایک جیسی ہے' پھر کوئی شکل کسی جیسی نہیں ہے۔ شکل ایک جیسی کا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی کی دو آنکھیں' ایک ناک' اور دو کان ہیں۔ اور کوئی شکل کسی دوسری شکل سے نہیں ملتی ہے۔ اتنی مساوات پیدا کرنے والا کسی کو تو پیغمبر بنا دیتا ہے اور کسی کو کافر بنا دیتا ہے اور پھر ایک پیغمبرؐ پر اپنے فرشتوں کی ٹیم سمیت درود بھیجتا جا رہا ہے۔ یہ کوئی مساوی بات تو نہیں ہے۔ اگر کوئی اللہ سے یہ پوچھے کہ یہ کیا بات ہے' یہ کوئی مساوی بات تو نہیں ہے' تو اس کا ایمان ضائع ہو جائے گا۔ اللہ کہے گا تُو بھی ویسا کر جیسا کہ ہم کر رہے ہیں ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین



آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں تو اے ایمان والو تم بھی اُن پر درود و سلام بھیجو۔ تو ایمان والو تم بھی یہ کام کرو۔ اب یہ راز ہے۔ تو مساوات پیدا کرنے والا' مساوی سلوک کرنے والا ایک پیغمبر پر اتنا زیادہ درود پڑھ رہا ہے۔ یہ جو درود ہے اصل میں یہی تو ذریعہ مساوات ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ اگر مساوات کا عملی ظہور دیکھنا ہے تو پھر اس ذات سے پتہ کرو جس پر ہم درود بھیج رہے ہیں' مساوات یہاں سے ملے گی۔ تو اللہ نے یہ فرما دیا کہ مقدر فکس ہو گیا اور یہ بھی بتا دیا کہ محنت کرو' اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو' اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ' اس آگ سے جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنا راستہ لو بلکہ دعا مانگو کہ تمہیں سیدھا راستہ ملے اور عطا ہو جائے۔ تو محنت کرنا اس لیے ضروری ہے کہ تم محنت کے بغیر رہ نہیں سکتے' یہ تمہاری مجبوری ہے' ذرا غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ محنت کر رہا ہے' ساری کائنات کام میں لگی ہوئی ہے' آپ نے بیج کو زمین میں بویا اور پھر زمین کی تاریکیوں میں' پہنائیوں میں محنت شروع ہو گئی' محنت کا کاروبار شروع ہو گیا' پھر بیج پھوٹے گا' زمین سے توانائی وصول کرے گا' پودا بن جائے گا' آندھی طوفان بادل اور برساتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑا ہوگا' وحوش و طیور جانور درند پرندے سب کا مقابلہ کرے گا۔ بعض اوقات انسانوں کا مقابلہ کرے گا۔ انسان اس کی شاخیں کاٹ لیتے ہیں' سایہ کاٹ لیتے ہیں۔ آخر کار وہ درخت محنت کرتے کرتے فائدہ مند ہو گیا' منفعت بخش ہو گیا' کبھی پھل دے گیا' کبھی سایہ دے گیا اور مرتے ہوئے لکڑی دے گیا۔ پھر اس کی محنت کا

فائدہ نظر آیا۔ آپ چھوٹی سی چیونٹی کو دیکھیں کہ صبح سے شام تک کام کرتی ہے۔ چیونٹی کو آپ کبھی آرام کرتے ہوئے نہیں دیکھیں گے۔ تو دنیا میں محنتیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں اور ساری کائنات محنت کرتی ہے۔ سورج طلوع ہوتا ہے' کائنات کا ذرہ ذرہ محنت کرتا ہے بلکہ ہمہ حال محنت میں مصروف ہے' موسم محنت کرتے ہیں' ہر چیز دوسری چیز کا مقابلہ کرتی ہے' دریا پہاڑوں میں سے چلتا ہوا اور محنت کرتا ہوا اپنا راستہ کاٹ کے سمندر کو جا پہنچتا ہے۔ تو ہر چیز محنت کرتی ہے۔ محنت کائنات کی جبلت ہے۔ محنت کے بغیر کسی کا رہنا مشکل ہے۔ جواری بھی محنت کرتا ہے اور نیک آدمی بھی محنت کرتا ہے۔ اللہ نے یہ فرمایا کہ محنت کرنا تیری فطرت ہے' تو اس سے رُک نہیں سکے گا' اب محنت وہ کر جو تجھے برباد نہ کرے' محنت وہ کر جو ہمارے راستے کی محنت ہو' محنت وہ کر جس کا انجام اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان بڑی محنت کرے منزل پہ پہنچے اور پتہ چلے کہ یہ تو دوزخ کا مقام ہے۔ تو آپ نے جنت یا دوزخ میں محنت کے ساتھ ہی جانا ہے۔ اس لیے کہیں ایسی محنت نہ کرنا کہ یہاں بھی آگ کے پاس بیٹھے رہو اور محنت کرتے کرتے دوزخ میں جا پہنچو۔ کہتے ہیں کہ بے شمار لوگ بڑی محنت کر کے دوزخ میں جاتے ہیں اور اگر انہیں پتہ چل جائے کہ دوزخ میں جا رہے ہیں تو پھر محنت کیسی۔ کئی لوگ گناہ کی تلاش میں صبح سے شام تک سرگرداں رہتے ہیں' مثلاً حرام رزق کی تلاش میں' اور چور ڈاکو جواری بڑی محنت کرتے ہیں' کئی لوگ جھوٹ کی تلاش اور جھوٹی باتوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ یوں محنت کر کر کے انسان کہاں کا کہاں پہنچتا ہے۔ اکثر کاروبار میں بھی انسان جو محنت کرتا ہے اس میں بھی کہیں نہ



کہیں آلائش آ ہی جاتی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو فرض کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جب کاروبار نہیں ہوگا اور تمہیں تمہاری بچت منفعت نہیں دے گی' اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے تم اپنا رزق استعمال کرو' اس رزق میں شاید فلاح ہو جائے ......... تو محنت جو ہے یہ انسان کی فطرت ہے اور وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔ اور مقدر یہ ہے کہ تم محنت کرنے پہ مجبور ہو۔ کہتے ہیں کہ جو Idol man ہے' نکما انسان ہے' سب سے زیادہ محنت اُسے کرنی پڑتی ہے' کیونکہ اسے کام نہیں ہوتا اس لیے وہ کہتا ہے وقت کیسے گذاروں' کبھی وہ یہ کرے گا کہ آپ کے پاس آ جائے گا اور کہے گا تیرے پاس تو ٹائم نہیں میں خود ہی تم سے ملنے آ گیا' سناؤ By the way کیا حال ہے۔ پھر کبھی جیب سے تاش نکالے گا' کبھی شطرنج کھیلے گا' کبھی سینما جائے گا' وی سی آر دیکھے گا ......... یوں وہ پریشان رہے گا اور اس پر زندگی عذاب ہوگی کیونکہ اُسے کام کوئی نہیں ہے۔ جن لوگوں کے پاس کام ہے وہ آسانی میں رہتے ہیں اور ان کی محنت اچھی ہوتی ہے۔ سب سے اچھی محنت وہ ہوتی ہے جو اللہ کو مقبول ہو اور مقبولِ رسول کریم ﷺ ہو۔ تو اچھی محنت وہ ہے۔ وہ محنت اچھی ہے جو آپ کو کسی نیک راستے کی طرف لے جائے ورنہ محنت کے ذریعے ہی عذاب آ سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ لوگ اپنی قبر اپنے ہاتھ سے بناتے ہیں۔ They dig their grave with thier own teeth. اس طرح لوگ محنت کرتے کرتے عذاب میں جاتے ہیں۔ یوں انسان اپنا سارے کا سارا عبرت نامہ اپنے ہاتھ سے لکھتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں تمہارا اعمال نامہ ہوگا Written by yourself تمہارے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوگا'

تم خود پڑھ لینا اور تمہیں یہ بھی پتہ ہے کہ تم ہر روز لکھتے جا رہے ہو۔ لکھنا کیسے ہے؟ عمل، ہاتھ کا عمل اور ریکارڈ .......... ہاتھ کا عمل، خیال کا عمل، گفتگو کا عمل، جذبات کا عمل، دوسرے کی طرف رجوع کا عمل، دوسرے کو دھوکا دینے کا عمل.......... تو یہ جتنے بھی آپ کے اعمال ہیں ہر بات آٹومیٹک ریکارڈ ہو رہی ہے اور یہ بن جائے گا اعمال نامہ۔ اس کی ایک فلم بن جائے گی اور پھر وہ اعمال نامہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا، اُسے خود پڑھ لینا کہ یہ کام میں نے کیے تھے۔ تو محنت جو ہے یہ انسان کی فطرت ہے اور وہ محنت کرے گا، ضرور کرے گا۔ مقدر یہ ہو چکا ہے کہ انسان محنت کے بغیر رہ نہیں سکتا، وہ اس لیے محنت کرے گا اور کوئی بھی اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ بچے کی پیدائش محنت ہے، بچے کی پرورش محنت ہے، اس کا بڑا ہونا محنت ہے، اس کی صحت محنت ہے، اس کی بیماری محنت ہے اور موت تو ہے ہی محنت۔ اور موت کے بعد دوستوں کو محنت کرنی پڑتی ہے، میت کو اُٹھانا پڑتا ہے، کندھا دینا ضروری ہوتا ہے ناں، آگے قبر کھودنے والے محنت کر رہے ہوتے ہیں .......... تو انسان کی بڑی محنتیں ہیں۔ اس لیے محنت ہی آپ کا مقدر ہے۔ اگر آپ کا خیال ہے کہ مقدر طے ہو چکا ہے تو محنت سے بچ کے دیکھو، پھر محنت کرو.......... دوسرے دن ہی آپ چیخ پڑیں گے، تنگ آ جائیں گے۔ انسان کو سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ ایک کمرے میں ایک دن بغیر محنت کے گذارے۔ آپ کہیں گے کہ یہ Solitary confinement، قید تنہائی ایک عذاب ہے۔ اگر کسی آدمی کو ویران جزیرے میں بھیج دیں اور کہیں کہ سارا جزیرہ تیرا ہے، وہاں آدمی کوئی نہ ہو گرچہ درخت ہوں، پھل ہوں، کھانا پینا ہو۔ اگر کوئی آواز اس کے کانوں میں نہ



پڑی تو وہ چیخیں مارے گا اور صرف اپنی آواز سنے گا۔ لوگ کسی کو اس طرح بھی بددعا دیتے ہیں کہ جا تجھے صحرا کے اندر تنہائی کی رات آئے۔ تو صحرا کے اندر تنہائی کی رات ایک بڑی بددعا ہے، صحرا میں کوئی نہ ہو، تنہائی ہو اور کوئی ساتھی نہ ہو تو یہ ایک عذاب کی کیفیت ہے۔ وہاں انسان کوئی آواز سننا چاہتا ہے، اپنی آنکھوں سے کسی کو دیکھنا چاہتا ہے۔ محنت اس طرح سے شروع ہوتی ہے کہ انسان اپنی پسند کا نظارہ دیکھنے کے لیے پاؤں کو حرکت دیتا ہے۔ کہاں جا رہے ہو؟ نظارہ دیکھنے جا رہا ہوں۔ وہ نظارہ دیکھے، پہاڑ دیکھے، دریا دیکھے، بندہ دیکھے، کچھ بھی دیکھے، جانے کی محنت کر رہا ہے، پاؤں اس طرف حرکت کر رہے ہیں۔ شوق جو ہے یہ محنت ضرور بنتا ہے۔ اگر شوق ہو اور لگن ہو تو خود بخود محنت ہو جاتی ہے۔ ضرورت خود بخود محنت بن جاتی ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہو گی آپ اس طرف پاؤں اٹھا لیں گے، کھانا ہو گا تو ادھر ہاتھ اٹھا لیں گے۔ کھانا بنانا بھی محنت ہے۔ آسمان سے باتیں اور بارش کے ساتھ فصل، زمین کی تیاری، فصل کا مارکیٹ، مارکیٹ سے گھر، پسائی اور اُٹھائی ساری محنتیں ہیں۔ تو کھانا اور معدے کا کام بھی محنت ہے۔ ساری کائنات جو ہے ہمہ وقت گردش میں ہے، یہ محنتیں ہو رہی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو تمہارا مقدر ہو چکا ہے اس کو پہچانو کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا مقدر طے ہو چکا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ مجھے پتہ ہے کہ تم کیا کرو گے۔ لیکن کسی شخص کو یہ نہیں بتایا گیا کہ تو دوزخ میں جانے والا ہے، اگر صرف یہ بتا دیا جائے، وقت سے پہلے آپ کو اطلاع مل جائے کہ جنت میں جانا ہے تو شاید آپ عبادت ہی نہ کریں۔ اگر بچے کو پتہ چل جائے

کہ اس نے اس سال فیل ہو جانا ہے تو وہ محنت نہیں کرے گا اور اگر پتہ چل جائے کہ پاس ہو جانا ہے تو پھر بھی کیا محنت کرنی ہے۔ محنت تو ہوتی ہی تب ہے جب آدھا پتہ ہو اور آدھا پتہ نہ ہو۔ تو آپ کی زندگی یہ ہے کہ آپ کو کچھ تو پتہ ہے اور کچھ اندیشہ ہے' آدھی امید ہے اور آدھا خوف ہے۔ اس لیے محنت تب پیدا ہوتی ہے جب کچھ خوف ہو اور کچھ امید ہو۔ اُمید یہ ہوتی ہے کہ کام پورا ہو جائے گا اور خوف یہ ہوتا ہے کہ شاید پورا نہ ہی ہو' ایسا انسان اُٹھ کے گیٹ تک جاتا ہے کہ شاید مہمان آ جائے اور پھر واپس آ جاتا ہے کہ شاید نہ آئے۔ بس انسان یہی کچھ کرتا رہتا ہے۔ اس لیے محنت انسان کی فطرت ہے اور وہ بچ نہیں سکتا۔ اپنی محنتوں کو مبارک محنت بناؤ۔ دعا یہ کرو کہ یا اللہ ایسی محنتیں نہ عطا فرما جو ضائع ہونے والی ہیں اور ضائع کرنے والی ہیں۔ محنت انسان کو ضائع کرتی ہے اور انسان محنتوں کو ضائع کرتا ہے۔ یہ دعا کیا کریں کہ ہمیں وہ محنت ملے جو ہمیں ضائع نہ کرے اور ہم اسے ضائع نہ کریں۔ یہ دعا ضرور کرنی چاہیے ورنہ تو دنیا میں آدھے لوگ گناہ کی تلاش میں محنت کرتے ہیں' نفس کی تلاش میں محنت کرتے ہیں اور بڑی محنت کر کے دوزخ کے راستے پر جاتے ہیں۔ اس لیے بڑا خیال رکھنا چاہیے' مقدر ملے ہے' محنت ملے ہے' ہاتھ کے اندر محنت کا جذبہ ہے' وجود کے ہر حصے میں محنتیں ہیں اور ضرورتیں ہیں' یہ مختلف قسم کی ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ محنت میں مصروف ہے۔ دنیا کی آوازیں بھی آپ کو محنت پر مجبور کرتی ہیں' بچے کی چیخ سن کر ماں باپ پاگل ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ مصروفِ محنت ہوں اور بچہ اتفاقاً سے رونے لگ گیا تو ماں اور باپ دونوں بیتاب ہو جائیں



گے کہ بچے کو کیا ہو گیا۔ بچے نے کوئی سوال کر دیا کہ مجھے یہ تکلیف ہے تو بچے کی تکلیف کی وجہ سے ماں باپ محنت کریں گے۔ کسی دوست کو کسی بات سے تکلیف ہو تو آپ کو محنت کرنی پڑے گی۔ کچھ بنانا ہو تو محنت کرنی پڑے گی' شادی ہو' موت ہو ہر حال میں محنت ......... تو اس کائنات میں یہ محنتیں چلی آ رہی ہیں۔ ہماری آج کی آسائش جو ہے یہ پہلے زمانوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے مثلاً آپ کو سڑک بنی ہوئی مل رہی ہے' یہ پہلے زمانے والے بنا گئے' آپ اس کے اوپر اب گاڑی چلا لیں' گاڑی بنانے کی محنت بھی کوئی اور کر گیا۔ تو آپ کے پاس جو آسائشیں ہیں وہ پرانے لوگوں کی محنتیں ہیں۔ آپ کے پاس جو مسجدیں بنی ہوئی ہیں وہ پرانے لوگوں کی ہیں' نیکی بھی پرانے لوگوں کی ہے' ماں باپ کی دعائیں چلی آ رہی ہیں' ان کی محنت آپ کا اثاثہ ہے اور ان کے لگائے ہوئے درخت تمہارا پھل بنتے ہیں' اب تم آنے والے زمانے کے لیے محنت کرو' اپنا آنے والا زمانہ اور لوگوں کا آنے والا زمانہ ......... یہ ضروری ہے ......... آپ محنت کیا کریں.........

سوال:

کیا ہمیں کسر نفسی سے خود کو گناہ گار کہنا چاہیے؟

جواب:

اپنے آپ کو کسر نفسی میں ایسے لفظ نہ دے دو جو لفظ حقیقت میں نہ ہوں۔ مثلاً یہ کہ میں بندۂ عاصی ہوں' خطا کار......... ہیں تو خطا کار ہی مگر اس کا اظہار نہ کرو' اور یہ کہ ہم گناہ گار ہیں......... گناہ گار کہنے سے تو معاف نہیں ہو

جاتا۔ تو آنے والے لوگوں یا اولادوں کو اتنی کسرِ نفسی نہ دکھاؤ کہ آپ کی عزت نفس بھی نہ رہے۔ اس کا بڑا دھیان کرنا چاہیے۔ بعض اوقات کوئی لفظ جو ہے وہ اگر آپ ادباً کہہ رہے ہیں تو وہ منظور ہو جاتا ہے' اور وہ انسان ویسا ہی بن جاتا ہے۔ اگر یہ کہا کہ میں گناہ گار ہوں تو اُسے کہہ دیا جاتا ہے کہ اچھا گناہ گار ہی سہی۔ یہ کون کہتا ہے؟ ایسا شخص جس کی بات منظور ہو جاتی ہے۔ اگر وہ پاس سے گزرے اور پوچھے تمہارا نام کیا ہے؟ اگر اس نے جواب دیا کہ میں عابد ہوں تو وہ کہے گا کہ اچھا تم عابد ہی بن جاؤ۔ اس لیے کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ لفظ کی منظوری کا وقت آ جاتا ہے۔ تو ایسے الفاظ نہیں کہنے چاہییں۔ ایسے بے شمار واقعات کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ ایک قافلہ اونٹوں کا جا رہا تھا' اس پہ شکر لدی ہوئی تھی۔ بابا فرید گنج شکرؒ جنگل میں اپنے حال میں مست جا رہے تھے۔ انہوں نے اونٹ والے سے پوچھا کہ کیا لدا ہوا ہے تو اس نے کہا نمک ہے۔ تو بابا صاحبؒ نے فرمایا پھر نمک ہی ہوگا۔ اونٹ والا جب اپنی منزل پر پہنچا تو دیکھا کہ نمک ہی تھا۔ وہ حیران رہ گیا کہ شکر لادی تھی اور یہ نمک بن گیا۔ اُسے کسی نے کہا کہ وہاں جو بابا ملا تھا یہ اس نے کیا ہے۔ وہ وہاں سے دوڑا اور اس جگہ پہنچا۔ بابا صاحبؒ نے پوچھا کیا لدا ہے؟ تو اونٹوں والے نے کہا شکر ہے۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا پھر شکر ہی ہوگی ......... تو آپ ایسے لفظ نہ کہا کرو۔ اگر یہ کہیں کہ ہم عاجز ہیں تو یہ ٹھیک ہے' عاجز کی حد تک ٹھیک ہے۔ اس کے علاوہ کوئی سخت لفظ مت کہو۔

## اپنا بھی احترام تیری بندگی کے ساتھ



تو بندگی بھی کرو اور اپنا احترام بھی کرو۔ یہ ضروری ہے ......... یہ جو بزرگ کہتے آ رہے ہیں تو اس زمانے میں کوئی واقعات ہوں گے' یہ جائز ہیں' تب ان کو یہ کہنا ضروری تھا۔ بزرگ اپنے آپ کو "سگ" بھی کہتے ہیں۔

سگِ کوئے شیرِ یزدانم

اس کے ساتھ ہی شیر کا لفظ بھی ضرور کہہ دیں گے جو کہ ان کی شان ہے اور آن ہے۔ فقرے میں یہ اضافت بتاؤ کہ میں عاجز ہوں اللہ کے دربار میں ......... پھر تو ہوئی ناں بات۔ صرف یہ لفظ نہ کہنا کہ میں گناہ گار ہوں۔ گناہ ہو یا نہ ہو توبہ کر لو' پھر گناہ ختم ہو جائے گا ......... اولاد کو ذرا دھیان سے بات بتاؤ۔ اپنا Confidence اعتماد جو ہے وہ Show کرو' کہ ہمیں Confidence ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے ساری عمر عبادت کی اور اب کہو کہ پتہ نہیں اللہ بخشے گا کہ نہیں بخشے گا ......... اولاد کہے گی کہ پھر اتنی عبادت کیوں کی جب کہ اس نے بخشنا ہی نہیں ہے' ہم تو آرام سے رہیں گے' جب آپ کا فیصلہ ہو جائے گا تو ہمارا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ اس لیے بچے پریشان ہو جاتے ہیں کہ آپ کا ابھی فیصلہ نہیں ہو رہا کہ وہ بخشے گا یا نہیں بخشے گا اور اتنی عبادت تو ہم کر ہی نہیں سکتے جتنی آپ کرتے ہیں' اور ابھی تک آپ کا کیس مشکوک ہے' ہم تو کوئی اور کام کرتے ہیں اور آپ عبادت کرتے جائیں' اگر آپ نے ایمان قبول کر لیا' کلمہ پڑھ لیا تو کلمے سے پہلے تو بخشے جانے کے امکانات پہ شک ہو سکتا ہے مگر جب کلمہ پڑھنے کے بعد بخشے جانے پر شک ہے تو یقیناً تم نے کلمہ نہیں پڑھا۔ کلمہ پڑھا ہو تو پھر شک کیسے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اپنے شک کو مٹاؤ۔ یقین کے ساتھ کلمہ پڑھ لو کہ ہم مانتے ہیں کہ اللہ

ایک ہے اللہ کے رسول مقبول آخری رسول ہیں' میں مانتا ہوں کہ اسلام پکا دین ہے' یہ صحیح ہے کہ مجھ سے عمل کچھ کم ہو گئے ہیں لیکن سچا دین اسلام ہی ہے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہو کہ فلاں معاشرے میں شراب پی جاتی ہے اور آپ کے دین میں منع ہے تو پھر منع ہو جاؤ۔ تو اپنے اعتقاد کو پختہ رکھو۔ اس دین کے اندر جو جو واضح باتیں ہیں وہ پوری کی پوری Obey کر لو' مان لو۔ عمل میں کمی بیشی ہوتی ہے تو وہ الگ بات ہے مگر دین یہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان والو' ایمان لاؤ ......... یعنی تم ایمان لائے ہو' اور پکا ایمان لے آؤ۔ مطلب یہ ہے کہ منافقت سے نکل جاؤ۔ تمہیں اگر یقین نہیں آ رہا کہ دوزخ جنت ہے اور یہ کہتے ہو کہ یہ ایسے ہی ڈرانے کے لیے کتابوں میں لکھا ہوا ہے' قطب شمالی اور جنوبی والے تو برف میں پڑے ہیں' انہیں دوزخ کی تھوڑی سی آگ مل جائے تو اچھا ہے' سینکیں گے ......... یہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے جو کہ اس نے فرمایا۔ آپ کا ایمان ہونا چاہیے کہ دوزخ ہے' جنت ہے' فرمانے والا اللہ ہے اور سنا ہم نے رسول مقبول ﷺ کی زبان سے ہے' ہمارے بزرگوں نے اس بات کی تائید کی ہے' لہٰذا یہ حق ہے ......... اس طرح اپنا ایمان قوی کر لو۔ اور اگر شک و شبہات ہیں تو پھر آپ کی نجات میں بھی شک و شبہات ہیں۔ لہٰذا اس بات کو نکال دیا جائے' اپنی عاجزی اور کسر نفسی اتنی نہ کرو کہ اپنے آپ کو الزام دینا شروع کر دو کہ پتہ نہیں ہمارا کیا بنے گا' مشکل ہی لگتی ہے۔ آپ سوچیں کہ اگر مارکیٹ میں کوئی نئی چیز آئے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ چیز تمہاری زندگی میں انقلاب لائے گی' تب ہی مارکیٹ میں وہ چیز بکے گی۔ جب نیا دین آئے گا تو یہی کہے گا



کہ تمہاری زندگی بھی بہتر ہو جائے گی' تمہاری عاقبت بھی بہتر ہو جائے گی اور تمہارے حالات بھی بہتر ہو جائیں گے۔ کوئی دین یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تم ہمیں قبول کرو تو ہم تمہیں ڈنڈے ماریں گے۔ کیا کوئی ایسے کہہ سکتا ہے کہ دین قبول کرو تو ہم تمہیں دوزخ میں لے جائیں گے۔ کیا یہ کبھی ہو سکتا ہے؟ شروع میں دین والے یہ کہتے ہیں کہ دیکھو معاشرہ اچھا بن رہا ہے' تمہیں باعزت مقام ملے گا' تمہاری سٹیٹ بنے گی' ایمپائر بنے گی' سلطنت بنے گی' فتوحات ملیں گی' مال غنیمت آئے گا' آخرت اچھی ہو جائے گی' تم ایک اعلیٰ قسم کا معاشرہ بن جاؤ گے اور تم ایک مہذب انسان کہلاؤ گے ......... تبھی جا کے لوگ خوش ہوں گے ناں۔ تو وہ تو زمانہ تھا آغاز کا جب مذہب کا انحطاط آتا ہے تو پھر کہا جاتا ہے کہ سب مسلمانو تیار ہو جاؤ' اللہ تمہیں برباد کرنے والا ہے۔ تو شروع میں کیا تھا؟ فلاح کا پیغام تھا۔ اور اب کیا ہے؟ کہتا ہے مجھے تو لگتا ہے تم سارے کے سارے دوزخ میں جانے والے ہو۔ ایک شخص عید نماز پڑھنے گیا تو وہ اسے کہتا ہے اب عید کیا پڑھنے آ گئے ہو' روزوں میں تو تم آئے نہیں ہو۔ تو انسانوں کو اس طرح یقین سے محروم کرتے ہیں کہ انہیں آخرت پر یقین نہ رہے۔ تو اسلام کا جو عروج تھا وہ امید کے زمانے تھے' امید دلائی گئی تھی' جب تھوڑا سا زوال آیا تو امید سے محروی دلائی گئی۔ ڈرانے والا کون ہے؟ کافر نہیں ہے بلکہ مسلمان ہے۔ مسلمانوں میں وہ منافق ہے جو مسلمانوں کو دوزخ دکھا رہا ہے۔ مسلمانوں کو دوزخ کیوں دکھا رہے ہو؟ اگر مسلمان بھی دوزخ میں جائیں گے تو پھر کیا کافر جنت میں جائیں گے۔ کیونکہ مسلمانوں کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے اس لیے

ان کو ڈرانے کے لیے ایسی ایسی کتابیں لکھنا اور ایسے ایسے واقعات لکھنا کہ انہیں اپنے ایمان پر بھی شرمندگی ہو‘ یہ کام نہیں ہونا چاہیے۔ اور اتنی بھی ”کسرِ نفسی“ نہیں ہونی چاہیے۔ جو مسلمان ہے وہ ابھی کہہ سکتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جب کلمہ پڑھ لیا تو اس کا کیا فائدہ ہے؟ فائدہ یہ ہے کہ ہم جنت میں جا رہے ہیں۔ کلمے کا مقصد ہی جنت ہے۔ جس آدمی کی زبان پر کلمہ آ جائے وہ جنت میں جائے گا۔ کیا دوزخ میں کلمہ پڑھا جا سکتا ہے؟ اور جس کی زبان پر حضور پاک ﷺ کا نام آ جائے کیا وہ دوزخ میں جا سکتا ہے۔ آپ لوگوں نے یہ کیا کہ ایک طبقے کو ظاہری علم سے محروم رکھا‘ انہیں دار العلوم میں داخل کیا اور چیف کالج خود سنبھال لیا‘ ایچی سن کالج آپ خود چلے گئے اور انہیں جامعہ غوثیہ میں بھیج دیا‘ جامعہ نعیمیہ میں بھیج دیا‘ جامعہ عرفانیہ میں بھیج دیا۔ وہ وہاں سے درسِ نظامی میں کوالیفائی کرتے ہیں‘ بعد میں ان کا کام ہوتا ہے مسجد۔ تم ڈپٹی کمشنر بنتے ہو اور انہیں صرف اذان دینے پہ رکھا ہوا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں اللہ تمہارا بیڑہ غرق کرے گا۔ اگر آپ کسی جامعہ کے کوالیفائڈ بندے کو شہر کا ڈی سی بنا دو یا مجسٹریٹ بنا دو تو کبھی بھی آپ کو نہیں کہے گا کہ تم نے دوزخ میں جانا ہے۔ ورنہ وہ تمہیں موت کا منظر مرنے کے بعد دکھائے گا۔ اس طرح کی ساری کتابیں بعد میں لکھی گئی ہیں۔ موت کا منظر مرنے کے بعد اتنا آسان ہوگا کہ کلمہ پڑھنے والے حضور پاک ﷺ کے سائے میں ہوں گے اور باقی لوگوں پر دھوپ ہوگی۔ تو ”موت کا منظر“ ختم ہو گیا۔ اب اس کے علاوہ باقی جو منظر ہے وہ کتاب لکھنے والے کا اپنا ہے۔ موت کا منظر یہ ہے کہ جو کلمے میں مرا وہ کلمے میں اٹھا۔ کلمہ جو



ہے یہ سائبان ہے‘ سب سے بڑا سائبان ہے۔ مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے۔ کچھ غیر مسلموں نے مسلمانوں کو رشوت دے کے منافقت پیدا کر دی‘ انہیں کہا کہ ڈراؤ ان کو‘ نوجوان نسل کو ڈراؤ تا کہ مسجد میں نہ آئیں۔ وہ بیچارے ڈر کے چلے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری قوم پریشان ہو گئی۔ بچوں کو‘ سٹوڈنٹس کو سمجھاؤ کہ ملک کا وارث کون ہے‘ نوجوان کو ہی وارث ہونا چاہیے اور جو پرانے قابض ہیں وہ چھوڑتے نہیں ہیں‘ اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ وارثوں کو ختم کرو‘ ان کو گمراہ کرو‘ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا حق مانگ لیں‘ وراثت مانگ لیں.........تو انہوں نے نوجوان کو اور راستے پر چلایا‘ ڈرایا‘ دھمکایا تا کہ یہ اپنا حق نہ مانگیں .......... انہیں ملازمت کے چکر میں پھنسا دیا حالانکہ انہیں تعلیم دی تھی اور یہ حکومت کا کام ہے۔ بدقسمت ہے وہ قوم جو بچوں کو اس لیے پڑھاتی ہے کہ انہیں رزق ملے گا‘ رزق تو ان کا حق ہے‘ پیدائشی حق ہے۔ تو سارے کا سارا سسٹم ہی غلط ہو گیا۔ اس لیے پھر ان لوگوں کو پیس کے رکھ دیا۔ اور بھی ہر طرح کا فساد آپ کے ہاں ہے۔ مثلاً کوئی سیاسی جماعت حکومت میں آتی ہے تو اپنے افسر رکھتی ہے‘ حکومت کے لوگ سیاست نہیں کر سکتے‘ سیاست کے لوگ حکومت بنا سکتے ہیں۔ یعنی کہ سیاسی جماعتیں حکومت کرتی ہیں اور جب حکومت کے اندر آ جائیں تو پھر سیاست نہیں ہو سکتی۔ حکومت کے بندے فائلوں میں گم ہو کے کام کرتے ہی چلے جاتے ہیں اور اسی میں مصروف رہتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ایسی سیاست کریں کہ حق حق ہو جائے اور جھوٹ جو ہے وہ جھوٹ ہو جائے۔ پرانے لوگ نہ ریٹائر ہو رہے ہیں اور نہ پرانے لوگ راستہ دیتے ہیں۔ سارے کے سارے لوگ وہی آ رہے

ہیں اور نوجوان نسل ساری کی ساری کو Follower بنا کے رکھ دیا ہے۔ کسی ملک کا بادشاہ آ جائے تو ہماری نوجوان لڑکیاں اور لڑکے وہاں کھڑے کر دیے جاتے ہیں کہ ہیلو' ویلکم کہو۔ یہ ایک قسم کی غلامانہ ذہنیت پیدا کی جا رہی ہے اور پھر آخرت سے بھی ڈرایا جا رہا ہے۔ نہ اللہ کے ساتھ محبت کرنے دی گئی ہے' نہ سماج نے ان کو باعزت مقام دیا اور نہ نوکری کی امید دلائی' تا کہ یہ سارے کا سارا Material وہیں پہ کرش ہو جائے۔ اب یہ کرش ہوا پڑا ہے۔ اس لیے اس کا کچھ علاج ہونا چاہیے۔ پہلا علاج یہ ہے کہ اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن نہ سمجھو کیونکہ کلمہ پڑھنے والا جنت میں جائے گا۔ آپ کو پکا یقین ہونا چاہیے۔ جو آپ کو دوزخ سے ڈرائے اسے کہو کہ اپنی جنت میں جانے کی سند دکھا' کیا تجھے پتہ ہے کہ تو جنت میں جا رہا ہے؟ جب اُسے پتہ نہیں چلتا تو پھر دوسرے کو کیا بتائے گا کہ دوزخ کدھر ہے اور جنت کدھر ہے۔ اس لیے اس آدمی کی جنت کنفرم سمجھو جو سب کے لیے جنت چاہتا ہو' اس آدمی کی جنت کنفرم سمجھو جس کو کوئی اہل جنت دیدار کرا دے یا ملاقات کرا دے۔ جن کو جنت میں جانا ہے وہ جنت میں رہنے والوں کے ساتھ ابھی سے رابطہ کر لیں گے۔ بس یہ ہے بات۔ جنت میں جانے والے یہاں سے جنت چاہتے ہیں' اس لیے توبہ کرو اور خود کو گناہ گار نہ سمجھو اور نہ ایسے کہا کرو۔ اگر کوئی خود کو رُوسیاہ کہتا ہے تو وہ توبہ کر لے۔ اپنے آپ کو بدبخت نہ کہا کرو' یہ نہ کہنا کہ بڑی بدبختی آئی پڑی ہے' یہ نہ کہنا کہ بڑے خراب حالات ہیں۔ سب بہتر ہو جائے گا' جو وقت گزر گیا وہ بہتر تھا' جو ہو رہا ہے یہ بھی اچھا ہے اور جو ہوگا وہ بھی اچھا ہے۔



سوال:

اگر سب کچھ کوشش سے ملنا ہے تو پھر توکل کا مقام کیا ہے؟

جواب:

توکل کا معنی ہے اللہ کا یقین اور آسرا۔ اگر توکل ہے' بھروسہ ہے' اور آپ بھروسہ کر رہے ہیں تو موت تک یہ بھروسہ کرنا۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کے پاس گیا۔ دونوں درویش تھے۔ پہلا آدمی جب اپنے Host میزبان کے پاس پہنچا تو Guest نے' آنے والے نے میزبان کے پیچھے نماز مغرب پڑھی۔ بعد میں سلام کیا اور ملے۔ پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ اس نے کہا فلاں بستی سے آیا ہوں' آپ کی شہرت سنی تھی اس لیے ملنے آ گیا۔ میزبان نے پوچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے۔ مہمان درویش نے کہا میں تمہیں اپنا ذریعہ معاش بتاتا ہوں لیکن پہلے میں وہ نماز دوبارہ پڑھ لوں جو تمہارے پیچھے پڑھی ہے کیونکہ وہ ضائع ہو گئی۔ اس نے نماز پڑھی تو میزبان نے پوچھا اب بتا کیا بات ہے' کیوں ناراض ہو گیا؟ مہمان درویش نے کہا تو اللہ والا ہو ہی نہیں سکتا جو ذریعے کے ساتھ معاش کو وابستہ کرتا ہے کیونکہ معاش اللہ کے حکم کے ساتھ ہے .......... مارکیٹ میں سارے دوکاندار کام کرتے ہیں' چاہیے تو یہ کہ سب کا ایک جیسا کاروبار چلنا چاہیے مگر باہر کسی ایک ریڑھی والے کا کام زیادہ چلتا ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے کو رزق مل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں سب کو رزق دیتا ہوں اور آپ دیکھتے ہیں کہ رزق مل رہا ہے' دریا کے اندر مل رہا ہے' سمندر کے اندر مل رہا ہے' پہاڑوں کے اندر مل رہا ہے بلکہ پتھر کے اندر جو چھوٹا

کیڑا ہے اس کو بھی رزق مل رہا ہے ......... رزق جو ہے وہ خیال کا بھی مل رہا ہے' نور کا اور روشنی کا رزق مل رہا ہے' احساس کا رزق مل رہا ہے' وجود کا رزق مل رہا ہے اور Actual مال بھی مل رہا ہے۔ اس لیے جب آپ توکل کرنے پہ آ جائیں تو پھر آپ اتنا اعتبار کرو کہ دینے والا دے گا۔ اور کب تک دے گا؟ یہ توکل موت تک کرنا ہے۔ وہ آپ کو آخری سانس سے دو منٹ پہلے تک بھی کھلا سکتا ہے۔ توکل محنت کی نفی نہیں کرتا۔ محنت کرنے کا نتیجہ تو ویسے بھی اللہ نے دینا ہے۔ توکل کا معنیٰ ہے Depend کرنا' بھروسہ کرنا' اور اپنے آپ درمیان میں Interfere نہ کرنا۔ تو بھروسہ کرو۔ توکل کرنے والے' متوکلین وہ ہوتے ہیں جن کا بھروسہ اللہ کی ذات پر ہوتا ہے' وہ سبب کے ساتھ دے یا بلا سبب دے' دینے والا وہ خود ہے۔ اپنے آپ پر بھروسہ نہ کرنا کہ ہم اپنے رزق کو کارخانے سے متعلق سمجھتے ہیں' دکان سے متعلق سمجھتے ہیں۔ ایک آدمی کا بچہ بیمار ہو گیا۔ اس کی بیوی نے کہا آج دکان پر نہ جاؤ۔ اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے' آج دوکان پر نہ جائیں گے تو رزق کیسے ملے گا۔ بیوی نے کہا دوکان پر رزق کیسے آتا ہے؟ اس نے کہا گاہک آتے ہیں' سودا لے جاتے ہیں اور رزق بن جاتا ہے۔ بیوی نے کہا پھر وہ گاہک پیسے کہاں سے لاتا ہے؟ تو یہ راز ہے رزق کا کہ جو تیرے پاس رزق لایا وہ کہاں سے لایا۔ تم سمجھتے ہو کہ تمہاری دوکان کے بغیر کاروبار نہیں چلے گا اور حقیقت یہ ہے کہ تیری دکان کے علاوہ بھی کاروبار چلتا ہے کیونکہ تیری دوکان میں رزق لانے والا کہیں اور سے لائے گا۔ لہٰذا یہ کائنات چل رہی ہے اور بھروسہ اللہ کی ذات پر ہونا چاہیے اور غیر اللہ کا اٹھالو۔ غیر کا خیال وہم ہے اور



وہم ہوتا ہے اس کے علاوہ کسی ذات پر بھروسہ کرنا' اس طرح تو دوکان بھی غیر اللہ ہے' نوکری بھی غیر اللہ ہے۔ اگر نوکری نہیں کرو گے تب بھی تمہارا کام ہو جائے گا' کام نہ ہو تب بھی ٹھیک ہے۔ تو توکل یہ ہے۔ پھر کام ہو کے رہتا ہے۔ اس لیے اگر اعتماد میں کمی ہو تو توکل ہلاکت ہے' اگر یقین میں کمی ہو تو توکل ہلاکت ہے۔ ایک مرتبہ حضور پاک ﷺ نے حکم دیا کہ توکل تو ہے لیکن اونٹ کو باندھ کے آؤ۔ وہ اصل میں بات یہ تھی کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی بات سن رہا تھا اور اس کے اونٹ باہر تھے۔ وہ بار بار ڈسٹرب ہو رہا تھا۔ اگر بات حضور اکرم ﷺ کی ہو اور ڈسٹرب کرے کسی اور کا خیال' تو سارا کام ہی غلط ہو جائے گا۔ تو اس شخص کو کہا گیا کہ پہلے اونٹ باندھ کے آؤ۔ یہ آپ کا رحم تھا کہ اُس کو اس طرح سمجھا دیا ورنہ تو اللہ کے حبیب ﷺ کی محفل میں اونٹ کا خیال اور ذکر کیسا۔ تو جن کی توجہ اور طرف ہوتی ہے ان کو یہ راز بتایا جاتا ہے۔ اس لیے کتابوں والوں نے بعد میں لکھا کہ جب آپ ؐ کچھ فرما رہے ہوتے تھے تو صحابہ کرامؓ اس طرح سنتے تھے جیسے اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں' وہ ہلتے بھی نہیں تھے' پھر سب سنتے تھے اور بولتا کوئی نہیں تھا' وہ یہ نہیں سوچتے تھے کہ اونٹ مر گیا ہے یا زندہ ہے' کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ آگے سے ہلے۔ تو یہ ہے توجہ کی بات۔ یہ تو وہ زمانہ تھا جس کی ہم بات کر رہے ہیں اور آج بھی لوگ حضور اکرم ﷺ کی بات ویسے ہی ادب سے سنیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ محفل میلاد ہو رہی ہو اور کوئی شخص کہے کہ میں گھر کی چابیاں بھول آیا ہوں۔ میلاد کی محفل میں چابی کا ذکر کہاں سے آ گیا۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ماننے والوں کا جو رشتہ ہے ایک تو اس کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ عبادت کرو اور یہ سب کے لیے یکساں ہے۔ اس کے بعد ہر آدمی کا اللہ کے ساتھ ایک الگ رشتہ ہے۔ جب ہر آدمی تنہا ہوتا ہے تو ہر آدمی اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ کوئی بات کرتا ہے' اُسے پکارتا ہے۔ تو آپ اس بات کو اور اس پکار کو قائم رکھنا۔ لوگوں کی باتوں میں نہ آنا لیکن اپنے پکارنے کے انداز کو قائم رکھو۔ یہ غور ضرور کرنا کہ آپ اللہ تعالیٰ کو کس طرح یاد کر رہے ہیں۔ جب اللہ کو یاد رکھو تو یہ شکر ادا کرنا کہ اُسی نے آپ کو یاد رکھنے دیا۔ کہتے ہیں کہ جب آپ اللہ سے کوئی چیز مانگتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو تمہاری مانگی ہوئی چیز ملی' یہ انعام ہے کہ تم نے مجھی سے مانگا ہے' غیر سے نہیں مانگا۔ تو آپ اسی کو یاد رکھیں اور اسی سے کام رکھیں۔ پھر اللہ سے یہ تعلق بن جائے گا کہ یا تو آپ کی ضرورت پوری ہو جائے گی یا پھر آپ سوال چھوڑ دیں گے۔ تو یا تو وہ ضرورت پوری فرما دے گا یا پھر آپ ضرورت چھوڑ دو گے۔ یعنی کہ آپ کی اور اس کی ایک رائے بن جائے گی۔ جب یہ تعلق بن جائے گا تو آپ دعا کریں گے کہ یا اللہ جو دعا پوری نہیں ہوئی مجھے اس سے نجات دے دے جو کام پورا ہونے والا ہے وہ تُو بغیر مانگے ہی پورا کر رہا ہے۔ پھر اس طرح کا راستہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے آپ واسطہ رکھا کرو۔ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں جو چیز سب سے اچھی ہے وہ اللہ کی راہ میں نثار کرتے رہا کرو اور پریشان حال لوگوں کی مدد کیا کرو۔ جو عمر میں بڑا ہو اس کا ادب کیا کرو' یہ بھی اللہ کا ایک راستہ ہے۔ استادوں کی عزت کیا کرو۔ یہ سارے طریقے اللہ کو راضی رکھتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے تھے



جو رات کو جاگے اور ستاروں کو دیکھ کر کہا کہ سبحان اللہ کتنی خوب صورت کائنات بنائی ہے۔ اور پھر سو گئے۔ تو اللہ راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ کبھی آنکھ اُٹھا کر میری کائنات کو دیکھو' کیا اس میں تمہیں کوئی نقص نظر آیا؟ پھر آنکھ اُٹھا کر دیکھو تو کوئی نقص تمہیں نظر نہیں آئے گا' اس لیے سبحان اللہ پڑھو ہم نے تمہارے لیے سورج بنایا' پہاڑ بنائے' دریا بنائے' ان میں کوئی نقص نہیں ہے' انسان کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں ہے' اتنا میلہ بنایا تمہارے لیے رونق بنائی اور تو ہے کہ شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ پھر ہم نے تمہیں یہاں بھیجا' تمہیں دیکھنے کے لیے پوری کائنات بنائی جس میں رونقیں ہیں' میلے ہیں' رنگ ہے' نور ہے' آوازیں ہیں' میوزک ہے اور کتنی ہی چیزیں ہیں۔ تم ان کا شکر ادا کرو۔ وہ اللہ جس نے چمگادڑیں اور چھپکلیاں بنائی ہیں اس نے تمہیں انسان بنایا' اس کا بھی شکر ادا کرو' یہ بھی ہو سکتا تھا کہ تمہیں وہ بنا دیتا مگر اس نے تمہیں انسان بنایا' پھر انسانوں کے بہتر زمانے میں تمہیں پیدا کیا' شکر ادا کرو' بہتر امت میں سے پیدا کیا' شکر ادا کرو' اپنا دین تمہیں عطا کیا' شکر ادا کرو' اپنا شعور عطا کیا' سجدہ کرنے کا ذوق عطا کیا' شکر کرو' تو ان سب کا شکر کیا کرو مگر تم کہتے ہو کہ حالات خراب ہیں۔ اگر شکر نہ کیا تو حالات خراب ہی رہتے ہیں۔ اگر آپ نے یہ کہا کہ حالات خراب ہیں تو پھر حالات خراب ہو جائیں گے۔ آئندہ اگر یہ کہو گے کہ حالات اچھے ہیں تو حالات ٹھیک ہوں گے' جو اپنے حالات کو ٹھیک کرنا چاہے وہ یہ کہے کہ حالات اچھے ہیں۔ اللہ کو تو پتہ ہے کہ حالات کیسے ہیں۔ تو آپ اپنے حالات کو اچھا کہا کرو' حالات کو برا نہ کہنا ورنہ واقعی برے ہو جائیں گے۔ اگر نگاہ کمزور ہو گئی ہو لیکن

رنگ نظر آتے ہوں تو شکر کرو کہ حالات اچھے ہیں' صحت میں ہو تو شکر کرو حالات اچھے ہیں' کانوں میں آواز آ رہی ہے تو حالات اچھے ہیں' اولاد قائم ہے تو شکر کرو' بزرگوں میں کوئی زندہ ہے تو حالات اچھے ہیں' رات کو چھت کے نیچے سوتے ہو تو حالات اچھے ہیں' اچھے انسان ہو تو حالات اچھے ہیں' اس کے علاوہ ''حالات'' کیا ہوتے ہیں......... اگر جنت میں جانے والے ہو تو حالات اچھے ہیں۔

سوال:

اگرچہ حالات اچھے ہیں لیکن دل گرفت میں آ گیا ہے تو کیا کریں؟

جواب:

دل میں اندیشے لالچ کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ جب تک لالچ نہیں نکلے گی اندیشہ نہیں نکلے گا۔ اگر کوئی ہمت کر کے یہ کہے کہ مجھے اللہ کچھ نہ دے' تو دل آزاد ہو گیا کہ نہ کچھ لے اور نہ کچھ دے۔ مجال ہے کہ پھر دل گرفت میں آئے۔ اندیشہ ہوتا ہے لالچ کی وجہ سے۔ اندیشہ تب ہوتا ہے جب کوئی شے نہ ملے یا کوئی شے چھن جائے جو آپ کے پاس ہے۔ جو شے پاس ہے وہ چھوڑنے کو تیار ہو جاؤ اور جو نہیں آئی وہ قبول نہ کرو' اگر ہوتی ہے تو ہو جائے اور نہیں ہوتی تو نہ ہو.........

ایک شخص کا والد فوت ہو گیا' وہ رو رہا تھا' روتا روتا اپنے پیر صاحب کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا گھبراتا کیوں ہے' تو بھی کچھ سال میں وہاں پہنچ جائے گا۔ اس طرح اندیشے نکل جاتے ہیں۔ جانے والوں کو جانے دو اور آنے والوں کا فکر نہ کرو' حاصل کی پرواہ نہ کرو اور محرومی کا ڈر نہ کرو۔ پھر ڈر کس بات کا اور اندیشہ کس بات کا۔ لوگ خدا سے زیادہ لوگوں سے ڈرتے ہیں' سارے غریب ہیں اور اپنے



آپ کو غریب کہنے سے ڈرتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ غریب ہیں' یہ کہنے سے ڈر ختم ہو جائے گا۔ حالات کیا خراب ہیں' زیادہ سے زیادہ مر جاؤ گے' جو صحت مند ہیں وہ بھی تو مریں گے' ڈاکٹر بھی مرتے ہیں' پرانے لوگ سارے مر گئے' جن لوگوں کو آپ یاد کرتے ہو وہ سارے کے سارے رخصت ہو گئے ہیں' جتنی حقیقتیں ہیں وہ رخصت ہو گئی ہیں' جن کے مزار پہ جاتے ہو وہ رخصت ہو گئے ہیں' داتا صاحبؒ جاتے ہو وہ رخصت' میاں میر صاحبؒ جاتے ہو تو وہ رخصت' بابا شاہ جمالؒ بھی رخصت......... پھر تم کون ہو؟ تم کہتے ہو میں نے رخصت نہیں ہونا۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں بچوں کا رکھوالا ہوں اور اللہ تعالیٰ اندیشہ پیدا کر دیتا ہے۔ جیسے تو خود اللہ کی حفاظت میں ہے بچوں کو بھی اس کی تحویل میں دے دے' پھر کوئی اندیشہ نہیں رہے گا۔ اندیشہ اس لیے ہے کیونکہ بلاوجہ مالک بننے کا دعویٰ ہے۔ انسان سوچتا ہے میرے مریض بچے کا' غریب بچے کا کیا بنے گا' اسے دنیا تباہ کر دے گی۔ اس طرح اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی مر رہا تھا۔ عزرائیلؑ وہاں آیا۔ اس نے پوچھا کون ہو؟ عزرائیلؑ نے کہا میں وہی ہوں۔ اس نے کہا میں ابھی مرنا نہیں چاہتا' میرے پاس کچھ بکریاں ہیں اور میں نے بڑا کچھ بچا کے رکھا ہوا ہے' پہلے وہ ٹھکانے لگا لوں۔ عزرائیلؑ نے کہا یہ سب چھوڑ اور میرے ساتھ چل۔ کہنے لگا پھر یہ جو پیسے ہیں یہ تو آگے پہنچا دے۔ عزرائیلؑ نے کہا یہ آگے نہیں جا سکتے۔ تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو بڑا ظلم ہے' ان کو بانٹنا بڑا مشکل ہے......... اگر تم زندگی میں اپنا مال بانٹ دو' اپنی اولاد کو اللہ کے حوالے کر دو تو پھر اندیشہ کس بات کا ہے۔ کیا آپ جنت میں جانا چاہتے ہیں؟

سب کہیں گے جی ہاں۔ کیا آج جانا ہے؟ سب کہیں گے نہیں' ابھی کچھ کام رہتے ہیں۔ بس یہاں سے اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ خواہش' تمہاری مرضی ہے اور پورا کرنا اس کی مرضی ہے اللہ کی مرضی پر اپنی مرضی چھوڑ دے' پھر سب پورا ہو جاتا ہے، یہ فراق وصال کی بات ہے۔ فراق وصال کی ضد نہیں ہونی چاہیے۔ وہ اگر وصال دے تو وصال قبول اور فراق دے تو وصال سے زیادہ قبول۔ بس یہ ہے محبت کا راز' وہ اگر سامنے آئے تو محبت ہو اور سامنے نہ آئے پھر بھی اس کی محبت۔ اس کو تم پابند نہ کرنا' یہ ہے محبت کی ابتداء۔ یہ نہ کہنا کہ سامنے آ تو سجدہ کروں' وہ تو کئی بار آیا مگر تم نے سجدہ نہیں کیا کیونکہ تمہیں اس کا پتہ نہیں اس لیے اس کا فراق ہی اس کا وصال ہے' کیونکہ اس کا وصال ہے ہی نہیں' اس کا وصال' جسے وصال کہتے ہیں' وہ فراقِ جاں ہے۔ اپنی جان سے فراق ہوگا تو اس سے وصال ہوگا۔ اسی کو حقیقت کہتے ہیں اور اسی کو اللہ کہتے ہیں۔ اس کا فراق عین وصال ہے اور ہمیشہ سے یہی ہے' ہمیشہ سے ہی یہی ہے۔ اس کی راہ میں صرف چلنا ہوتا ہے' پانا کچھ نہیں ہے' کب تک چلنا ہوتا ہے؟ بس چلنا ہی ہوتا ہے۔ منزل کے بعد کیا ہوتا ہے؟ منزل کے بعد پھر سفر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ہے اس کی راہ۔ تو اس کی راہ یہ ہے کہ سفر کے بعد منزل اور منزل کے بعد سفر' سفر در سفر' چلتے جاؤ' چلتے چلے جاؤ۔ اس لیے لامحدود کا سفر محدود زمانے میں نہیں ہو سکتا۔ اس سفر میں اندیشہ جو ہے یہ غیر اللہ ہے' بلکہ ایمان کی تعریف یہ ہے کہ ایمان اندیشے کی نفی ہے اور ایمان اس کی ذات پر اعتماد کا نام ہے۔ محبت جو ہے وہ محبوب کے آنے کے یقین کا نام ہے۔ وہ کب آئے گا؟ یہ اس کی مرضی پہ چھوڑ۔ یہ نہ کہنا کہ میں بڑا محبت کرنے والا ہوں' بے



تاب ہوں' ابھی آ جا۔ اس کی مرضی کہ پھیرا لگائے یا نہ لگائے۔ بس چراغ جلا کے آرام سے بیٹھ جا۔ اس نے جب آنا ہوگا آ جائے گا۔ جب وہ آئے گا تو تم نے پتہ ہے کیا کہنا ہے؟ کہ ہمارے دو چار کام ہی کر جا۔ تو اس وقت محبت درست ہے اور محبت کا دعویٰ اس وقت کرنا چاہیے جب تمہیں اس سے کوئی کام نہ لینا ہو۔ محبت کی دنیا میں محبوب سے سوال جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ محبوب بھی ہے اور رب بھی ہے لہٰذا آپ یہ سوچ لو کہ سوالات کا سلسلہ جب ختم ہو جائے تو پھر آپ محبت کرو۔ پھر آپ کہہ سکتے ہیں کہ اندیشہ محبت کا ہے ورنہ تو اندیشہ کسی دنیاوی چیز کا ہوگا۔ محبت میں دینی سوال بھی دنیاوی ہے! کیونکہ وہاں پر سوال ہی منع ہے..........

کوئی اور بات پوچھنی ہو تو بتائیں .......... پوچھیں .......... آئندہ کے لیے آپ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اگر خود سوال نہیں پوچھ سکتے' مشکل لگتی ہے تو کاغذ پر لکھ کر یہاں رکھ دیا کریں۔ پھر سوال کا جواب مل جائے گا ..........

آخر میں دعا کرو .......... سب کے لیے ..........

آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

# 2

1 رُوح کی حقیقت کیا ہے؟

2 رُوح کا باپ بیٹا تو نہیں ہوتا ہے تو کیا روح کا ساتھی ہوتا ہے؟

3 اس جسمانی اتصال کے نہ ہونے کے پس منظر میں ہم پیر و مرشد کے ظاہری رشتے کی وضاحت کیسے کریں گے؟

4 عہدِ الست کیا ہے؟

5 حضرت سلیمانؑ کے واقعے میں الکتاب کا ذکر ہے تو اس واقعے میں کتاب کون سی مراد ہے اور علم سے کیا مراد ہے؟

6 یہ ''کن فیکون'' کا جو علم ہے کیا یہ قرآن یا توریت کے علاوہ ہے؟

7 کیا روحانی علم سیکھنے سے مل سکتا ہے؟

8 کیا حضرت اویس قرنیؓ کو حضور پاک ﷺ کا دیدار ہوا تھا؟

9 کیا یہ ممکن ہے کہ حضور پاک ﷺ کو دیکھے بغیر عشق ہو جائے؟

10 محبت عطا تو ہے لیکن اس میں کوشش کا تو کچھ دخل نہیں ہوگا۔

11 کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک ہی اسمِ اعظم ہے جسے اسمِ اعظم کہا جاتا ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہر زمانے کے لیے الگ اسمِ اعظم ہے۔

12 لوگوں کو یہ شوق کیوں ہوتا ہے کہ ہم آسانی سے اسمِ اعظم حاصل کریں۔

سوال:

روح کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:

ہم آپ کے پاس بینائی کا علم نہیں ہے لیکن بینائی تو موجود ہے۔ ساری کائنات بینائی کا ذکر ہے، میں نے دیکھا، اس نے دیکھا، پھر دونوں کو دنیا نے دیکھا اور دیکھنے والوں کی نظر کو دیکھا۔ لیکن دیکھنا کیا ہوتا ہے؟ یہ کسی نے نہیں بتایا۔ اسی طرح ہم نے چکھا کہ ذائقہ اچھا تھا، تو یہ ذائقہ کیا ہوتا ہے؟ یہ کسی نے نہیں بتایا کہ ذائقہ ہوتا کیا ہے۔ اسی طرح جتنی بھی احساس کی کیفیات ہیں، و محسوس تو ہوتی ہیں لیکن بیان نہیں ہوتیں۔ اسی طرح روح کا علم جو ہے یہ تھوڑا تھوڑا بتایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ روح پہ اصل میں Discussion نہ ہو تفصیلی ذکر نہ ہو کیوں کہ اس کی حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔ تو اتنی بات بہت ہے، کافی ہے کہ ''یہ اللہ کا حکم ہے''۔ اور اللہ کے حکم سے آپ کو روح میسر آئی۔ تو اس کا ذکر ا ہی کافی ہے ورنہ جن قوموں نے روح کے بارے میں بیان کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے



Discard کر دیا کہ روح کا ذکر مت کرو، روح کا بیان مت کرو کیوں کہ پھر اس میں کچھ تضادات آ جائیں گے۔ تو روح کو اللہ کا حکم کہہ کے خاموش ہو جاؤ تا کہ اس سے آگے بحث نہ ہو۔ اسی طرح مابعد کے بارے میں کوئی بحث نہ ہو۔ اصل میں یہ ساری بات مابعد کے لیے چل رہی ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا، زندگی اسی مابعد کے فکر میں گزر رہی ہے لیکن اس میں بحث نہ ہو کہ وہاں جو درخت ہوں گے ان کا سایہ ہوگا کہ نہیں ہوگا؟ وہاں پرندے کس قسم کے ہوں گے؟ وہاں کا مور کیسے ہوگا؟ مور جنت میں ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا؟ اور واقعات کیسے ہوں گے؟ کیا بھوک لگے گی تو روسٹ گوشت ملے گا یا پھل ہی ملیں گے؟ آگ کے بغیر روسٹ کیسے ہوگا؟ تو یہ باتیں مت کرو۔ مقصد یہ ہے کہ یہ Discussion نہ ہو، بحث نہ ہو، جتنا کچھ اللہ نے فرمایا اتنا کافی ہے۔ یہ نہ کہنا کہ دوزخ کیا ہوتی ہے؟ کہیں ایسے تو نہیں ہوتا کہ ٹھنڈے علاقے کا بندہ گرم علاقے میں آ جائے تو یہ اس کے لیے دوزخ ہے۔ جنت کی تعریف ہی یہی ہے کہ ''باغ''۔ تو کیا جنت کسی باغ کا نام تو نہیں ہے؟ یعنی کہ بغیر باغ کے لوگ جو ہیں وہ باغ کے علاقے میں آ جائیں تو وہ کہیں گے

؎ اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است ہمیں است ہمیں است

لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر جنت دنیا میں ہو تو کشمیر ہی جنت ہے۔ کیا اسی کا نام جنت ہی تو نہیں ہے؟ کیا ''باغ'' کا مطلب ہے جنت؟ یہ بحث کرنے لگ جاؤ گے تو پھر اصل مضمون رہ جائے گا اور پھر آپ Discussion میں، بحث میں

گم ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ روح کو خود دریافت کرتے جائیں اور اس کا عمل جاری رکھیں۔ یہ کہا گیا ہے کہ روح سب کے پاس ہے۔ جب آپ اپنی روح کو آشنا کر لیں تو اس کے مطابق اپنا عمل کرتے جائیں، اس طرح روح کی آسودگی آ جائے گی۔ تو روح کا بیان نہیں بلکہ روح کا عمل ہونا چاہیے۔ جس طرح زندگی ایک عمل کا نام ہے، جان ایک عمل ہے تو خیال ایک عمل ہے۔ تو آپ اس کا طریقہ چلاتے جائیں۔ روح کی Dimensions حدود نہ بیان کرنا، مثلاً یہ کہ روح جب جسم سے نکلتی ہے تو کیا پرندے کی شکل میں نکلتی ہے؟ مغربی لوگوں نے کہا کہ کمرہ بند کر دو، Airtight کر دو اور جب اس آدمی کی روح قبض ہوگی تو وہ شیشہ توڑ کے نکل جائے گی۔ تو کیا روح وجود رکھتی ہے؟ اگر شیشے کے اندر آدمی مر جائے اور Airtight شیشہ ہو اور اس میں سے روح نکل جائے تو کیا وہ ساری چیز توڑ دیتی ہے؟ کیا روح کوئی چیز ہوتی ہے؟ اس کی شکل کیا ہوتی ہے؟ کیا اس کی آواز بھی ہوتی ہے؟ کیا اس کا رنگ بھی ہوتا ہے؟ اگر ان باتوں پر سوچتے جائیں گے تو پھر سوچتے ہی جائیں گے اور بات وہیں کی وہیں رہ جائے گی۔ کچھ لوگ روحوں کو بلاتے ہیں، جب انہوں نے ایک روح کو بلایا تو اس نے ایک بات بتا دی۔ پھر انہوں نے بڑے بڑے لوگوں کی روحوں کو بلایا، روحوں کو وہاں بلاتے ہیں اور باقاعدہ ان سے باتیں کرتے ہیں اور روح ان سے باتیں کرتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ کیا اتنے لوگوں نے دھوکا کھایا؟ کھایا ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ جب یہ آپ کہتے ہیں کہ روح کی حقیقت کیا ہے، اس کی ماہیت کیا ہے، Spiritualism کیا ہے؟ اس پہ کتابیں یہاں بھی لوگوں نے لکھی ہیں اور



Spiritualism کے اوپر مغربی فکر میں بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ آپ اپنا دل لگا کے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اپنی زندگی بغور اور شوق کے ساتھ اللہ کے راستے میں گامزن کر دو۔ تو یہی روحانیت ہے۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ رابطہ اور حسنِ سلوک کرتے جاؤ تو یہ روحانیت ہے۔ روحانیت آپ کو کوئی Extra شے نہیں بنائے گی کہ آپ کو کوئی اور شے بنا دے، آپ کو انسان ہی بنائے گی۔ تو تصوف کا مضمون بالکل بجا ہے۔ تصوف والوں نے کوئی علیحدہ بیان نہیں دیا۔ صرف یہ ہے کہ جو شریعت کا بیان تھا اس کے مطابق زندگی گزار کر انہوں نے دکھائی ہے کہ وہ بے ضرر لوگ تھے، نقصان نہیں پہنچاتے تھے اور ہر کسی کو فائدہ ہی پہنچاتے تھے۔ اگر کسی آئٹم پہ بحث ہو جائے، منزل کے حصول پر بحث ہو جائے یا قرآن پاک کی کسی آیت کی Interpretation پر بحث ہو جائے تو علم والا آدمی علم والے کے ساتھ لڑ پڑے گا، اس کو غصہ آ جائے گا۔ وہ کہے گا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ہمارے استاد صاحب نے یوں کہا ہے، دوسرا کہے گا ہمارے استاد صاحب نے یوں کہا تھا۔ یوں وہاں جنگ ہو جائے گی۔ تصوف والے جو ہیں اگر ان کے پاس آپ جائیں گے کہ یہ یوں ہے تو وہ کہیں گے اس کو ابھی اس طرح سمجھ لو، پھر کچھ عرصہ کے بعد کہیں گے یہ تمہارے سوال کا جواب ہے۔ وہ دیکھیں گے کہ سامع کی یا سوال کرنے والے کی کیفیت موزوں ہو تا کہ اس کو جواب سمجھ آ سکے۔ بغیر کیفیت کے وہ بزرگ جواب ہی نہیں دیتے۔ بیمار کو تو وہ تبلیغ ہی نہیں کرتے۔ مثلاً ایک آدمی بیمار ہے تو وہ پہلے اس کی بیماری دور کریں گے پھر اس کو تبلیغ کریں گے، بیماری چاہے ہوس پرستی کی ہو، چاہے نفس پرستی کی ہو، چاہے وہ دولت پرستی کی ہو، چاہے

کسی قسم کی بیماری ہو بہر حال وہ اس کو اس وقت فوراً تبلیغ نہیں کریں گے۔ اسے کہتے ہیں کسی کی اصلاح کرنا' تقویٰ سکھانا' ''ویزکیھم'' تزکیہ سکھانا۔ پھر ایک موزوں کیفیت کے بعد وہ علم دیتے ہیں۔ تو روحانیت بالکل ٹھیک ہے۔ روح کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ یسئلونک عن الروح کہ لوگ آپؐ سے پوچھیں گے روح کیا ہوتی ہے؟ جواب یہ ہوگا کہ قل الروح من امر ربی ان سے کہہ دیجیے کہ روح میرے اللہ کا حکم ہے اور اس کا حکم صحیح ہے۔ پھر مضمون کو سٹاپ کر دیں۔ کیوں سٹاپ کر دیں؟ اس لیے سٹاپ کر دیں تا کہ اس میں لمبی کوئی وقت نہ ہو تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہمارے ہاں تو یہ تجربہ ہوا تھا' یہاں ایسا واقعہ ہوا تھا اور وہاں ایسا واقعہ ہوا تھا۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا گئے ہوئے جسم سے روح واپس بھی آ جاتی ہے؟ کیا مرنے کے بعد پھر وہ زندہ کر کے دکھا دیتے ہیں؟ کیا پھر وہ آدمی کچھ عرصہ کے لیے چلنا پھرنا شروع ہو جاتا ہے' Rebirth بھی ہو جاتی ہے؟ کیا Resurrection بھی ہو جاتا ہے؟ تو آپ ان باتوں میں مت پڑو۔ مقصد یہ ہے کہ جتنا علم ہے اتنا عمل کرتے جاؤ۔ تو روح کے باب میں کچھ بیان نہیں کرنا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ روح جو ہے یہ تخلیق شدہ ہے لیکن اس کی Death' موت نہیں ہے۔ اس لیے یہ کہا گیا کہ روح جو ہے وہ ایک کنارے کا سمندر ہے' پیدا ہوئی اور پھر اس کا انجام کوئی نہیں ہے۔ روح جو ہے یہ Double Eternity نہیں ہے وہ صرف اللہ ہے' روح ازلی نہیں ہے اور اللہ کریم ہر آغاز سے پہلے ہے اور ہر انجام کے بعد ہے۔ روح جو ہے اپنے آغاز سے پہلے نہیں تھی۔ یہ من امر ربی ہے۔ تو ''امر ربی'' جو چیز ہے وہ تب پیدا ہوگی جب اللہ اس کا امر کرے گا' اس



سے پہلے امر پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ موجود ہے اور روح اللہ نہیں ہے۔ یہ بات یاد رکھنا کہ روح' اللہ نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے' لیکن یہ اللہ کا امر ہے' Eternal' لازوال ہے' اس کو موت نہیں ہے۔ اللہ نے یہ تخلیق فرمائی ہے۔ اس لیے روحانی زندگی جو ہے ممکن ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی جاری رہے۔ تو ممکن ہے کہ روحانی وجود جو ہے وہ بعد میں بھی قائم رہے۔ ایک ہوتی ہے طبعی زندگی' طبعی زندگی کا مطلب ہے کہ ایک تو تاریخ پیدائش ہے اور ایک یوم وصال ہے' پھر طبعی زندگی ختم ہو گئی۔ اب یہاں بات ختم ہو جانی چاہیے تھی لیکن ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں بات ختم نہیں ہوتی۔ جس طرح آج کل کے مسلمان ہیں' ان کا سارا عقیدہ' سارا مزاج' سارے احساسات' یہ ماضی کے ان زندہ لوگوں کے طفیل سے قائم ہیں جو بندے ظاہراً موجود نہیں ہیں۔ مثلاً والد صاحب کا قول یاد آ گیا' جو ابھی آپ کو یاد آیا ہے' حالانکہ وہ رخصت ہو گئے ہیں۔ اب ان کے قول کو یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے کیوں کہ آدمی گیا تو قول بھی ساتھ گیا' لیکن ایسا نہیں ہے' یہ کہنا بڑی گمراہی ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ ہوا ہے کہ جانے والے کے ساتھ بات نہیں جاتی۔ جب جانے والے کے ساتھ اس کی بات نہ جائے تو کہتے ہیں کہ پھر طبعی زندگی کے ساتھ اس کی روحانی زندگی شروع ہو گئی۔ ظاہری زندگی میں بھی ایک روحانی زندگی ہوتی ہے اور طبعی زندگی کے بعد بھی ایک روحانی زندگی ہوتی ہے۔ زندگی میں روحانی زندگی کیا ہے؟ آپ کا تخلیہ جو ہے اس کو روحانی زندگی کہہ سکتے ہیں۔ تخلیے میں کوئی انسان گواہ نہیں ہے' وہاں آپ ہی ہیں' آپ پبلک میں تو ہنستے رہتے ہیں مگر جب تخلیے میں رونے لگ جائیں تو پھر آپ کی زندگی کچھ اور ہے۔

تہجد کے وقت اگر آپ کچھ اور ہی کیفیت میں ہوں تو آپ کی روحانی زندگی کچھ اور ہی ہے یعنی کہ تنہا وقت ہو اور جب آپ اور اللہ دونوں ہی ہوں تو پھر کچھ اور ہی واقعہ ہو جائے گا۔ تو یہ روحانی زندگی ہے۔ تو اس زندگی میں بھی روحانی زندگی ہوتی ہے' اس میں خیال ہوتا ہے اور احساس ہوتا ہے۔ ایک آدمی اگر حج کرنا چاہتا ہے اور وسیلہ نہیں بن رہا' سبب نہیں بن رہا تو وہ ہر وقت ہی حج کے خیال میں ہے۔ ممکن ہے اس کا سارا وقت حج ہی حج ہو۔ اب یہ اس کے دل میں حج کی جو خواہش ہے' لگن ہے یہ کیا ہے؟ یہ روحانی زندگی ہے۔ باہر کیا ہوتا ہے؟ ایک پنجرہ۔ اور اندر جو ہے وہ ایک خوب صورت پرندہ ہوتا ہے۔ وہ پرندہ کیا ہے؟ وہ آپ کا روحانی وجود ہے یا نورانی وجود ہے۔ نورانی وجود جو ہوگا یعنی جن لوگوں کی روحیں نورانی ہیں تو پھر ان پر سلام' تو یہ کوئی اور مقام آ گیا جو نورانی ہے۔ جس طرح آپ حضور پاک ﷺ کی بات دیکھیں کہ آپؐ کی طبعی زندگی میں' موجود زمانے میں' موجود آدمیوں کے ساتھ بات ہو رہی تھی' آپؐ زمانے میں لگن پیدا فرماتے تھے' موجود تھے' چہرہ بھی مبارک' دیدار بھی مبارک' اور لوگ دیکھتے تھے لیکن بعض دفعہ طبعی زندگی کے بعد کے مسلمانوں کو زیادہ شوق عطا ہو گیا۔ یہ جو ہے یہ کیا ہے؟ یہ نورانی زندگی ہے یا روحانی زندگی ہے۔ گویا کہ روحانیت یہاں سے چلی۔ روحانیت کا مطلب ہے دائرہ تاثیر۔ اگر وصال سے پہلے وہ تاثیر ہو تو یہ طبعی زندگی کی ہے اور اس کے بعد بھی دائرہ تاثیر چلتا جائے تو یہ روحانی زندگی ہے۔ تو فقراء' صوفیاء کرام کا کمال یہ ہے کہ بعض اوقات مزار جو ہے وہ بندے سے زیادہ Important ہے۔ کبھی آپ نے دیکھا؟ ایک بزرگ یہاں پر رہتے تھے' دریا کے



کنارے بیٹھتے تھے' سائیں صاحب تھے' مگر مرنے کے بعد جتنا فیضِ عام اس مزار نے' اس خانقاہ نے کیا' اتنا تو بہت کم لوگ کرتے ہیں' دھڑا دھڑ لوگ وہاں جا رہے ہیں اور شوق کے ساتھ۔ تو بڑا میلہ اور رونق ہوتی ہے۔ جس طرح آپ کے مرشد ہوں' کیا ان کے وصال کے بعد آپ کا شوق کم ہوا؟ کم نہیں ہوا بلکہ زیادہ ہوا۔ اگر آپ سے یہ کہا جائے کہ حضور غوث پاکؒ کا نام نہ لیا کرو تو کچھ لوگ جو ہیں وہ کہیں گے کہ اب تو نام لینے کا وقت ہے۔ اگر یہ کہیں کہ آپ ذکر نہ کیا کرو' آپ داتا صاحبؒ کا نام نہ لیا کرو' آپ کربلا کا نام نہ لیا کرو' کربلا تو ہو چکی ہے' اب آپ کیا کہتے ہو؟ تو وہ کہے گا کہ آج ہی کو تو کربلا کہتے ہیں۔ کوئی واقعہ ہو چکنے کے بعد اب جو کہتے ہیں' اس کا ذکر کرتے ہیں تو یہ روحانیت ہے۔ تو وہ واقعہ ہو چکنے کے بعد ختم نہیں ہوا' بات ختم ہو گئی ہے لیکن واقعہ چل رہا ہے۔ واقعہ اتنا سارا تھا کہ کربلا کے اندر ایک جنگ ہو گئی' ایک واقعہ ہو گیا' نواسۂ رسولؐ شہید ہو گئے اور یزید والے فاتح ہو گئے اور وہ جنگ جیت گئے۔ ایمان والے کہتے ہیں کہ وہ جیت کیسے گئے کیوں کہ کھیل تو اب شروع ہوا ہے اور واقعہ تو اب ہوگا۔ لہٰذا جب تک امت قائم ہے کربلا کا واقعہ چلتا جائے گا۔ جب تک اسلام قائم ہے' ذکر چلتا رہے گا۔ اب یہ کیا ہے؟ یہ ہے روحانی وجود اور روحانی زندگی۔ تمام صاحبانِ روح کے اندر ان کی یاد اور ان کی بات چلتی جائے گی۔ جس طرح ہوتا ہے کہ پانی کے چھینٹے پڑ جاتے ہیں' اسی طرح محبت کے چھینٹے کچھ کافروں پر بھی پڑ گئے۔ تو ملکی رام بھی وہ داستان لکھتا ہے۔ اسی طرح کئی اور لوگ ہیں۔ تو یہ ہے روحانی زندگی۔

تو تاریخ کیا ہے اور واقعہ کیا ہے؟ واقعہ اتنا سارا ہے کہ Discussion ہوئی تھی' اسلامی وجوہات پر تھوڑا سا تضاد ہو گیا' جنگ ہو گئی' امام پاکؓ شہید ہو گئے اور وہ فاتح ہو گئے اور ظاہراً کھیل ختم ہو گیا۔ لیکن کھیل کیا ہے؟ یہ ختم کیسے ہوگا اور اب بھی یہ واقعہ ہے۔ اس لیے روحانیت میں داخل ہونے والے چلتے ہی جا رہے ہیں اور چلتے ہی جا رہے ہیں' مرنے کے بعد اور زیادہ چل پڑتے ہیں' اور زیادہ بکھر جاتے ہیں' اور نکھر جاتے ہیں۔ تو یہ واقعہ جو ہے اس کو تصوف والے یا روحانیت والے بالکل ٹھیک سمجھتے ہیں۔ روحانیت والوں نے روح کا کیا بیان کیا؟ یہ اللہ کا حکم ہے اور بس۔ روح کیا ہے؟ اللہ کا امر ہے۔ اس کی شکل کیسے ہوتی ہے؟ اس کا کوئی رنگ بھی ہوتا ہے؟ اس کی کوئی آواز بھی ہوتی ہے؟ روح جسم سے کیسے نکلتی ہے؟ یہ داخل کب ہوتی ہے' جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تب داخل ہوتی ہے؟ یہ کیسے داخل ہو سکتی ہے؟ بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ یہ سارے اللہ تعالیٰ کے کام ہیں' اس کے حق کام ہیں۔ اگر صرف تخلیق پہ غور کرو تو اس کے اندر اتنی باریکیاں اور پیچیدگیاں ہیں کہ انسان جو ہے ''سبحان اللہ سبحان اللہ'' پڑھتا جائے' کہ وہ کاریگر کمال کا ہے' انسان کے اندر تخلیق کے جو جواہر پارے بن رہے ہیں' شکلیں بن رہی ہیں' یہ شکل جو ہے اتنا کام کرے گی اور وہ شکل اتنا کام کرے گی۔ یہ مورتیں ہیں اور صورتیں ہیں جو وہ بنا رہا ہے۔ ان سارے واقعات میں غور کرنے والی بات ہے۔ اس لیے اس میں تضاد والی کوئی بات نہیں ہے۔ روح کے بارے میں انسان کو کتنا علم دیا گیا' الا قلیلا' کم دیا گیا' وہ قلیل ہے' تھوڑا سا ہے۔ روح



کے موضوع پہ Commitment نہ کرنا کہ روح یہ ہے اور روح وہ ہے۔ ساری روحوں کی عمر ایک ہے اور ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ تخلیق ہوئی ہیں' آنا جانا اپنے زمانے میں' اپنے اپنے وقت کے مطابق ہے۔ ساری روحیں جو ہیں یہ تمام کی تمام مفرد ہیں۔ روح کا نہ کوئی باپ ہے نہ بیٹا ہے۔ بچہ باپ کا بیٹا ہے لیکن بچے کی روح باپ کی روح کا بیٹا نہیں ہے۔ یہاں سے ایک نیا مضمون چلتا ہے کہ پھر روح کیا ہے؟ جب انسان اپنی روح پہ آ جائے تو اسے اس کے بعد سمجھ آتی ہے کہ قل ھو اللہ احد کیا ہے؟ روح جو ہے نہ کسی کا بیٹا ہے نہ کسی کا باپ ہے بلکہ عین مفرد ہے' لیکن یہ مخلوق ہے اور اللہ خالق ہے۔ روح کی ابتداء ہے اور خالق ہر ابتداء سے پہلے ہے' جو بھی ابتداء آپ سمجھیں گے خالق اس سے بھی پہلے ہے اور جتنی انتہا سمجھو گے اللہ اس انتہا کے بعد بھی ہے۔ بس یہ خالق کا مقام ہے۔ اور روح کیا ہے؟ اس کی ابتداء موجود ہے' اس ابتداء سے پہلے یہ نہیں تھی۔ اس نے تباہ ہونا ہے؟ یہ تباہ نہیں ہوگی۔

سوال:

روح کا باپ بیٹا تو نہیں ہوتا ہے تو کیا روح کا ساتھی ہوتا ہے؟

جواب:

کیا آپ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا روحوں کا ساتھ پیدائش سے پہلے طے ہو چکا ہوتا ہے' کیا مرنے کے بعد طے ہوتا رہتا ہے' کیا مجنوں کے ساتھ لیلیٰ کی روح کا کوئی وصال تھا اور کیا ایک دوسرے کے ساتھ روحانی طور پر وابستگی تھی؟ اگر روح کی ساتھی دوسری روح ہو تو دونوں میں وجود کا ساتھ نہیں ہوتا۔ اگر وجود کا

اتصال ہوتو روح کا وصال نہیں ہے۔ جتنے بھی صاحبانِ روح ہیں جیسے لیلیٰ یا مجنوں‘ اگر ان کا روحانی وصال ہے تو پھر جسمانی وصال نہیں ہے۔ اگر باقی سارے بھی گن لیں تو جہاں بھی محبت ناموں میں روحانیت بنتی ہے‘ جب وہ انسان وجود کی ضروریات اور خیال سے نکلے گا تب وہ روحانیت کا ساتھی ہوسکتا ہے‘ پھر روح کی ساتھی روح ہوسکتی ہے اور روح کا ساتھی جو ہے وجود نہیں ہو سکتا۔ تو وجود کا ساتھی وجود ہوگا اور روح کا ساتھی روح ہوگا۔ تو جو روحانی تعلق ہے وہ جسمانی تعلق نہیں ہوگا۔ روح میں شگفتگی ہوسکتی ہے‘ روح کے ساتھی ہوتے ہیں اور روح کی رغبتیں ہوتی ہیں۔ روح کی رغبت کا ثبوت یہ ہے کہ روحانی لوگوں کے ساتھ اس روح کا تعلق ہوگا‘ اس کی سنگت وہی ہوگی اور اس کا Head وہی ہوگا‘ اس کا منبع وہی ہوگا۔ جتنے ہمارے روحانی درجات ہیں یا روحانی نشانیاں ہیں یا مقاماتِ انوار ہیں جن کو ہم خانقاہیں کہتے ہیں‘ جب ان کی طرف میلان ہوگا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ شروع سے ہی ہماری روح جو ہے یہ ان کے سپرد ہوچکی تھی‘ کس کے سپرد ہوچکی تھی؟ اس کے سپرد جو اس کی روح کو گائیڈ کرنے والا ہے۔ وہ کون ہوگا؟ جس کی دنیاوی یا طبعی زندگی کے بعد روحانی زندگی قائم ہوگی تو اس کے ساتھ اس شخص کا تعلق ہوسکتا ہے۔ جب روح کا تعلق کسی ساتھی کے ساتھ ہوتو یہ جو تعلق ہوتا ہے اس کو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بندہ پیدا ہوتے ہی اس ساتھی کی طرف مائل کردیا گیا‘ یہی اس کا میلان تھا‘ یہ بچپن سے ہی وہاں اس مزار پر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ تو پھر وہ ادھر کا ہی ہوگیا۔ ایسا شخص بچپن سے ہی‘ پیدائشی طور پر درویش ہوگیا‘ پیدائشی طور پر ہی اس کا رجوع ادھر تھا اور پھر یہ ادھر ہی نکل



گیا۔ یا اس شخص کا روحانی وجود جو ہے وہ بعد میں دریافت ہوجاتا ہے یعنی وہ کسی روحانی استاد کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ یہ جو دنیاوی طور پر محبتیں ہوتی ہیں ان کے اندر روحانی آشنائی کا مقام کب کمزور ہوتا ہے؟ جب کوئی وجودی طور پر موجود ہونا شروع ہوجائے۔ وجودیت کا روحانیت سے تھوڑا سا فرق ہے۔ ایک وجودیت اور بھی ہوتی ہے لیکن وہ اس طرح وجود کے ساتھ نہیں ہوتی۔ ایک صاحبِ روح یا روحانی آدمی وہ ہے جو وجود سے لطف اندوز ہوتا ہے‘ تعریف سے لطف اندوز ہوتا ہے‘ محبت کا تعلق رکھتا ہے‘ لیکن ان لوگوں میں اتصالِ وجود جو ہے یہ ممنوع ہے۔

سوال:

اس جسمانی اتصال کے نہ ہونے کے پس منظر میں ہم پیر و مرید کے ظاہری رشتے کی کیسے وضاحت کریں گے۔

جواب:

روح کا ملنا ممکن ہے‘ روحوں کا ملنا ممکن ہے لیکن روحوں کے ملنے سے وجود کا ملنا ممکن نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ پیرنی اور اس کے مرید کی یا پیر اور اس کی مریدنی کی آپس میں شادی نہیں ہوگی۔ شادی اگر ہوتی ہے تو پھر وہ انسان کی انسان کے ساتھ ہوتی ہے لیکن یہ روحانی تعلق کی بات نہیں ہے۔ روحانی تعلق بہرحال اور چیز ہے۔ کہیں انسان اس غلط فہمی میں نہ رہ جائے کہ اس کا اور ہمارا روحانی رشتہ تھا‘ ہم نے اس کو پہچان لیا تھا‘ پھر روحانی لگن ہوگئی۔ روح کی روحانی لگن ہوگئی‘ روح کی روحانی لگن سے وہ جوگی ہوگیا اور وہ جوگن ہوگئی۔ تو اس جوگی

اور جوگن کی شادی کا کوئی سوال نہیں ہے کیوں کہ اس طرح سارا سوز و ساز ادھر اُدھر تتر بتر اور منتشر ہو جائے گا۔ پھر یہ نفس کی بات بن جائے گی اور دقت ہو جائے گی۔ روح کے مقام پر نفس پرستی نہیں رہ جاتی۔ روح کا تعلق ہمہ حال تقربِ الٰہی سے ہے، ہمہ حال تقربِ الٰہی جو ہے وہ نفس والے کے لیے ناممکن ہے۔ ایک بزرگ نے شادی کی اور پھر ایسا واقعہ ہوا کہ وہ بیوی کی طرف گئے اور پوچھا تُو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔ کہتے ہیں کہ بیوی کیسے ہو سکتی ہے۔ تو وہ بھسم ہو گئی۔ عام انسان کے طور پر روحانیت کا دعویٰ ترک کر کے آپ یہ کر سکتے ہیں کہ وہ تعلق بنائیں جس طرح انسانوں کی انسانوں کے ساتھ رغبت ہوتی ہے۔ فقراء جو ہیں اس محبت کو نفس کا میلان کہتے ہیں۔ محبت ماسوائے ذات سے فنا ہونے کا نام ہے، اپنی ذات سے ذاتِ محبوب میں گم ہونے کا نام ہے محبت۔ یعنی گم ہونا، غائب ہو جانا، ختم ہو جانا۔ مقصد یہ ہے کہ جس ذات سے محبت میں آپ ختم ہو رہے ہیں اس ذات کو بیاہ کے لانے والی کوئی بات نہ کرنا۔ حقیقی محبت کی دنیا میں یہ ہوتا ہے۔ آگے اللہ سب پر مہربانی کرے دنیا دی طور پر تو وہی ٹھیک ہے جس کی اجازت ہے۔

سوال:

عہدِ الست کیا ہے؟

جواب:

یومِ الست جو ہے اس کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یاد کراتے ہیں کہ دیکھو ساری کی ساری روحیں خالق کو تسلیم کر کے سفر پر روانہ ہوئی



ہیں۔ یہاں پر اگر بغاوت اور طاغوت ہے تو یہ گمراہی یہاں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ خاص طور پر آپ لوگوں کو یاد کرایا گیا ہے کہ آپ کیا کہہ کے آئے ہیں، کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں، یہ یومِ الست آج بتایا جا رہا ہے تو لازمی بات ہے کہ آپ کو یاد ہو کہ نہ ہو کہ روح نے کبھی ایسا کہا تھا۔ لیکن اس میں ایک راز یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ روح کو یاد آ جائے۔ تو روح جو ہے قبل از پیدائش کی زندگی کی یادداشت حاصل کر سکتی ہے۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں؟ یومِ الست کو یاد کرایا گیا اور کہا گیا، اگر اب بتایا جا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ یاد ہو سکے اور ممکن ہے کچھ لوگوں میں یومِ الست کا واقعہ ان کی نگاہوں میں ہو۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ یہ جو ابتدائے زمانہ ہے اور جو ''کُن'' کا دن ہے، فقراء کہتے ہیں کہ کُن کا زمانہ تو کل کی بات ہے ''کُن فیکون'' سے پہلے ہی ہم اللہ سے آشنا تھے۔

کن فیکون تے کل دی گل اے اسی کول تہاڈے ہے سی

تو ہم تو پہلے ہی اس کے محرم تھے۔ اب یہ بات جو ہے یہ ان بزرگوں میں سے ہی کوئی کہہ سکتے ہیں کہ یہ کن فیکون سے پہلے کی داستان تھی۔ اور وہ لوگ ایسے ہی نہیں کہہ جاتے۔ تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس انسان کو آشنائی ہو جائے۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ ہم تسلیم کر آئے ہیں تو قدم قدم پر آپ کو آزمائش کے لیے یہ آواز آئے گی ''الست بربکم'' یعنی کیا میں تمہارا رب ہوں اور قدم قدم پر آپ نے ''بلیٰ'' کہنا ہے یعنی کہ اے اللہ آپ ہی ہیں۔ یہ ثابت کرنا ہے کہ جب کبھی آزمائش آئے کہ اب بولو ''اللہ ہے کہ نہیں ہے'' تو پھر بولو ''اللہ ہے'' اور اس کو ثابت کرو۔ اگر غلطی کا موقعہ ہو، گناہ کا موقعہ ہو تو پھر آواز آتی ہے جو آپ کے ضمیر

کی شکل میں آئے گی یا کسی اور شکل میں آئے گی کہ "دیکھ اللہ ہے کہ نہیں ہے" تو ضمیر کو کہو کہ اللہ ہے' اور پھر اپنی حرکت سے باز آ جاؤ اور اپنے تمام افعال قبیح سے باز آ جاؤ کیوں کہ اللہ ہے اور آپ یہ وعدہ کر آئے ہیں۔ اس طرح براہِ راست آواز آتی ہے کہ اللہ پر یقین ہے کہ نہیں ہے' کیا تم اللہ کو مانتے ہو' میں تمہارا رب ہوں کہ نہیں ہوں۔ تو آپ کہیں کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں اور ہم یہ جرم نہیں کرتے۔ یہ آپ لوگوں کو اس لیے بتایا گیا تا کہ آپ کو غلطی سے نجات پانے کا طریقہ آ جائے' Temptation سے بچنے کا طریقہ آ جائے' گناہ سے فرار کا طریقہ آ جائے ففروا الی اللہ اور اللہ کی طرف بھاگ جاؤ' دوڑو اور کہو کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ اگر ایسے آدمی کو کہیں کہ پیسے لو اور ووٹ دو کیونکہ پیسے سے سارا کاروبار ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ آپ اللہ ہی ہمارا رب ہے' اور ہم اللہ کی طرف جا رہے ہیں اور ہم پیسے سے اپنا کردار Change نہیں کرتے۔ تو یہ آواز قدم قدم پر آئے گی اور آزمائش قدم قدم پر ہوگی۔ یا تو آئندہ کی بات نگاہ میں ہو کہ یہ آئندہ کیا ہے؟ آپ کو یہ بات سمجھ آنی چاہیے کہ آپ نے یہاں پر نہیں ہونا' حالانکہ پتہ ہے کہ نہیں ہونا لیکن جب یہ نگاہ میں آ جائے کہ زندگی کا یہ واقعہ نہیں رہے گا تو پھر ہونا کیا ہے؟ جب یہ پتہ چل جائے کہ کچھ عرصہ کے بعد نہیں ہونا تو پھر ہونے کے لیے آپ نے اتنا نقصان کیوں کرنا ہے کہ نہ ہونا مشکل ہو جائے۔ یعنی کہ اگر بوجھ ہے تو زندگی میں ہی تھوڑا سا بوجھ برداشت کر لو کیونکہ یہ تھوڑی دیر کے لیے ہے' تا کہ قبر پر بوجھ نہ پڑے اور اگر وہ پڑا تو ہمیشہ کے لیے پڑے گا۔ یہ چھوٹی سی بات ہے اور بڑی آسان سی بات ہے کہ



زندگی میں تھوڑا برداشت کر لو' زندگی تھوڑی دیر کی ہے' تا کہ قبر پر بوجھ نہ پڑے کیونکہ وہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ تو اپنی قبر کو بوجھ سے بچاؤ اور تھوڑا بہت بوجھ زندگی میں برداشت کر لو۔ یہ دن کٹ جائیں گے اور وہ دن نہیں کٹیں گے کیونکہ وہ لمبا فاصلہ ہے۔ ایسا عمل کر جاؤ کہ آپ کے خاندان میں کوئی نیک آ جائے' آپ کی اولادوں میں کوئی نیک آ جائے اور اُس کی نیکی سے آپ کو کوئی تقویت ہو جائے۔

سوال:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعے میں الکتاب کا ذکر ہے تو اس واقعے میں کتاب کون سی مراد ہے اور علم سے کیا مراد ہے؟

جواب:

یہ وہ کتاب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام کتابوں کی شکل میں' قرآن اور اس سے پہلی کتابوں میں اور کتابوں کے علاوہ اللہ کی طرف سے جو صحیفے اتارے گئے اس کے اندر کا ان کا علم ہے' باطن کا علم ہے یعنی علم لدنی کا علم ہے وہ بھی خاص کتاب ہوتی ہو گی' چاہے وہ سینہ بہ سینہ آتی جائے' وہ کتاب ہی کہلائے گی۔ تو علم لدنی یا مخفی علوم کا جو ماہر تھا' جاننے والا تھا اُس کے پاس "کن فیکون" کی طاقت تھی اور وہ شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ تو جس کو علم تھا اُس نے خاموشی اختیار کی۔ آناً فاناً حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تخت کتنی دیر میں لاؤ گے؟ کسی نے کہا کہ ہم اتنی دیر میں وہ تخت لا دیں گے جتنی دیر میں آپ یہاں بیٹھے ہیں' دوسرے نے کہا کہ ایک آدھ دن تو

دیں اور جس کے پاس وہ علم تھا' کتاب کا علم تھا وہ تخت فوراً لے آیا۔ تو وہ فاصلوں کا کنٹرول کرنے والا علم تھا' ایسا علم جس سے فاصلے ختم ہو جاتے ہیں اور ٹائم کا کنٹرول آ جاتا ہے۔ یہ روایت بھی ہے اور تصدیق بھی ہے' ایسے ایسے واقعات گزرے ہیں کہ گھوڑے کی ایک رکاب پر پاؤں رکھا اور دوسری رکاب پر پاؤں آنے سے پہلے پورا قرآن پڑھ گئے' یعنی کہ قرآن سارا دہرا دیا۔ تو صاحبان قرآن ایسے بھی ہیں۔ اب اتنا کچھ Time and space میں' زمان و مکان میں ممکن نہیں ہے کہ قرآن سارے کا نگاہ سے گزر جانا' لیکن کنٹرول ہے اور وہ کر سکتے ہیں۔ زمان و مکاں کی گردش اُن لوگوں کے لیے روک دی جاتی ہے۔ اب یہ بڑا راز ہے کہ ان کے لیے زمان و مکاں کی گردش روک دی جاتی ہے اور اسی گردش کرنے والے زمان و مکاں میں' گزرنے والے وقت میں' چلتی ہوئی گاڑی کے اندر' اس شخص کے لیے کوئی ایسا راستہ نکال لیا جاتا ہے جہاں ٹائم کی سپیڈ کسی اور قسم کی Infinity ہے' انتہا ہے۔ وہ چاہے وہاں چار سال' پانچ سال' دس سال یا ہزار سال لگا آئے اور پھر جب اُس کا واپسی اس گردشِ زمان و مکاں میں سفر ہوتا ہے تو اُسی Moment لمحے میں ہوتا ہے جس Moment لمحے میں وہ روانہ ہوا تھا۔ یہ اسی کائنات میں ایک ایسا واقعہ ہے کہ زمان و مکاں کی گردش رُک جاتی ہے اور جب اُس کے لیے دوبارہ گردش شروع ہو جاتی ہے تو وہیں سے شروع ہوتی ہے جہاں سے رکی تھی۔ گویا کہ اس کے لیے No time' وقت کی قید نہیں ہے۔ Every time ہر وقت کے بعد بھی اس کے لیے No time ہے' وقت کی قید نہیں ہے۔ تب وہ دوسرے سے کہتا ہے کہ ہم وہاں سے ہو بھی آئے اور تم ابھی



تک پاس بیٹھے ہو۔ تو ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ وہاں سے ہو آئیں اور آپ ابھی تک یہیں بیٹھے ہوں کیونکہ آپ کے ہاں یہ گردش نہیں ہے کیونکہ آپ جس گردش میں ہیں یہ اور قسم کی گردش ہے اور وہ جہاں چلے گئے وہاں اور قسم کا واقعہ تھا۔ اس کو آپ یوں سمجھ لیں کہ سورج کے نیچے دن اور رات ہوتے ہیں اور سورج سے پرے نہ دن ہے نہ رات! آپ کا وقت اور آپ کا جو ٹائم کیپر ہے وہ سورج ہے۔ جب آپ ٹائم کیپر سے باہر نکل جائیں تو پھر ٹائم کیا رہ گیا' پھر تو آپ ٹائم سے آزاد ہو گئے' وہاں نہ دن نہ رات نہ گھنٹے۔ وہاں تو ایک ہی وقت ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے وہاں کی نیگیٹو سپیڈ میں ایک آدمی داخل ہو جائے اور کسی اور سپیڈ میں آ کے کسی اور زمانے میں داخل ہو جائے۔ اور پھر کیا پتہ کیا ہو جائے۔ تو گردشِ زمان و مکاں رُک سکتی ہے اور اُس آدمی کو Moment میں' لمحے میں Entry مل سکتی ہیں' وہ واپس آ سکتا ہے جب کہ وہ وہاں پر کتنا ہی ٹائم گزار سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے واقعات موجود ہیں' یہ اللہ کی قدرتیں ہیں اور اس میں سب واقعات چلتے جاتے ہیں۔ تو وہ گردشِ زمان و مکاں کے علاوہ بھی ہے۔ اب جس کو یہ کنٹرول مل جاتا ہے تو اُس کا جو ٹائم ہے وہ اور ٹائم ہو جاتا ہے۔ اُس شخص نے ممکن ہے کہ تخت لانے میں دس دن لگائے ہوں۔ لیکن جب وہ تخت لایا اور تخت والی ملکہ لایا تو اُس وقت وہاں پر وہی Moment تھا' وہی لمحہ تھا۔ تو جس Moment' لمحے میں وہ گئے تھے وہ وہی لمحہ تھا۔ اور وہ لمحہ جو ہے گردشِ زمان و مکاں کا تو وہی لمحہ ہے لیکن اس کے لیے پتہ نہیں اس شخص کو کتنا وقت لگا۔ تو ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کہیں پہ کوئی کام کر کے آئے اور جا کے دیکھو تو وہاں وہی لمحہ ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ

وہاں کن فیکون کی طاقت ہے۔ ''کن فیکون'' کا مطلب ہے کہ کہا اور ہو گیا' اس عمل میں درمیان کا کوئی وقفہ نہیں ہے۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ کہنا اور ہونا باقی تو سارا انتظام ہوتا ہے کہ کیا کیا ہونا ہے۔ لیکن وہاں کچھ اور ہی حساب ہے۔ وہاں پر صرف ''کہنا اور ہونا'' ہے کیونکہ وہاں زندگی کے واقعات ہی اور ہیں' وہاں پر پرندہ محبت ناموں کو جاننے والا ہے یعنی ہُد ہُد خبریں دیتا ہے کہ فلاں جگہ ملکہ رہتی ہے۔ تو وہاں پر علم الکتاب جاننے والا بہت بڑی پاور والا ہوگا۔ جہاں پر ہواؤں میں چلنے والا پیغمبر ہو' زمین اور ہوا کی ملکیت جس کے پاس ہو' جس کے پرندے بولنے والے ہوں' تو اُس کے پاس کتاب کو جاننے والا کیسا طاقت والا ہوگا۔ تو وہ خاص ہی شخص ہوگا۔ اصل بات یہ بتائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی کو کتاب کا علم ہو۔ انما امرہٰ اذا اراد شئی ان یقول لہ کن فیکون وہ جب کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا' پس وہ ہو گیا' اور وہ ہو جاتا ہے۔ تو جب وہ کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اب یہ جو درمیان کا وقفہ ہے یعنی ہونے اور ہو جانے کا' اس میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ تو اس نے کہا ''ہو جا'' پس ہو گیا۔ کئی واقعات لوگوں نے تاریخ میں لکھے ہیں۔ ایک دفعہ ایک صاحب نے بیان کیا کہ میں جنگل میں گیا' وہاں میں کسی درخت کے سائے میں بیٹھا تھا' میں نے دیکھا کہ ایک پودا نکل رہا ہے اور پھر میرے سامنے ہی پودا بڑھتا جا رہا ہے' بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہے۔ بڑھتے بڑھتے دیکھتا کیا ہوں کہ اس پر پھول لگ گیا۔ تو اس بوڑھے شخص نے کہا کہ مجھ سے رُکا نہ گیا اور میں نے پھول توڑ کے کھا لیا' کیونکہ وہ تو اور ہی کرشمہ تھا' تو میں نے اُس کرشمے کو کھا لیا۔ اب بیان کرنے



والا لکھتا ہے کہ جب میں گھر گیا تو مجھے بخار چڑھ گیا' بڑا سخت بخار تھا' سارا وجود پھول گیا' وجود پھولنے کے بعد جسم کا گوشت اترنا شروع ہو گیا' گوشت گرنے لگ گیا' گرنے کے بعد اُس نے دیکھا تو اندر سے بیس سال کا نوجوان نکل آیا۔ بعد میں اُس نے پتہ کیا کہ آخر یہ کیا ہے؟ بتانے والے نے کہا کہ یہ ''کن فیکون'' کا پھول تھا۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ اُس کی پاور ایسی ہوتی ہے کہ وہ چاہے تو بوڑھوں کو جوان کر دے اور چاہے تو جوانوں کو بوڑھا کر دے۔ ایسے پھول کے اندر ایک طاقت ہوتی ہے کیونکہ وہ اچانک اُگا اور اچانک ایسا واقعہ ہو گیا۔ تو اُس بوڑھے نے سوچا کہ اسے لگانے سے اچانک طاقت آ جانی چاہیے' تو اچانک اُس کو طاقت آ گئی اور اُس ایک پھول نے اُس کو Age عمر ہی واپس کرا دی۔ اس طرح ایک اور پیغمبر کے ساتھ واقعہ ہوا ' وہ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک جگہ بے موسم پھل اُگا ہوا ہے۔ یہ بڑی حیرت کی بات تھی کہ اس جگہ پر بے موسم پھل ہے۔ انہوں نے کہا یا اللہ یہ کیا ہے' اس پھل کا تو موسم نہیں ہے' تو پھر یہ پھل ادھر کیسے' تو فوراً ایک خیال نے Strike کیا کہ اے اللہ تو بے موسم پھل پیدا کرتا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے بڑھاپے میں ایک بیٹا دے دے۔ تو انہوں نے دعا کی اے بے موسم پھل پیدا کرنے والے مہربانی کر' نوازش کر اور میرے ہاں ایک بیٹا پیدا کر۔ دعا قبول ہوئی اور انہیں اطلاع ہوئی کہ تمہارا بیٹا ہوگا اور بیٹے کا یہ نام ہے۔ ان کی بیوی نے کہا کہ ہم بوڑھے ہیں' میں بانجھ ہوں' تو یہ دعا کیسے پوری ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ دعا تو منظور ہوئی پڑی ہے اور تو کیا بات کر رہی ہے' وہ تو بے موسم پھل پیدا کرنے والا ہے' تو بے موسم پھل پیدا کرنے والا بڑھاپے میں بچہ

دے دے تو اس کے لیے کیا بعید ہے ............ تو یہ سارے واقعات ''کن فیکون'' کے باب میں آتے ہیں۔ یعنی کہ ہونی کے علاوہ Routine سے ہٹ کے جو بات ہو وہ اس ضمن میں آتی ہے مثلاً یہ ضروری ہے کہ کاروبار کرو اور کاروبار چلانے کے لیے دکان ہونی چاہیے مگر دکان کے بغیر بھی لوگ کاروبار کرتے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا؟ ضرور ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اچانک بے سبب کوئی واقعہ ہو جائے اور جس کا سبب کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو' یعنی سبب نہیں تھا اور واقعہ ہو گیا۔ جس طرح کہ محبت بھی بے سبب ہو سکتی ہے۔ بغیر سبب کے محبت ہو جانا بھی ایک واقعہ ہے۔ تو یہ ''کن فیکون'' کی Powers ہیں' طاقتیں ہیں۔ اس ساری کائنات میں یہ امر چلتا رہتا ہے۔ آپ غور کریں تو یہ واقعہ ہوتا رہتا ہے۔ بہت سارے ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ Cause کے ساتھ Effect ہوتا ہے' وجہ کے ساتھ نتیجہ ہوتا ہے لیکن بعض اوقات نتیجہ ہوتا ہے پر وجہ کوئی نہیں ہوتی۔ تو وہ کتاب کا علم تھا' جس علم کے ساتھ طاقتیں ہوتی ہیں اور وہ جو زمانہ ہو' اور وہ جس زمانے میں جو مرضی چاہے برآمد کر لے۔ وہ لامکاں کی پرواز ہو جاتی ہے۔ وہ اصل ''سیمرغ'' ہے' جس زمانے میں مرضی لے جائے۔

سوال:

یہ ''کن فیکون'' کا جو علم ہے کیا یہ قرآن یا توریت کے علاوہ ہے؟

جواب:

نہیں' یہ قرآن میں بھی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ قرآن کریم سے پہلے بھی تو کوئی اللہ کی کتاب ہو گی' وہ ساری کتابیں اللہ کی ہیں۔ بس جو



اللہ کی طرف سے نازل ہو یہ وہ علم ہے۔ قرآن پاک میں اللہ نے کہا ہے کہ ''جو آپ پر نازل ہوا اور آپ سے قبل جو کچھ نازل ہوا'' کتابوں کی شکل میں بھی ہے اور ہو سکتا ہے چھوٹے چھوٹے Pieces کی شکل میں' صحیفوں میں بھی نازل ہوا ہو۔ کسی پیغمبر پر کوئی ایک چیز نازل ہوئی' کسی پر کوئی اور چیز نازل ہوئی' چاہے پوری کتاب نہ ہو' چھوٹی کتاب ہو۔ مستند یہ بات ہے کہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ بہر حال یہی اللہ ہے جس کو ہم اللہ کہتے ہیں۔ ساری پاور اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ یمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموت والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطن اے گروہ انسانوں کے اور جنات کے' تم زمین اور آسمان کی وسعتوں سے نکلنا چاہو تو اس کی وسعتوں سے نکل جاؤ فانفذوا نکل جاؤ لا تنفذون نہیں نکل سکو گے مگر میری طاقت سے۔ گویا کہ زمین و آسمان کی گردش سے نکلنا ممکن ہے' ''سلطن'' اس کی طاقت ہے جس کو اللہ طاقت دے وہ نکل سکتا ہے۔ تو ممکن ہے کہ کچھ لوگوں نے اس کا وظیفہ غور کر کے' کوئی طاقت لے لی۔ بس ایک بار صاحبانِ روح کو یہ پتہ چل جائے کہ ایسا ہو سکتا ہے تو وہ کر جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ نے کہا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے' تو بھی یہ کر دکھا۔ تو وہ دکھا سکتا ہے۔ جس طرح ''سیف زبان'' کا لفظ آپ نے سنا ہو گا یعنی ''سیف زبان'' وہ ہوتا ہے جس کے منہ سے بات نکلی اور پوری ہو گئی۔ اس نے کہا کہ بیٹا ہو گا تو پھر بیٹا ہی ہو گا۔ ایک عورت کو بیٹا نہیں ہوتا تھا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تو کہا بیٹا نہیں ہو گا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ کسی اور کے پاس گئی تو اُس نے کہا

کہ ایک یا دو بیٹے' جتنے مرضی بیٹے لے لو۔ وہ پھر حضرت موسیٰؑ کے پاس گئی اور کہا کہ آپ نے تو کہا تھا کہ بیٹا نہیں ہوگا لیکن اب بیٹا ہو گیا ہے۔ موسیٰؑ نے اس بارے میں پوچھا تو اللہ ﷻ نے کہا کہ یہ اتنی Capacity حیثیت کا آدمی ہے کہ اس سے میرے نام پر اگر کچھ مانگا جائے تو یہ اپنے آپ کو میرے لیے Completely surrender اور ہلاک کرنے کے لیے تیار ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کہا کہ تم جاؤ اور شہر میں منادی کر دو کہ اللہ تعالیٰ کو ایک پاؤ انسانی وجود کا گوشت درکار ہے۔ تو لوگ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پڑی ہے انسانی گوشت کی۔ موسیٰؑ واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اب فلاں آدمی کے پاس جاؤ اور کہو کہ اللہ تعالیٰ کو انسانی گوشت تھوڑا سا چاہیے۔ اس آدمی نے اپنا کافی سارا گوشت کاٹ کے دے دیا اور کہا کہ اور ضرورت ہو تو لے جانا۔

اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس آدمی کو کیسے ٹال دوں' یہ مجھ سے ہزار بیٹے مانگے تو میں اس کو دوں گا۔ تو مقصد یہ ہے کہ ایسے ایسے لوگ گزرے ہیں جو اللہ ﷻ کے حکم کے سامنے اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار تھے اور ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اڑھائی پرسنٹ زکوٰۃ دیتے ہیں اور پھر واپس لے لیتے ہیں' ادھر اُدھر سے ہیرا پھیری کر دیتے ہیں۔ تو ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کو اڑھائی فی صد زکوٰۃ میں مشکل ہو جاتی ہے اور ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی ہر چیز اللہ ﷻ کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ تو ہر طرح کا انسان ہوتا ہے۔ جتنا آپ کو اللہ ﷻ کی راہ میں اپنے آپ کی' اپنے اثاثوں کی نثار کرنے کی تیاری ہو یا خواہش ہو' اُتنا ہی اللہ ﷻ کی دنیا میں آپ کا حصہ ہو جاتا ہے۔ یعنی آپ کی حصے داری ہو جاتی ہے۔



پھر آپ کو اُس کی نوازشات سے حصہ مل جاتا ہے۔ تو اتنا ملے گا جتنا آپ اپنے حاصل میں سے اللہ ﷻ کو حصہ دیتے جائیں۔ تو پیسے خرچ کرنے سے علم ملنا بڑا آسان ہو جاتا ہے ورنہ علم حاصل نہیں ہوتا۔ سخی کے پاس روحانیت کا علم ہوتا ہے' آپ یہ بات یاد رکھنا' اور بخیل کے پاس کبھی علم نہیں آئے گا۔ بخیل کی ایک تعریف یہ ہے کہ جو پیسے کا زیادہ حساب کرتا ہے وہ بخیل ہے۔ تو جو حساب رکھتا ہے وہ ضرور ہی بخیل ہو جائے گا' جمع مال وعددہ یہ بخیل کا رجوع ہوگا کہ مال گننا اور جمع کرنا' جمع کرنا اور گننا۔ اور وہ جو اللہ ﷻ کے نام پر چلنے والے ہوتے ہیں اُن کے حالات اور واقعات ہی اور ہو جاتے ہیں' وہ یوں کرتے ہیں کہ اُس کو دیا' ایک اور کو دیا۔ ایسے آدمی کے مرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ کتنے کتنے لوگوں کو وہ خفیہ فنڈز مہیا کرتا تھا' اُس کے مرنے کے بعد وہ لوگ آتے تو کہتے ہیں کہ ہمیں بھی وظیفہ دیتے تھے' جی اُس کو بھی وظیفہ دیتے تھے۔ بہر حال علم جو ہے یہ سخاوت ہے اور کسی نہ کسی طرح کی استقامت سے ملتا ہے۔ روحانی علم جو ہے یہ کسی Labour ' محنت سے نہیں ہے' یہ کسی بزرگ کی خوشی کی وجہ سے ملتا ہے اور اس کی مہربانی سے عطا ہوتا ہے۔

سوال:

کیا روحانی علم سیکھنے سے مل سکتا ہے؟

جواب:

روحانیت میں یہ قانون نہیں بنتا کہ ہم پہلے سبق پر ہیں اور پھر ہم دوسرے سبق پر ہیں۔ تو اس کے سبق نہیں ہوتے۔ بس یہ اُس ذات کی مہربانی

ہوتی ہے اور آپ اُس کی مہربانی کا انتظار کرو' تو یہ بھی مہربانی ہے۔ اُسے تجویز نہ کیا کرو کہ ہمیں یہ سکھا دے' ہمیں مشاہدات دے دے' ہمیں کرامات دے دیں' ہمیں یہ واقعہ دے دے' چھوڑ دو اور اپنے آپ کو اُس کے حوالے کر دو' وہ جیسے کرے۔ جو صاحبان رضا ہوئے اُن کو کن فیکون کی کنجیاں مل جاتی ہیں۔ رضا یہ ہے کہ اُس کی طرف سے ہونے والے کسی واقعہ پر اُف نہ کرنا' جو اُدھر سے ہو رہا ہے وہ دیکھتے جاؤ۔ پھر جب اللہ راضی ہو جائے تو اُسے کن فیکون کی چابیاں پکڑا سکتا ہے۔ تب اللہ کہتا ہے کہ تیرے پاس کن فیکون کی چابی ہے' مگر وہ کچھ نہیں کرتے اور کہتے ہیں یا اللہ جو تیری رضا ہے تو کرتا جا' مالک ہی ہے۔

سوال:

کیا حضرت اویس قرنیؓ کو حضور پاک ﷺ کا دیدار ہوا تھا؟

جواب:

بیان میں بھی آیا ہے کہ نہیں ہوا تھا۔

سوال:

کیا یہ ممکن ہے کہ حضور پاک ﷺ کو دیکھے بغیر عشق ہو جائے؟

جواب:

جو امت میں عاشق ہیں یہ سارے دیکھے بغیر ہیں۔

سوال:

کیا خواب میں یا کسی اور صورت میں ہو سکتا ہے؟



جواب:

وہ عاشق پہلے ہو جاتا ہے اور بعد میں دعا مانگتا ہے کہ دیدار ہو جائے۔ کسی کو یہاں ہو جاتا ہے اور کسی کو آگے جا کر ہوگا۔ امت کا جو Major حصہ ہے' بڑا حصہ ہے یہ سارے کے سارے عاشق ہیں اور خواب میں دیدار کے بغیر بھی ہیں۔ جتنے عاشق ہیں دیدار تو انہوں نے مانگا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ راز ہی اور ہے۔ یہ نہ کہنا کہ کتنے بڑے عاشق تھے۔ عاشقوں کے درجے نہیں ہوتے' چھوٹا عاشق اور بڑا عاشق برابر ہی ہوتا ہے۔ جب محبت ہوئی تو پھر درجہ کیا ہوا۔ بہر حال اس واقعہ سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ بعض اوقات دیکھ کر بھی پہچان نہیں ہوتی اور دیکھے بغیر بھی محبت ہوتی ہے۔ اس طرح بے شمار واقعات ہیں اور ساری امت اس طرح ہے۔ اسی موضوع پر تو انہوں نے کتاب ''سیف الملوک'' لکھی ہے کہ بن دیکھے کی محبت کیسے ہو جاتی ہے۔ یہ ایک الگ راز ہے کہ وہ محبت کیا ہوتی ہے یعنی دیکھے بغیر محبت کس طرح ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ انسان نہیں دیکھ سکتا مگر آپ تو دیکھتے ہیں۔ یہ اصل بات ہے۔ جب عطا کرنے والا آپ کو دیکھتا ہے تو پھر آپ کو اس میں کیا دقت ہے' کیونکہ پھر عطا کرنے والا عطا کر دیتا ہے۔ آپ لوگوں کا دیکھنا یا نہ دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ جس پر انہوں نے نمبر لگا دیا اُس کو محبت ہو گئی۔

سوال:

محبت عطا تو ہے لیکن اس میں کوشش کا تو کچھ دخل نہیں ہوگا۔

جواب:

اطاعت میں کوشش کا دخل ہے۔ محبت اُس سلسلے کی اطاعت سکھاتی ہے اور یہ ہونی چاہیے۔ محبت میں کوشش آسان ہو جاتی ہے۔ ایسی کوشش ہونی چاہیے۔ یہاں تک تو بات ٹھیک ہے۔ اب جو آپ کا اصلی سوال ہے وہ یہ ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی شخص شریعت کی بظاہر تابعداری نہ کرے اور حضور پاک ﷺ کا عاشق ہو۔ آپ کا سوال یہ ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے؟ حکم کی اطاعت ضروری ہے' اور اس کا فیصلہ کوئی دوسرا مطیع نہ کرے۔ اللہ کے حکم کی اطاعت فرض ہے' اللہ سے اگر محبت ہو جائے تو بھی اطاعت کرو' حضور پاک ﷺ سے محبت ہو سکتی ہے اور اطاعت بھی ہو سکتی ہے' اطاعت کے لیے تو کوشش کرو' محبت کے لیے کوشش تو نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ صرف آپ کی مہربانی سے ہوتی ہے۔ اب کون سا شخص محبت میں سچا ہے' جس کا عمل بظاہر کچھ بھی ہے' تو اس بات کا فیصلہ یعنی غلام کی غلامی کا فیصلہ دوسرا غلام نہ کرے۔ تو حکم یہ ہے۔

اوڈیاں اوجانڑے تُو اپنی توڑ نبھا

اسلام میں اور مسلمانوں میں ایک وقت یہ آ گئی ہے کہ ایک غلام دوسرے کو غلامی سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر آپ کو غلامی عطا ہوئی ہے تو آپ اپنی غلامی نبھائیں' دوسرے غلاموں کی خیر مانگیں۔ یعنی کہ آپ یہ کبھی نہ سوچنا کہ وہ غلام نہیں رہا بلکہ یہ دیکھنا کہ آپ اپنی غلامی پر قائم ہیں کہ نہیں۔ باقی اُس کا اپنا نظام ہے جو چل رہا ہے۔ جس دن آپ کو یہ بات سمجھ آ گئی اُس دن سے آپ کو روحانیت مل جائے گی۔ آپ یہ دعا کریں کہ اقم الصلوٰة لدلوک الشمس



الی غسق اللیل آپ طلوعِ شمس سے غسق لیل تک نماز قائم کریں۔ آپ یہ نظام قائم کریں اور جو کر رہے ہیں اُن کے ساتھ چلیں۔ کوئی شخص کوئی عمل Miss کر جاتا ہے' چھوڑ دیتا ہے تو اُس کے لیے دعا کرو۔ اگر وہ محبت کا صرف دعویٰ کرتا ہے اور عمل نہیں کرتا تو اُس کا کیس اس کے سپرد کر دو۔ ممکن ہے کہ وہ گمراہ آدمی ہو اور وہ گمراہ آدمی حضور پاک ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو شاید اسی دعویٰ سے بچت ہو جائے۔ یعنی وہ عبادت میں کم ہے' محبت کا دعویٰ کرتا ہے' شاید دعویٰ سچا ہو' تو وہ بچ سکتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی تھا اور اُس کا نام غازی بھی ہے اور شہید بھی ہے' دونوں باتیں ہیں یعنی غازی علم دین شہید۔ ممکن ہے اُس کو اتنی بڑی عبادت کا سلسلہ نہ نصیب ہو لیکن اُس واقعہ پر اُس کو سب کچھ مل گیا۔ اس نے زندگی میں ایک کام کیا کہ ایک ہندو کو مارا اور خود پھانسی لگ گیا' اتنی ساری بات ہے۔ اس بات پر غازی کہنا اور شہید کہنا اور پھر اس بات پر سارے کے سارے مسلمانانِ ہند کا فتویٰ اور پھر جنازے کے ساتھ اتنے آدمی' پاکستان بننے پر اتنے آدمی نہیں آئے تھے جتنے اُس کے جنازے کے وقت آئے تھے۔ تو وہ بہت بڑا جنازہ تھا۔ یہ کیا ہے؟ کیا لوگوں نے اُس شخص کی بخشش کی سند دے دی؟ کیا وہ بخشش ہو گئی؟ ضرور ہوئی۔ کیا یہ عشق تھا جو سرفراز ہوا یا کوئی محنت تھی؟ اگر کسی کا عشق آباد ہو جائے تو اللہ کے پاس اُسے اپنے ساتھ ملانے کے اتنے راستے ہیں' اتنے راستے ہیں آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اُس کے پاس طریقے کتنے ہیں اور اُس کے پاس واقعات کتنے ہیں۔ جو آپ کو سمجھ آئی ہے آپ اُس کے مطابق چلتے چلیں۔ وہ راستہ بھی اُس کا راستہ ہے۔ دوسرے شخص کا پتہ نہیں کہ وہ کس طرح چل رہا ہے'

آپ دوسروں کے بارے میں پتہ کرنے کا خیال چھوڑ دیں۔ آپ اپنے بارے میں سوچیں۔ بس آپ کا نظامِ صلوٰۃ قائم ہو جائے۔ ملکی سطح پر ہو جائے تو اور زیادہ اچھا ہے۔ تو کوشش کرنی چاہیے اور ضرور کرنی چاہیے اپنے لیول کی' اور اپنے حد تک' دوسروں کے نقص نکالنے کی کوشش شروع نہ ہو جائے۔ بس فقیری اتنی ہوتی ہے۔ تو فقیری کیا ہے؟ کہ تیری اپنی خیر ہو جائے' اپنی بخشش کا اہتمام کر اور دوسروں کی بخشش کی دعا کرو' اپنی بخشش کے لیے کوشش کرو' اپنی محبت کو سرفراز کرنے کی کوشش کرو اور دوسروں کے لیے رعایت کرو۔ اگر آپ کے نامۂ اعمال میں کوئی خوبی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے دوسروں کے کام میں لائے۔ اس طرح سارے واقعات چل پڑتے ہیں۔ بہرحال وہ آدمی غلط ہے جو یہ کہے کہ یہ محنت والا نظام غلط ہے اور مجھے تو عشق ہے۔ تو وہ جھوٹا ہے۔ آپ دیکھو کہ جتنے بھی فقراء گزرے' جن کو اولیاء کرامؒ کہتے ہیں' اُن کی خانقاہیں ہیں اور کوئی خانقاہ ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ مسجد نہ بنی ہو۔ انہوں نے پہلے مسجد بنائی ہے اور پھر خانقاہ بنائی ہے' اس طرح یہ نظام قائم رکھا۔ اگر قوالی والے ہیں تب بھی اذان کے ساتھ ہی قوالیاں بند اور نماز قائم کی۔ کسی نے نماز کو ختم نہیں کیا۔ کچھ مجذوبوں کی داستان ہے کہ اُن کو اللہ سے عشق کی گرمی اتنی چڑھ گئی ہے کہ انہیں اپنا اور کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ وہ سُکر میں آ گئے۔ لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکریٰ میں آ گئے اور انہیں اللہ کی محبت کا سُکر مل گیا' نشہ مل گیا۔ محبت کی محویت کا یہ عالم آ گیا کہ اب اُن کو سمجھ نہیں آتی کہ نماز جو ہے کیسے ادا کریں' دل میں بٹھا کے اُن کی نماز کیسے ادا کریں۔ یہ اُن کی کہانی ہوتی ہے جو کہ صرف چند لوگ ہوتے ہیں۔ عام طور پر کسی



کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ ہوتے بھی ہیں کہ نہیں ہوتے یعنی کہ کوئی ایک آدھ آدمی' دو آدمی یا چار آدمی ہوتے ہیں۔ لیکن جو ہڈحرام ہو جاتے ہیں اُن کی عاقبت اُن کے ساتھ۔ اُن کے لیے دعا کرو کہ اسلام کے اندر یہ جو مکار قسم کے علم آ گئے اور عالم آ گئے اور مکار قسم کے جو So-called نام نہاد فقراء آ گئے' ان سے اسلام کو نجات ملنی چاہیے' دعووں سے نجات ملنی چاہیے' اگر اسلام کو دعووں سے نجات مل جائے تو میں کہتا ہوں کہ مسلمان آباد ہو جائے گا۔ تو اسلام کو کس بات سے آزاد کرو؟ دعووں سے۔ ایک آدمی ایسا باطن بیان کرتا ہے اور اُس میں ایک ایسا بیان کرتا ہے کہ یہ ہو جائے گا اور وہ ہو جائے گا.........بس توبہ توبہ ہی کرو ..........

سوال:

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک ہی اسمِ اعظم ہے جسے اسمِ اعظم کہا جاتا ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہر زمانے کے لیے اُلگ اسمِ اعظم ہے۔

جواب:

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اسمِ اعظم ایک ایسا اسم ہے جس کے ساتھ آپ کا تعلق ہو جائے تو آپ کی تمام مرادیں پوری ہونے کا امکان ہے۔ اس کے بارے میں کہا گیا کہ اپنی خواہشات کو پورا کرانے سے بچو کیونکہ آپ کو پتہ نہیں ہوتا کہ آپ کی خواہشات عام طور پر آپ کو ہلاکت میں لے جاتی ہیں۔ پہلی خواہش تو یہ ہے کہ یہاں ہر آدمی کو ٹھہرنے کی خواہش ہوتی ہے اور اللہ کے پاس جانے کی خواہش ہی نہیں ہوتی۔ تو یہیں سے گمراہی شروع ہو جاتی ہے۔ انسان دراصل یہ کہتا ہے کہ یا اللہ ہم تیرے پاس نہیں آنا چاہتے' ہماری یہ دعا

قبول فرما۔ تو یہ کیا بات ہوئی؟ پھر انسان کہتا ہے یا اللہ ہمیں بہت سارے پیسے دے جو غیر مسلموں کو دیے ہوئے ہیں۔ یہ دعائیں عام طور پر ہوتی ہیں کہ ہمیں آرام طلب زندگی عطا فرما۔ اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ یوں سمجھ لو کہ اسمِ اعظم ایک درخت ہے۔ جنگل میں ایک آدمی وہاں اُس درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ وہ درخت تھا "ثمرت مراد" یعنی فوری مراد پوری کرنے والا۔ اُس آدمی نے خیال کیا کہ جنگل میں ہوں' دوپہر کا وقت ہے' یہاں کھانا مل جائے تو کیا ہی بات ہے۔ اس نے سوچا اور کھانا آ گیا۔ اُس نے کھانا کھا لیا۔ اُس نے سوچا کہ یہاں پانی Available ہونا چاہیے۔ اُس نے صرف ارادہ کیا اور ثمرت مرادی اسمِ اعظم کی وجہ سے پانی Available ہو گیا۔ پھر سوچا کہ آرام کرنے کی جگہ تلاش کروں تو دیکھتا ہے کہ بستر لگا ہوا ہے اور وہ اس پر لیٹ گیا۔ پھر سوچا کہ کہیں شیر ہی نہ آ جائے۔ تو شیر آ گیا اور اُس کو کھا گیا ........... تو اسمِ اعظم جو ہے وہ تمہاری آرزوؤں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور Ultimately تمہیں تمہاری موت کی آرزو پیدا ہو جائے گی۔ ایسا شخص کہے گا کہ میں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے' اب میں موت دیکھنا چاہتا ہوں۔ تو اُسے کہتے ہیں کہ چل جا رخصت ہو جا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اسمِ اعظم اُسی کے پاس چھوڑ دو۔ اعظم کا اسم ہی اسم اعظم ہے اور اعظم اللہ تعالیٰ خود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء سارے خوب صورت ہیں اور اسم اعظم ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جھوٹا آدمی جب اللہ کے نام پر جھوٹ بولتا ہے' اللہ اللہ کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے' گویا کہ جھوٹے آدمی کے پاس سچا نام آ جائے تب بھی وہ بندہ جھوٹا رہتا ہے۔ اگر آپ اچھے بن



جائیں گے تو پھر آپ کی زبان سے اللہ کا نکلا ہوا نام اسمِ اعظم ہوگا۔ اصل میں آپ کا ہی تزکیہ ہونا ہے۔ تو آپ پہلے اپنے آپ کا تزکیہ کریں۔ پھر اسمِ اعظم کی بات کریں "اسمِ اعظم" ایک لفظ ہے۔ اسی طرح ایک لفظ "دستِ غیب" ہے۔ "دستِ غیب" سے اُس شخص کو حکم مل جاتا ہے' کچھ لوگوں کے دستِ غیب میں وظیفے مقرر ہوتے ہیں کہ وہ صبح صبح نماز پڑھتے ہیں اور مصلّے کے ساتھ اُن کو دن بھر کا خرچہ مل جاتا ہے' کسی کا روزانہ وظیفہ لگا ہوا ہے اور کسی کا ماہانہ لگا ہوا ہے۔ دستِ غیب یہ ہوتا ہے کہ ادھر ہاتھ کر دیا اور ادھر سے پیسے آ گئے' یعنی کہ اُس کو محنت کے بغیر آسانی سے رزق مل جاتا ہے۔ تو یہ کیا ہے؟ دستِ غیب ہے۔ تو ایسا ہوتا ہے اور ممکن ہے۔ جب آپ کو یہ یقین ہو جائے کہ اللہ کا ارشاد ہے نحن نرزقکم وایاھم اللہ کہتا ہے کہ ہم رزق دینے والے ہیں۔ جب آپ کو یہ یقین آ جائے کہ رزق دینے والا وہ ہے تو پھر وہ آپ کے یقین کو کبھی نہیں جھٹلائے گا۔ رزق جب اس نے دینا ہے تو وہ دے گا' وہ سبب سے دے' بے سبب دے' عطا کر دے یا جیسے مرضی دے لیکن یہ یاد رکھو کہ یقین ضروری ہے۔ تو دستِ غیب Available ہو گا۔

کہ آوازِ نحن نرزقکم بے واسطہ شُنیدہ

تو وہ بے واسطہ رزق دے گا اور آپ سن لو گے۔ پھر آپ کے دسترخوان پر بے واسطہ واقعات شروع ہو جائیں گے اور آپ کی جیب میں بے واسطہ مال شروع ہو جائے گا۔ بے واسطہ کیا ہوتا ہے؟ جس کا سبب کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ وہ عطا کرتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ دستِ غیب کا پیسہ بھی سٹیٹ بینک کے نوٹ

سے ہی مرتب ہوگا' وہ جعلی نوٹ نہیں ہوگا۔ بس یہ بات آپ یاد رکھیں کہ وہ کسی بھی سبب سے آئے گا' سبب سے آئے گا تو بے سبب ہو کے پھر سبب سے آئے گا۔ آپ کے لیے وہ بے سبب ہوگا لیکن آئے گا مسبب سے۔ تو وہ "رب سببی" ہی آ گیا۔ یہ رب سببی ہی تو ھٰذا من فضل ربی ہے۔

سوال:

لوگوں کو یہ شوق کیوں ہوتا ہے کہ ہم آسانی سے اسمِ اعظم حاصل کریں؟

جواب:

یہ بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ آپ نے جو بات کی ہے کہ لوگوں کو کیوں شوق ہوتا ہے کہ آسانی سے ہم رزق حاصل کر لیں' دستِ غیب یا کن فیکون حاصل کریں' اس کا جواب یہ ہے کہ آسانی حاصل کرنے کے لیے بے شمار لوگ مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ مقصد کیا ہوتا ہے؟ آسانی۔ اور عمل کیا ہے۔ اس کا وظیفہ رات کو کرتے ہیں اور دریا کے کنارے کرتے ہیں' اپنے گرد دائرہ لگا کر کرتے ہیں اور پھر شکلیں آتی ہیں ڈرانے والی۔ جنگل ہو' بیاباں ہو اور دریا کا کنارا ہو' تاریک رات ہو اور آپ اکیلے بیٹھے ہوئے ہوں' مشکل کو حل کرنے کے لیے اور آسان راستوں کی تلاش کے لیے۔ تو یہ تو آپ بڑی مشکل میں پھنس گئے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ خواہش کو چھوڑ دو۔ باقی یہ ہے کہ یہ وظیفہ کئی لاکھ دفعہ کرنا ہوتا ہے اور لوگ یہ کرتے ہیں کہ لمبی تسبیح لے کر دانے پہ دانہ کرتے جاتے ہیں اور پڑھتے چلے جاتے ہیں' پھر پابندی ہوتی ہے کہ کیا کھانا ہے اور کیا نہیں کھانا' یوں وہ وظیفے میں چلتے جاتے ہیں اور اگر درمیان میں کچھ رہ گیا تو کہتے



ہیں کہ دوبارہ کرو۔ تو یہ تو آزمائش اور مشکلات ہی ہیں بلکہ بہت ہی سزا والی بات ہے۔ ہماری آپ کو تعلیم یہ ہے کہ جس نے آپ کی آنکھوں کو بینائی عطا فرمائی ہے وہ خود ہی رزق کا انتظام کرے گا' تو آپ اُس کے کام اُس کے حوالے کریں اور اُس کے کام اپنے حوالے نہ کرنا' آپ وہ کام نہیں کر سکیں گے بلکہ وہ خود ہی کرتا جائے گا۔ تو وہ اپنے کام خود ہی کرتا جائے گا اور یہ اُس کا کام ہے کہ آپ کو پیسہ دے۔ یہ کس کا کام ہے؟ اُس کا کام ہے اور وہ آپ ہی کرے۔ پیسہ اُس نے دینا ہے اور آپ نے تو صرف زندگی گزارنی ہے۔ وظیفے سے کیا بناؤ گے؟ اصلی چیز تو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ موت سے بچیں مگر وہ کسی کو آتا نہیں ہے' یہ بات نہ کسی ڈاکٹر کو سمجھ آتی ہے اور نہ کسی مریض کو کہ موت سے کیسے بچیں۔ وہ خبر کسی کے پاس ہے ہی نہیں۔ تو باقی آپ نے کیا کرنا ہے۔ آپ زندگی طویل نہیں کر سکتے اور زندگی نے قلیل نہیں ہونا۔ یہ اتنی ہے جتنی مقرر ہے' پھر یہ کیا ہے' وہاں دستِ غیب کیا کرے گا۔ دستِ غیب سے آپ کھانا کھاؤ گے؟ کتنا سارا کھاؤ گے۔ دستِ غیب کے لیے کوششیں اور اسمِ اعظم کے لیے محنتیں کس لیے کرو گے؟ ایک آدمی کسی بزرگ کے پاس گیا' عرض کیا کہ ہمیں قصیدہ غوثیہ پڑھنے کا اِذن دے دیں۔ اس قصیدے میں بھی اسمِ اعظم کا ایک مقام آ جاتا ہے' ایک خاص طریقے سے پڑھتے ہیں' رات کے خاص وقت میں پڑھتے ہیں۔ دو تین دن تو اُس نے پڑھا۔ پیر صاحب نے پوچھا کہ رات کو تم نے پڑھا تھا؟ کہا کہ جی پڑھا ہے۔ قصیدے میں جو دعویٰ ہے اور جو شان بیان کی گئی ہے اس سے وہ خوف زدہ ہو گیا۔ اس کا وجود قصیدے کا متحمل نہ ہو سکا۔ پیر صاحب نے اس کو کچھ پیسے دیے

کہ یہ لے لو۔تو وہ کہنے لگا کہ میں نے تو وظیفے کی اجازت لی تھی کہ مجھے پڑھنے کی توفیق ہونی چاہیے واللہ یہ تو مدعا نہیں تھا۔تو انہوں نے کہا کہ یہ پیسے رکھ لو' تم یہ تکلیف کیسے برداشت کرو گے۔تو بولا کہ اچھا آپ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔اور وہ پیسہ لے کر چلا گیا .......... یہ قصیدہ پڑھنا' اسمِ اعظم کرنا' دعائیں کرنا' اس طرح کے واقعات کرنا اور جتنی بھی آپ کوشش کرتے ہیں کہ بغیر سبب کے حاصل کریں تو یہ خواہش اچھی بات نہیں ہے۔جو وہ دے رہا ہے اُس کو دینے دو۔جس نے بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ماں کے پاس اس کے دودھ کا انتظام کر دیا ہے' وہ سب کرنے والا ہے' کارساز ہے۔

ایک مرید اپنے پیر کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے اسمِ اعظم کی تعلیم فرما دیں' Direct straight away انہوں نے کہا کہ اسمِ اعظم کل بتائیں گے آج تم سیر تفریح کرو۔وہ آدمی جنگل میں گیا اور دیکھا کہ ایک بوڑھے کو ایک جوان آدمی' شہر کا حاکم ہونے کے ناطے سے مار رہا تھا' اُس کا مال بھی چھین کر لے گیا' لکڑی بھی لے گیا اور پیسہ بھی نہیں دیا۔پیر صاحب نے اُس کو بلا لیا اور پوچھا کہ کیا دیکھا؟ تو اُس نے عرض کیا کہ یہ دیکھا۔کہنے لگے اگر تیرے پاس اسمِ اعظم ہوتا تو تم کیا کرتے۔تو وہ مرید کہتا ہے کہ میں یہ ظلم نہ ہونے دیتا۔تو انہوں نے کہا کہ بس اتنی سی کہانی ہے کہ مجھے اسمِ اعظم دیا ہے اسی پیر نے یعنی وہی بوڑھا جو مار کھانے والا تھا .......... جس کے پاس اسمِ اعظم ہوتا ہے وہ اپنی تکلیف دور نہیں کرتا۔اسمِ اعظم ہے ہی یہ .......... کہ آپ کو تکلیف آ جائے مگر آپ اسے دور نہ کرو بلکہ اس سے دوسروں کی تکلیف دور کرو۔آپ میں سے کس کو اسمِ اعظم



چاہیے؟ جو اپنے لیے اسمِ اعظم چاہتا ہے وہ جھوٹا ہے اور جو دوسروں کے لیے چاہتا ہے اُس کا یہ مسئلہ نہیں ہے۔آپ دوسروں کی جتنی تکلیف رفع کر سکتے ہیں کر لیں اور باقی کی تکلیف کو رہنے دیں۔اپنے لیے کسی کو اسمِ اعظم نہیں ملتا۔تو اسمِ اعظم کیا ہے؟ راز ہے۔ایک آدمی ایک اور پیر کے پاس گیا کہ اسمِ اعظم دیں۔انہوں نے کہا کہ دیتے ہیں۔انہوں نے ایک ڈبہ دے دیا اور کہا کہ دور چار میل کے فاصلے پر ایک ہمارا بھائی بیٹھا ہوا ہے' جنگل میں دریا کے پار' یہ اس کو دینا ہے اور یہ ڈبہ کھولنا نہیں ہے۔وہ ڈبہ لے کر چلا گیا۔راستے میں ڈبے سے آوازیں آ رہی تھیں' اُس نے کہا کہ ٹِک ٹِک کیا ہے؟ وہ جب پیر صاحب سے دور چلا گیا تو اُس نے سوچا کہ ڈبہ ہی تو ہے' اس کو کھول کر دیکھ لیتے ہیں۔تو اُس نے ڈبہ کھولا اور اندر سے چڑیا اُڑ کر چلی گئی۔اُس نے ڈبہ جلدی سے بند کیا اور وہاں چلا گیا۔ وہاں ایک درویش کپڑا لپیٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔کہنے لگا کہ پیر صاحب نے آپ کے لیے پیغام بھیجا ہے' سلام کہا ہے۔تو انہوں نے کہا کہ کیا یہ ڈبہ اسی حالت میں تھا۔تو کہنے لگا کہ بالکل اسی حالت میں تھا۔انہوں نے مُنہ سے کپڑا اُٹھایا تو وہ خود ہی تھے .......... تو وہ اُس سے کہنے لگے کہ اتنا سارا راز تو تُو رکھ نہیں سکا' تو اسمِ اعظم کا راز کیسے رکھے گا۔تو اسمِ اعظم جو ہے یہ ایک راز ہے۔تو جب ظرف اتنا سارا ہو کہ آپ چڑیا نہ چھپا سکو تو پھر تم اسمِ اعظم کہاں لیے پھرو گے۔

ایک اور آدمی کو اسمِ اعظم ملا۔وہ ایک مسجد کے پاس سے گزر رہا تھا' دیکھا کہ مولوی صاحب کے خیال اور کردار کے حالات اچھے نہیں ہیں۔تو اُس

نے مسجد کو ہی الٹا دیا۔ پیر صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا کیا؟ کہنے لگا کہ میں نے مسجد اُلٹا دی۔ پوچھا کیوں؟ تو کہنے لگا کہ مولوی خراب تھا‘ اُس کا کردار اچھا نہیں تھا۔ پیر صاحب نے کہا جس کی مسجد ہے وہ چپ ہے اور تو خواہ مخواہ پرائے گھر میں دخل دیتا ہے‘ تیرا کیا واسطہ ہے اس بات سے۔ اسمِ اعظم یہ ہے کہ دوسروں کو اُن کے حال پر رہنے دو اور اپنے حال کو اللہ پر چھوڑ دو۔ جن لوگوں کے پاس اسمِ اعظم تھا وہ یہی تھا۔ آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ مشکل کشا خود مشکل سے گزرتا رہتا ہے اور دوسروں کی مشکل حل کرتا رہتا ہے۔ تو یہ اسمِ اعظم ہے اور اس سے بڑا کیا اسمِ اعظم ہو سکتا ہے؟ تو علی بھی ایک اسمِ اعظم ہے۔ تو اصل اسمِ اعظم یہی ہے ۔

اسم اس کا ہی اسمِ اعظم ہے
یا علیؑ کا ہی ورد لازم ہے

علی بھی اللہ کا ایک نام ہے۔ آپ میں سے جن جن کا نام علی ہے اُن کو ایک نسبت ہے۔ علی کا معنیٰ ہی عالی ہے‘ بلندی کا مقام ہے۔ تو آپ کی تسلیم و رضا کا نام ہے اسمِ اعظم۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ اسمِ اعظم اللہ کے اسماء میں سے کوئی ایک اسم ہوگا‘ نام ہوگا۔

اب آپ دعا کریں۔ دعا یہ کریں کہ رب العالمین ہمیں تسلیم و رضا سکھا‘ ہمیں اپنے حالات میں مطمئن رہنے کی توفیق عطا فرما‘ ہمیں اپنا فضل عطا فرما‘ یا رب العالمین ہمیں ملکی طور پر خوش حال بنا‘ ہمارے ملک کے حالات بہتر بنا‘ جن جن لوگوں کو کوئی تکلیف ہے یا رب العالمین وہ تکلیف دور فرما‘ جو لوگ ہمارے



عزیز رشتے دار ہم سے جدا ہو گئے‘ جن کا انتقال ہو گیا اللہ تعالیٰ اُن کے مقام میں قرار عطا فرمائے اور اُن کے لواحقین کو استقامت عطا فرمائے۔

آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

# 3

1 کیا پیر اور مرید میں کسی اختلافِ رائے کی گنجائش ہے؟
2 اگر کسی کو شریعت کے لحاظ سے اختلاف ہے تو مرشد کو چاہیے کہ اس کی اصلاح کر دیں۔
3 اگر کسی کا پیر انتقال کر جائے تو کیا دوسرا پیر بنانا جائز ہے؟
4 کیا بزرگوں کے مرتبے مختلف ہوتے ہیں؟
5 کیا کوئی سلسلۂ طریقت دوسرے سلسلے پر فوقیت رکھتا ہے؟
6 فیض کسے کہا جاتا ہے؟
7 کیا صاحبِ مزار کسی کا استقبال کرنے کے لیے مزار سے باہر آ سکتے ہیں؟
8 کیا صاحبِ قبر کسی آنے والے کو متاثر نہیں کر سکتے؟
9 علم حاصل کرنے کے شوق کا طریقہ کیا ہے؟
10 کسی اہلِ علم کو دیکھ کر جذبہ تو پیدا ہو سکتا ہے۔
11 سر! انسان کی بہت سی آرزوئیں ناتمام بھی رہ جاتی ہیں۔
12 جو شخص تکلیف میں ہوگا وہ تو مانگے گا۔
13 حقوق العباد کیا ہیں؟
14 یہ آزمایا ہوا ہے کہ صاحبِ مزار ہر چیز دیتے ہیں۔
15 دنیاوی ضرورتیں انسان کو مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ مزار پر جا کر ان کا حل مانگیں۔

سوال:

کیا پیر اور مرید میں کسی اختلاف رائے کی گنجائش ہے؟

جواب:

اختلاف رائے کی گنجائش تو رہتی ہے لیکن اظہار رائے میں رشتہ ٹوٹ سکتا ہے۔ کیونکہ جب تعلیم ہوتی ہے استاد اور شاگرد میں' تو شاگرد کو بات سمجھ میں نہیں آتی کہ استاد کیا کہہ رہے ہیں۔ اسے ساری سمجھ تو آتی نہیں۔ تو سمجھنے پر اور نئی بات سننے پر جو تعجب ہوتا ہے' یہ دراصل اختلاف رائے ہی ہے۔ قبول کرتے وقت بھی اختلافِ رائے تو ہوتا ہے لیکن جب مرید اپنا نقطہ واضح کرے تو اس میں دو باتیں ہیں' ایک تو اس میں استفسار ہے یعنی کچھ پوچھنا' یہ اختلاف رائے ہی ہوتا ہے جب مرید سوال کرتے ہیں۔ تو مرید کا سوال ہوتا ہے کہ ہم نے تو یوں سنا ہے' یہ کیا بات ہے؟ اُس کی پھر وضاحت شروع ہو جاتی ہے۔ اگر مرید اس پر Insist کرے' اصرار کرے تو پھر یہاں سے اختلاف شروع ہوتا ہے۔ مرید کے اختلاف کا معنی یہ ہے کہ کسی اور خیال پر اس طرح مصر ہونا کہ خیال دینے والا جو پیر ہے' اُس کے خیال سے By pass کر جانا' مختلف ہو جانا۔ تو یہاں سے پیر

اور مرید کا رشتہ جو ہے اس میں انقطاع شروع ہو جاتا ہے۔ مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ مرید پیر کی بات کو مزاج کے خلاف بھی قبول کرے۔ تبھی تو پیر شروع ہوتا ہے۔ ورنہ تو انسان انسان کے درمیان فرق رہتا ہی ہے۔ اگر دو ہم خیال یا ہم وزن انسان ہوں تو اُن میں Discussion ہوتی ہے، بحث ہوتی ہے اور اس میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے یعنی کہ ایک آپ کا نقطہ نظر اور دوسرا اس کا نقطہ نظر۔ جب آپ سے کوئی بچہ ملے تو اس کو آپ کوئی بات Convey کرتے ہیں، بات بیان کرتے ہیں اور جب کوئی بزرگ ملے تو آپ اُس سے بات سنتے ہیں کیونکہ اُس میں اُس بزرگ کا تجربہ، اُس کا علم ہوتا ہے اور پھر اُس کا ادب کا رشتہ ہے۔ تو اختلاف رائے عام طور پر اپنی Improvement کے لیے یا اپنی اصلاح کے لیے پیدا کیا جاتا ہے یعنی کہ ہمارا یہ خیال ہے، آپ کیا فرماتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ آپ لوگوں سے مشورہ کرو، مشورے کا مطلب ہے کہ کوئی مختلف مشورہ مل جائے اور کوئی مختلف صورت حال مل جائے لیکن آپ فیصلہ خود کرو۔ فیصلہ جب کر لیا جائے تو اختلاف رائے جو ہے یہ رشتے کو ختم کر دیتی ہے۔ مرید کا مقام دراصل شروع ایسے ہوتا ہے کہ ہم پیر صاحب کا کہنا مانیں گے بلکہ جو حکم نہ ماننے والا ہوگا وہ بھی مانیں گے۔ اور اگر آپ کو کھانا کھلایا جائے، دعوت ہو تو وہ رشتے دار بھی کھائیں گے، محلے دار بھی کھائیں گے، اور اگر آپ کو تحفے تحائف دے دیے جائیں تو اس میں پیری مریدی کی بات کیا ہے۔ یہ تو ہر آدمی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر کسی کو السلام علیکم کہا جائے تو وہ مرید ہو یا کوئی غیر ہو تو وعلیکم السلام کہے گا۔ تو پھر پیر اور مرید کا رشتہ کیا ہوا؟ رشتے کا مطلب یہ ہے کہ ناگوار اور ناروا جو



ہے وہ گوارا اور روا ہو جائے۔ تو اس کا مطلب ہی یہ ہے، کہ جو چیز آپ بظاہر کر نہیں سکتے، اُس کے کرنے میں آپ کو لطف آنا شروع ہو جائے، مثلاً شہید ہونا، دراصل جو ﷲ کا طالب ہوتا ہے وہ شہید بنتا ہے اور دوسرا جو آدمی ہے وہ مارا گیا، وہ کہتا ہے کہ ہم ایسے ہی ﷲ کی راہ میں مارے گئے، یہ کیا ﷲ کی راہ تھی۔ لیکن جو شہید ہوتا ہے، محبت میں اور عشق میں سرشار ہوتا ہے اور وہ صرف جان پیش کرتے ہوئے فخر اور لذت محسوس کرتا ہے۔ جان تو ہر آدمی دینے کو تیار ہوگا کیونکہ ایک دن اُس نے جان تو دینی ہے لیکن وہ جو تعلق ہے اور تعلق والا جو ہے اُسی چیز کو پیش کرنے میں خوشی محسوس کرے گا اور سرور محسوس کرے گا۔ یہ چیز عام آدمی گوارہ نہیں کر سکتا۔ مدعا یہ ہوا کہ پیر اور مرید کا رشتہ ہی یہی ہے کہ جہاں کوئی چیز گوارہ نہ ہو اور اس چیز کا حکم پیر صاحب کی طرف سے آ جائے تو اُس کو قبول ہو۔ مرید کا فنکشن ہی یہ ہے کہ حکم کو قبول کرنا، اور اگر یہ قبول نہ ہو، تو مزاج بدلے، نہ انداز بدلے اور نہ کوئی اور واقعہ بدلے، پھر وہ رشتہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اس میں سب سے مشکل مقام یہ ہے کہ ہر مسلمان اسلامی تعلیم کا کچھ نہ کچھ حصہ جانتا ہے اور اُس کو ان باتوں کا پتہ ہے کہ فرائض کیا ہیں، احوال کیا ہیں، احکام کیا ہیں، ارکان کیا ہیں، اس نے کچھ کتابیں بھی اسلام کی پڑھی ہوتی ہیں، پھر وہ مسلمان کہیں مرید ہو جاتا ہے۔ اب وہ اسلام کا کچھ علم جاننے والا بھی ہوتا ہے۔ بغیر وجہ کے یا بغیر دلیل کے۔ وہ کہیں مرید ہو گیا، دین کا علم اس کے پاس موجود تھا، اب وہی پرانا علم جب وہ نئے رشتے میں استعمال کرتا ہے تو وہ اس کو فٹ نہیں ہوتا، تو وہ گھبراتا ہے، پریشان ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی اور مقام آ گیا۔ مگر یہی تو ایک موقع ہے

جہاں پہ بات سمجھنے والا مقام پیدا ہوتا ہے۔ پیر صاحب سے تعلق' رشتہ بنانے
پہلے کروڑوں مرتبہ سوچو' بہت سوچو' پھر سوچو' لیکن جہاں Announcement
لو' خیال کا فیصلہ کرلو جب اس کے بعد سوچو گے تو پھر یہ تعلق رد ہوگا اور نا منظور
جائے گا تو آپ کو بڑی دفعہ بتایا ہے کہ تسلیم کے بعد انکار جو ہے عام طور پر اس
نام شیطان ہے۔ پھر یہ فیصلہ تو اللہ نے کر دیا' اللہ کو اللہ سب نے تسلیم کرا
ہے چاہے ملائکہ ہوں یا جنات ہوں سب نے تسلیم کرلیا۔ اب تسلیم کے ساتھ ایک
شعبہ یہ بھی تسلیم کرلیا کہ ہم نے اللہ کی عبادت کرنی ہے اس کی عبادت کر
رہنا ہے اور اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرنی ہے۔ سال' زمانے' صدیاں
گزرتے گئے پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی کہہ دیا کہ انسان کو سجدہ کرو۔ سب مان گئے
مگر ابلیس نے انکار کر دیا۔ کسی نے بعد میں' تنہائی میں پوچھا ابلیس سے کہ تو
انکار کیوں کیا تھا؟ کہنے لگا میں نے اللہ سے تو انکار نہیں کیا' میں نے تو انسان کو
سجدے سے انکار کیا ہے' اللہ کو تو میں اب بھی سجدہ کرتا ہوں۔ تو ابلیس جو ہے و
اللہ کو تو سجدہ کرتا ہے لیکن اللہ کے امر کو نہیں کرتا۔ تو نقطہ یہ ہے۔ اس طرح
جب کوئی آدمی پیر سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی بات سے اختلاف کر گیا تو پیر کی
بات کو تسلیم کرنے کا نام ہے' بندے کا تو نام ہے ہی نہیں۔ جب آپ نے پیر کی
بات کو تسلیم نہ کیا تو اختلاف ہو یا نہ ہو' آپ کا رشتہ آگے پیچھے ہو گیا۔ اس لیے بڑا
زور دیا لوگوں نے اور بڑی وضاحت سے سمجھایا کہ اگر پیر کچھ کہہ دے تو آپ و
تسلیم کرلو۔ کچھ لوگ کہتے ہیں پھر شریعت کی ابتدا جو ہے وہاں سے ہوتی ہے۔
یعنی آپ کی جو معلوم شریعت ہے' اور جو آپ کی وارد شریعت ہے وہ وہاں سے



شروع ہوتی ہے۔ یہاں سلطان باہوؒ نے فرمایا کہ۔

کلمہ پیر پڑھایا باہو تے میں سدا سہاگن ہوئی

یعنی جب سے پیر نے مجھے کلمہ پڑھایا ہے میں ہمیشہ کے لیے تعلق میں آ گیا ہوں۔ وہ شخص پہلے سرسری مسلمان تھا' اس کے پاس اپنا علم تھا' معلوم تھا' مگر اب تعلق میں آ گیا۔ اختلاف کی گنجائش اس ذات سے نہیں ہونی چاہیے جو ایکسپرٹ ہے۔ تو اس سے اختلاف نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اختلاف عام طور پر نصیب سے باہر ہوتا ہے۔ بات کی وضاحت کے لیے جو پوچھنا ہے اُسے ہم اختلاف نہیں کہہ سکتے مثلاً وضاحت کے لیے یہ پوچھنا کہ یہ بات سمجھ نہیں آئی' ہم وہاں جائیں یا ہم کہاں جائیں۔ یہ تو ہوگئی تفصیل کی بات یا اصلاح کی بات۔ اور اختلاف جو ہے وہ یہ ہے کہ پیر صاحب کی بات کے مقابلے میں کوئی اور بات لانا۔ مقابلے میں بات لائے تو پھر تم رشتے میں' تعلق میں تو نہ رہ گئے۔ اس لیے پیر صاحب کی بات کے ساتھ اختلاف کی مرید کو گنجائش نہیں یعنی اگر وہ مرید ہے تو گنجائش نہیں ہے' مسلمان کو اسلام کے ساتھ اختلاف کی گنجائش نہیں ہے' اولاد کو والدین کی بات کے ساتھ اختلاف کی گنجائش نہیں ہے' یعنی کہ تقدس میں یا تقدیس میں جو مرتبہ تسلیم کر جائے اُس کے ساتھ اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کوئی بات اگر آپ کو سمجھ نہ آئے تب بھی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے' بزرگوں کی کوئی بات سمجھ نہ آئے تو اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہہ دیا جائے کہ تمہارے لیے یہ کڑوی دوائی بہتر ہے اور تمہارے لیے شہد بہتر نہیں ہے۔ وہ جانے اور اس کا کام

جانے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے امیر جب مرید ہونے کے لیے کسی و
کے پاس گئے تو اُن کے ہاتھ میں Begging Bowl تھما دیا گیا۔ egging
Bowl کیا ہوتا ہے؟ کاسۂ گدائی ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا تم مانگ کے دکھاؤ۔
وہ جو بہت بڑا فن کار تھا۔ بڑا شہنشاہ تھا' اس سے کہا کہ جا اور مانگ کے کھا۔ کچھ
لوگ تو وہ کاسہ وہیں توڑ کر آ گئے' کہنے لگے یہ رہا آپ کا کاسۂ گدائی' ہم مرید
نہیں ہوتے' اور کچھ جو تھے وہ بات پی گئے اور چل پڑے' چلتے چلتے اُن کو اصل
بادشاہی کا گر سمجھ آیا کہ اصل قصہ کیا ہے۔ تو بات یہ ہوتی ہے کہ وہ جاننے اور اُس
کام جانے' تسلیم کرنے والا مرید جو ہے اس کا کام پیر صاحب کو تسلیم کرنا ہے' ا
لیے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

سوال:

اگر کسی کو شریعت کے لحاظ سے اختلاف ہے تو مرشد کو چاہیے کہ اس ک
اصلاح کر دیں۔

جواب:

وہ سوال جو وضاحت کے لیے کیا گیا ہو تو آپ کو وضاحت کی بات
سمجھ آئے گی' لیکن ایسا پوچھنا اختلاف نہیں کہلاتا بلکہ یہ سوال ہوتا ہے۔ مثلاً یہ
یہاں پر شرعی طور پر ایک خیال مجھے یوں آ رہا ہے یا مجھے یہ دقت پیش آ رہی۔
اس کا کیا حل ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مرید کے توحید کے تصور کو فرق پڑ
ہے۔ پھر پیر صاحب مطلب کی بات وضاحت کر کے سمجھا دیا کرتے ہیں۔ تو
اختلاف نہیں ہے۔ یہ سوال جو ہے یہ تسکین کے لیے پوچھا جاتا ہے کہ یہ با



میرے توحید اور رسالت کے تصور سے سمجھ نہیں آتی۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان پیر کے خیال میں اتنا گم ہو جاتا ہے کہ اُس انسان کو توحید بھی بھول جاتی ہے' بعض اوقات بھول جاتی ہے' نماز قضا ہو جاتی ہے' بس خیال میں وہ چلا جا رہا ہے' پتہ نہیں کدھر چلا جا رہا ہے۔ اُس کے لیے نہ کوئی زمین ہے نہ آسمان ہے کیونکہ خیال ہی ایسا ہو جاتا ہے۔ اگر مرید کو ہوش ہے تو پوچھ لے' نہیں ہوش تو چلتا جائے۔ کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے وہ سوال کر سکتا ہے کہ یہ کیا قصہ ہے جو میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ اس سے اُس کو اصلاح مل جاتی ہے مگر اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ کر لینا کہ پیر کو شریعت سکھانے لگ جاؤ۔ یعنی کہ جاننے والے کو علم دینا جو ہے یہاں سے گمراہی پیدا ہوتی ہے۔ تو باقی جو بات وضاحت کی ہے تو وہ اختلاف نہیں کہلاتی۔ ان وضاحتوں کے لیے اس محفل میں سوالات ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں یعنی کہ جو سوالات کھٹک رہے ہوں یا جو اختلاف کھٹک رہے ہوں' یا جو وضاحتیں کھٹک رہی ہوں' اٹک رہی ہوں' ان کا پوچھا جاتا ہے کہ یہ بات یوں نہیں ہو رہی بلکہ یہ بات یوں ہو رہی ہے۔ اگر کبھی ایسا واقعہ ہو جائے کہ مرید جو ہے وہ پیر کے خیال میں جا رہا ہو اور اُس کو کسی بلند دربار میں رسائی ہو جائے' تو پھر وہ پیر کو پکڑے نہ کہ اس بلند دربار میں گم ہو جائے۔ اسی طرح اگر اللہ کی طرف جائے تو وہاں پیر کدھر ہو گا اور اللہ کدھر ہو گا۔ ایک دفعہ ایسا واقعہ ہوا کہ ایک جگہ پر ایک پیر صاحب' ان کے پیر صاحب اور ان کا مرید' تینوں اکٹھے ہو گئے۔ جو پیر صاحب کا مرید تھا اُس کو پیر نے کہا کہ آج میرے پیر صاحب بھی آ گئے ہیں' تو میں تمہیں اپنے پیر صاحب سے فیض لے کر دیتا ہوں۔

یہ واقعہ ایک Actual تاریخی واقعہ ہے۔ تو وہ جوان سب سے چھوٹے تھے' وہ مرید تھے بابا فرید گنج شکرؒ ' ان کے پیر تھے خواجہ بختیار کاکیؒ اور ان کے پیر تھے خواجہ معین الدین چشتیؒ ۔ تو یہ تینوں اکٹھے تھے۔ خواجہ بختیار کاکیؒ نے بابا صاحبؒ سے کہا کہ دیکھو آج خواجہ صاحب آ گئے ہیں' ان سے فیض لے کر دیتے ہیں۔ جب تینوں اکٹھے ہو گئے تو بابا صاحبؒ سے خواجہ صاحبؒ نے خطاب کیا کہ بولو فیض چاہیے؟ انہوں نے کہا فیض تو مجھے چاہیے نہیں' آپ میرے پیر کو فیض دیں' میں نے تو انہی سے لینا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں نے آپ سے فیض نہیں لینا بلکہ اِن سے لینا ہے۔ تو یہ ایک واقعہ ہوا اور یہ تاریخی واقعہ ہے۔ اس سے آپ کو کچھ بات سمجھ آ سکتی ہے کہ درویشوں کا طریقہ کیا ہوتا ہے اور اللہ کا فضل جو ہے وہ کیا ہوتا ہے۔ مثلاً جس انسان کو آپ دوست قبول کر لیں' دوست قبول کرنے کے بعد آپ کو یہ بتایا جائے کہ اِس سے اچھا دوست بھی مل سکتا ہے اور آپ اس اچھے دوست کے پیچھے اگر چلے جائیں تو آپ تو دوستی کے قابل نہیں ہیں۔ آپ یہ کہیں کہ میرا دوست تو یہ ہے' دوست کے علاوہ اور اچھا کیا ہوتا ہے۔ ایک آدمی کو ایک خاتون سے محبت ہو گئی اور وہ اُس کے خیال میں پاگل ہو گیا۔ اس خاتون نے کہا کہ پاگل ہونے کی کوئی بات نہیں' ہم تو کام سے جا رہے ہیں پیچھے ہماری ایک رشتے دار آ رہی ہے اور وہ ہم سے زیادہ خوب صورت ہے' اب اگر وہ دوسری خاتون کے لیے ٹھہر گیا تو وہ جھوٹا تھا۔ تو مقصد یہ ہے کہ اپنے محبوب کا متبادل قبول کرنا محبت کی نفی ہے' محبت میں متبادل نہیں ہوتا اور اگر محبت نہ ہو تو میرا خیال ہے کہ فیض ہی نہیں ہوتا۔ پھر فیض کس بات کا؟ تو فیض کی تو مسلمانوں



کو کمی نہیں ہے' علم کی بھی کمی نہیں ہے اور عبادت کی بھی کمی نہیں ہے۔ صرف یہ رستہ اِس لیے تھا کہ آپ علم' عبادت اور سفر جو ہے محبت کے اندر کریں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر محبت کا انداز نہیں ہے تو پھر دقت ہو گی۔ جس زمانے میں ابتدائی مسلمان موجود تھے' کلمہ پڑھتے تھے' عمل کرتے تھے' اُس زمانے میں اُن کو کسی خیال میں شبہ یا دقت ہوتی تو وہ حضور پاک ﷺ کی محفل میں جاتے اور اپنی اپنی مشکلات حل کراتے۔ کلمہ' کلام اور دین وہی رہا اور زمانہ یہ آ گیا۔ آج کا انسان اُس طرح کی وضاحت حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں نے پہلے بھی ایک مرتبہ بتایا تھا کہ پھر دین کیسے برابر ہوا۔ اُس زمانے میں دین سمجھانے والے خود موجود ہیں' اب دین تو ہے مگر اُس طور پر سمجھانے والا نہیں ہے۔ اس لیے اُس خلاء کو پورا کرنے کے لیے یہ شعبہ ظاہراً بتایا گیا کہ یہ شعبہ ہے' یہ بزرگ وہ تو نہیں ہوں گے لیکن اُس کمی بیشی کے لیے وضاحت کا خلا پُر ہوتا جائے گا۔ اس لیے وضاحت جو ہے یہ اُس زمانے میں بھی ہوتی تھی۔ مثلاً صحابہ کرامؓ نے کہا یا رسول اللہؐ جب ہم آپؐ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارا ایمان قوی ہوتا ہے اور جب کبھی ہم گھبرا جاتے ہیں تو طبیعت کچھ اور سے اور ہو جاتی ہے' کسی وقت عروج ہوتا ہے' تو کسی وقت زوال ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہی اسلام ہے۔ تو اس کے اندر عروج و زوال کی داستان رہتی ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہو پھر لطف نہیں رہتا۔ پھر نصیحت یہ کی گئی کہ اگر خیال میں زوال ہو تو اظہار نہ ہو' اظہار جو ہے یہ آپ کو قطع تعلق کرا دیتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ مجھے ایسے لگتا ہے کہ مجھے آپ اچھے نہیں لگ رہے۔ اب یہ بات جو ہے کسی سے بھی کہہ دیں اُسے اچھی نہیں لگے گی۔ تو کہنا نہیں چاہیے۔ کسی

آدمی سے اگر ملو اور اس سے یہ کہو کہ تیری ایک آنکھ نہیں ہے' تُو تو کانا آدمی ہے۔ اگر یہ کہو گے تو بات غلط ہو جائے گی۔ اس لیے جب کبھی آپ کے خیال کو کوئی تکلیف ہو تو اُس کے اظہار کرنے میں ادب کا پہلو اگر ختم ہو گیا تو رشتہ ختم ہو گیا۔ اگر کسی کے پاس پرانے زمانے کی تعلیم ہے اور آپ اسے کہہ دیں کہ کچھ پتہ نہیں تو اُسے بڑی تکلیف ہو گی۔ آپ تو بڑے پڑھے لکھے ہیں' آپ نے یونیورسٹی میں پڑھا ہے' باپ اپنی تنخواہ ضائع کرتا رہا اور آپ کو پڑھاتا رہا' آپ تو پڑھ لکھ گئے اور باپ وہیں کا وہیں رہ گیا۔ تو آپ جب بہت پڑھ لکھ جاتے ہو تو کہتے ہو اباجی کو کچھ نہیں آتا۔ ابا نے پوچھا کہ کیا میں نے تمہیں علم سکھایا؟ کہتا ہے ہاں۔ ابا کہتا ہے کہ علم کی کوئی بات بتا تو کہتے ہو کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ تُو کم عقل ہے۔ تو بچہ جب علم سیکھ کے آیا تو پہلی بات اس نے یہ کہی کہ باپ جو ہے وہ کم علم ہے۔ تو اُس نے یہ کیا علم حاصل کیا۔ اس لیے اظہارِ خیال میں بہت احتیاط کرنا۔ کبھی کبھی انسان اللہ تعالیٰ سے بھی گلہ کر لیتا ہے اور اگر آپ نے اس کا اظہار کر دیا تو نتیجہ کچھ اور ہی ہو گا۔ فرشتوں نے انسان کو جو سجدہ کیا تھا تو ممکن ہے کہ اندر سے وہ کہتے ہوں کہ یا اللہ تو آپ ہی مالک ہے' پہلے کہتا تھا کہ کسی کو سجدہ نہ کرنا اور اب کہتا ہے کہ اس کو کرو' بہرحال ہم نے سجدہ ضرور کرنا ہے۔ اس طرح وہ پار ہو گئے اور جو بول پڑا وہ مارا گیا یعنی شیطان۔ اس لیے یہاں پر تعلق میں بولنا منع ہے' سوچنے سے وضاحت ہو جائے گی' بولنے سے وضاحت نہیں ہو گی۔ جو بولتا ہے اُسے وہ کہے گا Get out باہر نکل جاؤ۔ اس لیے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے' اس سے کبھی ایسی بات نہ کہنا۔ اُس کو اگر کہا تو وہ کہے گا تُو شریعت مجھ سے زیادہ



سمجھتا ہے؟ کیونکہ بیچارہ مرید تو کتاب پڑھ کر آتا ہے اور وہ کہے گا کہ میں نے یہ پڑھا ہے کہ یہ یوں ہوتا ہے۔ تو پیر صاحب کہیں گے کہ تو نے پڑھا ہے تو تُو پڑھتا ہی جا۔ تو آپ جاننے والے کو' خود سے بہتر جاننے والے کو فیصلہ کرنے دو۔ کس حد تک؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مرنے کی حد تک۔ اُس وقت تک محبت ہو جب تک تجھے موت آ جائے۔ اگر تیری استقامت ہو گئی تو تُو پار ہو گیا۔ اس لیے اپنی استقامت کو راستے میں خراب نہ کرنا۔ تو آپ کی استقامت ہی آپ کا ساتھ ہے۔ تو پیر کیا ہوا؟ محبت یا استقامت۔ استقامت میں اگر رخنہ آ گیا تو پیر آدمی کا' فرد کا تو نام ہی نہیں ہے' یہ تو ماننے کا نام ہے۔ اگر آپ آدمی کو دیکھو گے تو کوئی بھی آدمی آپ کو Complete یا مکمل نہیں ملنا چاہیے' آدمی تو بہرحال آدمی ہو گا۔ کہتا ہے وہ پیر کس طرح تھا' وہ بھی سوجاتا تھا ہم بھی سو جاتے تھے۔ تو یہ بات تو ٹھیک ہے کہ وہ بھی سو جاتا ہے اور تم بھی سو جاتے ہو' کھانا پکتا تھا تو پیر صاحب بھی کھا گئے اور تم بھی کھا گئے۔ تو یہ بات کیا ہوئی کہ پیر صاحب بھی کھانا کھاتا ہے' اس نے بھی وہی کھانا کھایا اور ہم نے بھی وہی کھانا کھایا مگر اُس کھانے کے ساتھ اُس کے اندر نور بنا اور عام آدمی کے اندر نار بن گئی۔ تو مطلب یہ ہے کہ اُسی زندگی میں اُس پیر صاحب نے فروغ پا لیا۔ اس لیے بولنے میں بڑی احتیاط چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ اختلاف نہ ہو' یہ تعلق توڑنے کی کوئی گنجائش نہ نکالی جائے۔ اس طرح منافقت آ جاتی ہے' بندہ مرتد ہو جاتا ہے اور دین سے انحراف پیدا ہو جاتا ہے۔ محبت کے دین میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ دین محبت کا ہے' اس نے اگر کہا کہ یہ کر جاؤ تو مرید وہ کر گیا۔ باپ نے خواب سنایا تو سعادت

مند بیٹے نے کہا ایسا ہی ہوگا جیسا آپ نے خواب دیکھا ہے' ورنہ کوئی اور بیٹا ہوتا تو کہتا کہ آپ خواب کی بات کر رہے ہیں اور میری جان جانے والی ہے' وہاں ایسا نہیں ہوا۔ شرعی طور پر اگر سوچو تو شریعت میں جان بچانا فرض ہے اور اولاد کو ذبح کرنے والی آپ کیا بات کر رہے ہیں کیونکہ اس طرح سارے لوگ اپنے بچے ذبح کرتے جائیں گے' غور کرو ایسا نہیں کیا کسی نے' لوگوں نے اپنی اولاد کو بچایا اور آپ تو مارنے لگے ہو۔ مگر انہوں نے کہا کہ آپ یہ ضرور کریں۔ یہ ہے تسلیم ...........اور تسلیم ہی سے پیری مریدی ہے۔

سوال:

اگر کسی کا پیر انتقال کر جائے تو کیا دوسرا پیر بنانا جائز ہے؟

جواب:

جو انتقال کر گیا وہ انتقال نہیں کر گیا' تمہارے اندر پیر جو ہے انتقال نہیں کرتا۔ اگلے پیر صاحب کے پاس مجلس کا فیض ہے' صحبت کا فیض ہے' تربیت کا فیض ہے اور وہ ضروری ہوتا ہے۔ یہ واقعہ یوں ہوتا ہے کہ انسان چلتا تو خدا کی مرضی کے لیے ہے اور ایک پیر کے حوالے سے چلتا ہے' راستے میں اگر پیر صاحب رخصت ہو گئے مگر آپ کے اندر وہ میٹر لگا گئے۔ اب اُس میٹر کی تکمیل جو ہے' اس کے اندر وضاحتیں جو ہیں' یہ کسی اور جگہ سے ہوتی رہیں گی۔ اور یہ ضروری ہے۔ اس میں یہ نہیں ہوتا کہ آپ کے پیر کی توہین ہو گئی۔ ''میں کسی اور پیر کا قائل تھا اور اب مجھے کسی اور جگہ جانا پڑے گا''۔ تو ایسی بات نہیں ہے۔ مدعا یہ ہے کہ یہ ضروری ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو اگر کہیں سے فیض ملے تو دراصل فیض اپنے



پیر سے ملتا ہے۔ آپ کو اپنے پیر نے کیا سکھایا؟ ادب سکھایا' تو آپ ہر پیر کا ادب کرو اور آپ پیروں کے شعبے میں مقابلہ نہ کرنا' جو مقابلہ کرنے والا ہے وہ کہتا ہے کہ میرا پیر سب سے اونچا ہے' تو وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ دوسرے کا پیر اتنا ہی اونچا ہے جتنا تمہارا پیر ہے' کیونکہ ہر پیر ایک ہی پیر ہے۔ اصل میں گُر کیا ہے؟ ہر پیر ایک ہی ہے' جس طرح اسلام ایک ہے اُسی طرح پیر بھی ایک ہے' تمہیں اس انداز کی تعلیم دے رہے ہیں اور اس کو دوسرے انداز کی تعلیم دے رہا ہے لیکن دونوں نے جانا ایک ہی طرف ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ تو مسلمانوں میں یہ ایک بڑا غلط خیال آ گیا ہے کہ پیروں کا مقابلہ کریں' اونچ نیچ کا فیصلہ ہو گیا' کچھ لوگ پیغمبروں کے درمیان فرق کرتے ہیں اور پھر دین سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسا بالکل نہیں کرنا۔ یہ نہ کہنا کہ میرے سچے پیر نے یہ کہا تھا' میرا پیر بہت اعلیٰ تھا' میں دوسری جگہ کیسے جاؤں' جب ایک جگہ نکاح ہو گیا تو پھر دوسری جگہ کیسے جاؤں' میرا پیر کیسے گوارا کرے گا۔ تو ایسا نہیں ہوتا۔ یہ سفر ایک ہی ہوتا ہے۔ سفر کیا ہوتا ہے؟ ایک ہی دریا ہے اور ایک ہی کشتی ہے' اور جانا ایک ہی منزل کو ہے۔ تو راستے میں خوشی خوشی چلتے جاؤ۔ اس لیے اگر کسی کے پیر کا انتقال ہو جائے تو اور جگہ جا سکتے ہیں اور جہاں جاتے ہیں اتنی ہی عقیدت سے جاتے ہیں' تاکہ پتہ چل جائے کہ تمہیں تمہارے اصلی پیر نے نشست و برخاست کے آداب سکھائے تھے۔ بزرگوں نے بڑے بڑے فیض لیے' اٹھارہ اٹھارہ انسانوں کے پاس گئے اور بڑے ادب سے فیض لیے جب کہ پیر اپنا ایک ہی رکھا۔ بزرگ رخصت ہو گئے لیکن مرید رخصت نہیں ہوئے' اس لیے یہ چلتے گئے' ایک مقام پر

گئے' دوسرے مقام پہ گئے اور ایک اور مقام پہ گئے۔ ہر مقام پر انہوں نے ادب کی وجہ سے فیض پایا۔ نئے بزرگ نے کہا کہ تمہارا پیر تو رخصت ہو گیا اور وہ بڑا بزرگ تھا' اس کی بڑی مہربانی ہے اُس نے تمہیں بھیجا ہے' اب اُس کی شروع کی ہوئی کہانی میں دو نقطے ہم بھی لگاتے ہیں۔ لیکن نقطے لگواتے وقت آپ یہ نہ کہنا کہ وہ بہتر تھا اور یہ کمزور ہے۔ کہانی شروع کسی ایک نے کی ہے اور مکمل کوئی اور کرے گا۔ اس لیے آپ بالکل خاموشی اور ادب کے ساتھ بیٹھا کریں۔ اگر آپ میں ذرا فرق آ گیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلا پیر ہی نہ رہا۔ دوسرے میں فرق آ گیا تو پھر پہلے سے انحراف ہے۔ اس لیے پہلے پیر کی زندگی دوسرے پیروں کی حیات میں ہے۔ اور یہ بہت ضروری بات ہے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ بیعت کر یا نہ کر' نئے پیر سے بیعت کر لو تب بھی ٹھیک ہے اور نہ کرو تب بھی ٹھیک ہے' لیکن جو پہلی بات شروع کی گئی ہے اس کی تکمیل کس نے کرنی ہے؟ جہاں جہاں وقت لے جائے گا۔ ندی کہاں سے چلی ہے' اس نے جانا کہاں ہے' ہر ایک کا اس میں فیض شامل ہوگا۔ کیسے؟ ادب کے ساتھ' پورے خلوص کے ساتھ۔ اور یہ پیروں کا کمال ہوتا ہے' کیا کمال ہوتا ہے؟ کہ وہ خود رخصت ہونے کے بعد بھی فیض دلواتے رہتے ہیں۔ کیسے دلواتے ہیں؟ ادب سکھا کر' تمہیں اس قابل بنا دیا' مؤدب کر دیا' اور پھر مؤدب آدمی بدنصیب نہیں ہوتا۔ تو فیض دینا اور دلوانا ایک ہی بات ہے۔ دینا اور دلوانا' اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ جو فرق ہے یہ آپ کے ہاں ہے کہ پیر نے دیا یا اُس نے دلوایا' اصل میں یہ بات ہے' بالکل ایک ہی بات ہے۔ بس خیال یہ رکھنا کہ آپ کے پیر کے مقام میں فرق نہ آئے۔ مقام سب کا برابر ہے۔



آپ اپنا مقام تلاش کرو تا کہ آپ کی طلب جو ہے وہ چلتی جائے' چلتی جائے' کسی مقام پر نہ رکو۔ یہ کمزور مریدوں نے کہانیاں بنائی ہیں کہ میرا پیر' پیروں کا پیر ہے' تمہارے پیر سے بھی میرا پیر سچا ہے' میرا پیر اُچا ہے۔ مگر یہ پیر ایک ہی ہے۔ پیر کیا ہے؟ سب کا ایک ہے' عشق جو ہے سب کا ایک ہے' اگر عشق پیر ہے تو اس میں دو نہیں ہوتے' یہ نہ کہنا کہ ہمارا عشق جو ہے وہ تمہارے عشق سے اونچا ہے۔ عشق اونچا نہیں ہوتا بلکہ عشق ایک ہی ہوتا ہے۔ ہر طالب دوسرے طالب کا دوست ہے' کبھی یہ نہ کہنا کہ ہمارا محبوب تمہارے محبوب سے زیادہ اونچا ہے۔ یہی تو جھوٹ ہے' کسی کا ایسا نہیں ہوتا۔

سوال:

کیا بزرگوں کے مرتبے مختلف نہیں ہوتے؟

جواب:

جو فیض لینے والا ہے اُس کو تو اُس کا پیر صاحب ابتدا ہی میں فیض دے کے بھیج دیتا ہے' اس کو جس مشین میں ڈالنا تھا' اس میں ڈال دیا اور اُس نے مشین بھی چلا دی' اب مراتب کا تو بعد میں اُس کو پتہ چلے گا جب اُسے ہوش آئے گا کہ قصہ کیا ہے۔ وہ مرید تو تکمیل کے مراحل طے کرتا جائے گا اور ہر ایک کا گُن گاتا جائے گا اور آرام سے' چپکے سے کہہ دے گا کہ میں فلاں جگہ مرید تھا۔ اب یہ اس کا اصل مقام ہے' مراتب کا فرق نہیں ہے' کیونکہ اُس کے ہاں تکمیل کا مرحلہ ہے اور مراتب کی فکر نہیں ہے۔ مراتب کا خیال جانبدار کرتا ہے۔ اگر آپ کو سوئی کی ضرورت ہے تو یہ آپ کا اتنا ہی اہم کام ہے جتنا آپ کو کھانے کی ضرورت

ہے۔ کبھی یہ نہ کہنا کہ کھانا جو ہے بڑا اہم ہوتا ہے اور پینا اہم نہیں ہوتا کیونکہ اگر ضرورت پڑ جائے تو پینا اُس سے زیادہ اہم ہے' ضرورت پڑ جائے تو سونا اُس سے زیادہ اہم ہے۔ اس لیے آپ کی زندگی میں پیر صاحب کی طرف سے جو تھوڑی Contribution ہو رہی ہے وہ بہت بڑی ہے' جس نے تھوڑا کام کیا اس نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ کہتا ہے کہ اس کو پتہ نہیں ہے کہ اس نے کیا کیا لیکن اس نے دھاگے کو گرہ لگا دی اور دھاگے کو گرہ لگانا بھی بڑا کام ہے حالانکہ یہ معمولی کام ہے۔ اگر آپ سفر کر رہے ہیں تو سفر کے درمیان جوتی کا ٹانکا لگانے والا جو ہے اس کا بڑا مقام ہے' اس طرح آپ کا سفر جاری رہے گا۔ گھوڑے کا نعل جس نے لگایا' آپ گھوڑا ہی اس کے نام کر دو۔ تو یہ اتنا بڑا مقام ہے۔ یہ تو تم چھوٹے بڑے کی بحث کر رہے ہو' دراصل سفر کی بات ہے اور چھوٹے بڑے کی بات نہیں ہے۔ جو ٹھہرنے والا ہوتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ یہ چھوٹا کام ہے یہ بڑا کام ہے اور یہ ایسا کام ہے۔ مثلاً ایک بزرگ کا فنکشن ہو رہا ہے' ایک پیر خانہ چل رہا ہے' پیر خانہ اپنے جملہ معانی میں چل رہا ہے' آنے والے مہمان آ رہے ہیں' علم والے آ رہے ہیں' سوال والے آ رہے ہیں' مرتبہ والے آ رہے ہیں' لینے والے آ رہے ہیں' دینے والے آ رہے ہیں' کھانا پکانے والے آ رہے ہیں' کھانے والے رہے ہیں' انگریز بھی آتے ہیں' علم حاصل کرتے ہیں' ایک آدمی آرام سے پیر صاحب کے پاس گیا اور وہاں آرام سے بیٹھا ہوا اس دیگ کے نیچے لکڑیاں جلا رہا ہے۔ جب اس پیر خانہ کے ٹوٹل نمبر لگیں گے یعنی کہ جب مقام آئے گا کہ پیر خانہ جو ہے وہ نمبر لگائے تو لکڑی جلانے والے کے بھی سو بٹہ سو نمبر ہوں گے۔



لکڑی جلانے والا اتنا اہم ہے جتنا پیر صاحب خود آپ۔ لکڑی جلانے والا کتنا اہم ہے؟ جتنا پیر صاحب خود آپ۔ کیوں کہ اس لکڑی جلانے والے کی Contribution' کوشش جو ہے اس سارے فنکشن کو چلا رہی ہے۔ تو پیر کس کا نام ہے؟ پھر در و دیوار کا نام پیر ہو جاتا ہے' پھر چھوٹا بڑا نہیں رہ جاتا ہے' چھوٹا بڑا تو صرف بنانے میں کام آیا' جب بن گیا تو سارے کا سارا کیا ہو گیا؟ ایک پیر بن گیا۔ حالانکہ وہ لکڑی والا ان پڑھ ہوتا ہے' علم تو پیر صاحب بیان کرتے ہیں اور لوگ ان کے پاس سے علم لے رہے ہیں اور جو لکڑیاں جلانے والا ہے وہ اس علم والے کو جلا رہا ہے۔ پیر صاحب کا علم تو زیادہ ہے مگر وہ لکڑیاں جلانے والے تک کہاں پہنچ سکتا ہے۔ اگر پیر صاحب کو کہیں کہ لکڑیاں آپ جلائیں تو ان کو اس علم کی سمجھ آ جائے گی۔ تو لکڑیاں جلانے والا کام بہت مشکل ہے۔ مطلب کیا ہوا؟ مطلب یہ ہے کہ ہر وہ کام جو خلوص کے ساتھ اس Main کام کو مکمل کرنے کے لیے ہو رہا ہے وہ کام بالکل اور مکمل' اس کے برابر ہے اور اس میں سے وہ بات نکل نہیں سکتی۔ کہیں ایسا نہ سمجھنا کہ یہ بات نکالی جا سکتی ہے' نہیں نکالی جا سکتی۔ تو کون اہم ہے اور کون اہم نہیں ہے؟ سارے ہی اہم ہیں۔ کون سا واقعہ اہم نہیں ہے اور کون سا واقعہ اہم ہے؟ سب برابر ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ تو کامیابی کے وقت سب کامیاب ہوتے ہیں' فتوحات میں جو مال غنیمت آیا ہے' اس میں شامل ہونے والے سب برابر' کوئی مبارک بات ہوئی تو قبول کرنے والے سارے برابر' کوئی فنکشن کامیاب ہو گیا تو مبارک کس کو؟ سب کو برابر' سارے کے سارے جو اس فنکشن میں شامل ہیں۔

تو کبھی یہ نہ کہنا کہ اس کا بڑا مقام ہے اور اس کا چھوٹا مقام ہے۔ چھوٹی چیز کا بھی بڑا مقام ہے۔ گویا کہ فنکشن میں جو شامل ہوا اس فنکشن میں اس کا بھی مقام ہے' فنکشن جب اللہ کا گنا جائے تو چھوٹے پیر اور بڑے پیر سب برابر۔ عام طور پر مرید کہتے ہیں کہ میرا پیر ایسا ہے اور تمہارا پیر ایسا۔ یہ نہیں کہنا چاہیے۔ یہ اہم بات ہے۔

سوال:

کیا کوئی سلسلہ طریقت دوسرے سلسلے پر فوقیت رکھتا ہے؟

جواب:

جو بڑا انسان ہوگا' سچا اور سُچا انسان ہوگا' وہ سلسلے کی بجائے مسلمانوں کا خیال کرے گا بلکہ جو سلسلے میں نہیں ہیں ان کا زیادہ خیال کرے گا۔ یہ نہیں ہے کہ اپنے سلسلے کی تعریف کرے اور جو اس میں شامل نہیں ہیں ان کو کمزور سمجھے۔ وہ تو ان کے لیے دعا کرے گا۔ سلسلہ' سلسلے کے ساتھ مقابلہ نہیں کرتا۔ مثلاً اسلام کس کا کام ہے؟ ہمارا کام ہے اور وہ جو دوسرے سلسلے میں بیٹھ کر کام کر رہا ہے اس کی بڑی مہربانی۔ یہ کام کس کا ہو رہا ہے؟ یہ بھی ہمارا ہے۔ اگر آپ کا سُچا سلسلہ ہے تو دوسرا آدمی جو اسی سلسلے میں کام کر رہا ہے یعنی مسلمانوں کو اسلام کی طرف راغب کر رہا ہے تو وہ بھی بڑا کام ہے۔ وہ مولوی جو قرآن پڑھا رہا ہے وہ کام کس کا ہے؟ آپ کا کام ہے۔ جو قرآن کے وارث بنے ہوئے ہیں یہ ان کا کام ہے۔ تو وہ آپ کا کام کر رہے ہیں۔ تو جو آپ کو علم سکھا رہے ہیں' وہ کام کس کا ہے؟ آپ ہی کا ہے۔ اس لیے یہ ایسا نہیں ہوتا۔



سوال:

فیض کسے کہا جاتا ہے؟

جواب:

فیض دو چیزوں کو کہتے ہیں' ایک وہ چیز جو آپ کی ضرورت ہو اور آپ کے علم میں ہو اور دوسرا اس کو کہتے ہیں جو ضرورت تو ہو لیکن علم میں نہ ہو۔ ضرورت کسے کہتے ہیں؟ ضرورت وہ جو وجود کی نہ ہو' وہ چیز جو آپ کے اللہ کے سفر میں' آپ کی رفتار کو صحیح کرے' آپ کی استعداد کے اندر ایسی چیز کا حاصل ہو جانا جہاں وہ استعداد پہنچ سکتی ہے' علم کے بغیر یا عمل کے بغیر۔ اس لیے اس کو فیض کہتے ہیں۔ اگر وہ علم کے ساتھ یا عمل کے ساتھ یا کوشش سے حاصل ہو تو اس کو نتیجہ کہتے ہیں۔ یہ آپ کا حاصل ہے۔ اسے کیا کہتے ہیں؟ حاصل۔ فیض کیا ہے؟ کہ حاصل ہو جائے' حاصل کی تمنا کیے بغیر۔ تو اس کو فیض کہتے ہیں' ورنہ لوگ حاصل تو کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً کوئی پہاڑ پر چلا گیا' کہتا ہے کیسے گیا؟ یہاں پہلے ایک وادی میں' پھر وہ ایک منزل چلا' پھر وہ دوسری منزل چلا' چلتے چلتے قدم بہ قدم آخر پندرہ منزلیں طے کرتا ہوا پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ تو یہ کیسے ہو گیا؟ یہ حاصل کہلاتا ہے۔ اور فیض کیا ہے؟ اسے میں نے دیکھا تو یہاں تھا اور پھر دیکھا تو وہ وہاں تھا۔ یہ سوال پوچھا تھا کسی آدمی نے کسی اور آدمی سے' ہوا یہ کہ یہاں ایک درویش ہوتے تھے جس زمانے میں دریائے راوی قلعہ کے پاس بہتا تھا' جس کو آپ پرانا دریا کہتے ہیں یا بوڑھا دریا کہتے ہیں۔ ایک درویش دریا میں بیٹھ کر عبادت کرتے تھے' لاہور ہی کا واقعہ ہے' بادشاہِ وقت کو خبر ہو گئی کہ یہ بندہ بہت درویش ہے' بڑی

عبادت کرتا ہے اور اس کے پاس کوئی فیض ہے۔ اس نے کہا پتہ کریں کہ یہ فیض ہوتا کیا ہے؟ انہوں نے درویش کو پیغام بھیجا کہ جہاں پناہ آپ کو یاد فرما رہے ہیں، کبھی آپ کا سوئے قلعہ گزر ہو تو بادشاہ کی جان خوشی میں آ جائے اور آپ کو مالا مال کیا جائے گا، انعام دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا بات یہ ہے کہ میں نہیں آتا۔ دوسری بار پھر پیغام آیا کہ آپ ہم پر مہربانی فرمائیں اور ہمارے محل میں تشریف لائیں، کبھی سوئے ما تشریف لائیں۔ انہوں نے کہ ہم جاتے نہیں کسی کے ہاں۔ پھر انہوں نے کہا بادشاہ کی حالت خراب ہے، آپ کو یاد کر رہے ہیں اور آپ سے درخواست ہے کہ آپ مہربانی فرما کر ہم پر یہ احسان فرمائیں کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم بڑے بے تاب ہو تو میں ایک شرط پہ آتا ہوں، شرط یہ ہے کہ قلعے کی جو دیوار ہے اس کے اوپر سے ایک پالکی بھیجو، میں نے سیڑھیوں کے راستے سے نہیں آنا، پالکی بھیجو تو میں اس میں بیٹھ کر آپ کے پاس آؤں گا۔ تو پھر بادشاہ نے ایسے ہی کیا، پالکی نیچے کی گئی جناب اس میں تشریف رکھ کر اوپر آ گئے، بادشاہ نے کہا السلام علیکم اور پھر کہا کہ ہم نے آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے، سوال یہ ہے کہ فیض کسے کہتے ہیں اور آپ نے اللہ کو کیسے پایا؟ انہوں نے کہا اس طرح پایا جس طرح تو نے مجھے پایا ہے، تو نے اوپر سے پالکی بھیجی اور میں اوپر چلا آیا...... بات اتنی ساری ہے کہ میں سیڑھیوں کے راستے نہیں آیا ہوں، سیڑھیوں کے راستے سے جانا ایسے ہے جیسے عبادت کا راستہ ہے اور اوپر سے اگر پالکی آ جائے تو یہ فیض کا راستہ ہے۔ ان نام تھا شاہ حسینؒ اور شاہ حسینؒ تو پھر مادھو لعل حسینؒ ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ



انہوں نے کہا کہ یہ ہے طریقہ اور فیض یہی ہے۔ تو فیض پانے کے لیے بزرگوں نے ترتیب بنائی ہے۔ ایک ترتیب ہے صعودی اور دوسری ہے نزولی۔ صعودی کا مطلب یہ ہے کہ قدم بہ قدم چڑھتے جاؤ، چڑھتے جاؤ، جو نماز پڑھو گے ثواب، جو نہیں پڑھو گے تکلیف، پھر اگر قضاء کر دی ہے تو آپ کو الٹا لٹکا دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ منزل بہ منزل چلتے جاؤ، اگر وہ کہتا ہے کہ صبح کی نماز قضاء ہو گئی ہے تو اسے کہا جاتا ہے خبردار آئندہ قضا نہ کرنا، برباد ہو جاؤ گے۔ تو یہ ہے مسلسل چلتے جانا، چلتے جانا یعنی کہ نیچے سے اوپر کی طرف، اللہ کی طرف رجوع کرنا۔ اللہ کی طرف انسان کا رجوع جو ہے وہ صعودی کہلاتا ہے۔ اور اللہ کا رجوع بھی تو ہے انسان کی طرف، آپ کے ہاں اللہ کے تذکرے ہیں اور اللہ کے ہاں انسانوں کے تذکرے ہیں۔ اللہ کی آپ کوئی بھی بات دیکھیں تو انسانوں کی ہو گی۔ اللہ اگر بات کرتا ہے تو انسانوں کی ہے، سارا قرآن انسانوں کے بارے میں ہے اگرچہ اللہ کا کلام ہے۔ آپ شروع کر لو تو الٓمٓ سے والناس تک سارا ہی انسان کا ذکر ہے اور یہ سارا خدا کا کلام ہے۔ کلام سارا اللہ کا اور ذکر سارا انسانوں کا۔ کبھی آپ اس بات پہ غور کر لیں تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ اللہ کے ہاں ذکر ہی انسان کا ہے، پیغمبروں کا، ماننے والوں کا، باغیوں کا۔ تو یہ تین چیزیں ہیں، پیغمبر، ان کے ماننے والے اور ان کے باغی۔ کائنات اور انسان کے لیے کیا رکھا گیا ہے، آنے والے زمانے میں انسان کو کیا ملے گا اور انسان کہاں سے آیا، کیسے پیدا ہوا اور کہاں پہ جانا ہے، سارا قرآن ٹوٹل انسان اور ٹوٹل اللہ۔ بیان کرنے والا کون ہے؟ اللہ! تو گویا کہ اللہ کریم جب بھی بیان فرماتا ہے تو انسان کو ہی

بیان کرتا ہے اور انسان کی شرافت یہ ہے کہ وہ جب بھی بیان کرے تو اللہ کو بیان کرے' انسان جب بھی ذکر کرے اللہ کا ذکر کرے۔ تو جب اللہ انسان پر رحمت کرے فیض کرے' اس سے رابطہ کرے تو یہ نزولی نظام ہے۔ گویا کہ آپ اللہ کی طرف چلو تو یہ صعودی نظام ہے اور وہ مائل بہ کرم ہو تو یہ نزولی نظام ہے۔ اللہ کریم انسان کی طرف مائل بہ کرم ہے۔ اس نے فرمایا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے انسان کو تخلیق کیا' اس لیے کہ پہچانا جاؤں بلکہ میں نے یہ چاہا کہ تو بھی پہچانا جائے تو تجھے تخلیق کیا۔ کچھ لوگ محنت کرتے کرتے رائٹر بنتے ہیں' تحریر لکھتے ہیں' شعر بھی کہتے ہیں اور کچھ لوگوں پہ یہ پیدائشی وارد ہے۔ آپ نے کبھی دیکھا؟ کسی کا پیدائشی طور پر اچھا گلا ہے۔ کہتا ہے تو نے کون سی جگہ سے سیکھا؟ اس نے کہا نہیں پیدائشی طور پر میرا گلا اچھا ہے۔ کوئی آدمی پیدائشی طور پر تصویر بنانا جانتا ہے۔ سقراط نے کہاں پہ کون سے سکول میں تعلیم حاصل کی؟ کہتا ہے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی۔ وارث شاہؒ کہاں کے پڑھے ہوئے ہیں' پنجاب یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے ہوں گے؟ تب تو پنجاب یونیورسٹی نہیں ہوتی تھی۔ غالبؔ جو ہے کیا وہ علی گڑھ یونیورسٹی کا طالب علم تھا؟ وہ طالب علم ہی نہیں تھا۔ اس طرح انگریزی میں شیکسپیئر کو دیکھ لو۔ یہ کسی جگہ کا تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ تو یہ Nature کی یونیورسٹی ہے' قدرت کی اپنی۔ ثابت یہ ہوا کہ ہمارے دور تک بھی یہ نظر آ رہا ہے کہ کچھ لوگ جو ہیں یہ اُمّی ہیں یعنی بغیر استاد کے ہیں۔ تو اللہ جو ہے اپنی طرف سے یہ بناتا رہتا ہے' عطا کرتا رہتا ہے۔ کچھ لوگ تو اپنے آپ کو محنت سے خوب صورت بنائیں گے اور کچھ لوگ محنت کے بغیر پیدا ہی خوب صورت



ہو گئے۔ تو یہ کیا بات ہے؟ کبھی آپ نے کسی کو خوب صورت بنتے دیکھا اور کیا آپ کو اس سے محبت ہوئی؟ مدعا یہ ہے کہ وہ چہرہ ہی خوب صورت ہو گیا اور انسان کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ تو اللہ کریم کی طرف سے انسان کو جو عطا ہوتی ہے یہ سارے کا سارا فیض ہے۔ تو فیض یہ ہے کہ کچھ لوگ محنت کرتے کرتے رسائی حاصل کرتے ہیں اور کچھ لوگوں کو آسانی سے مل جاتا ہے۔

جسے چاہا در پہ بلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

یہ نہ کوئی دُور کی بات ہے اور نہ قریب کی بات ہے' بس جس کو چاہا اس پہ مہربانی کر دی' یہ جو مہربانی ہوتی ہے اس کو ہم کہتے ہیں فیض یا فضل یا احسان۔ تو فیض کیا ہوتا ہے؟ اس کی مہربانی۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک درویش کہیں جا رہا تھا' گلیوں میں سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ بچیاں تندور پر روٹیاں لگوانے جا رہی ہیں۔ تو ایک بچی دوسری بچی سے کہتی ہے کہ دیکھو تم ابھی تو گئی ہو اور ابھی روٹی لگوا کے آ گئی ہو۔ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میری روٹیاں تو جاتے ہی لگ گئی ہیں۔ اتنی سی بات اس درویش نے سنی اور کہتا ہے کہ قسمت والے ہیں جن کی جاتے ہی لگ گئی ہیں۔ اس طرح وہ درویش فیض یاب ہو گیا' کپڑے پھاڑ کر نکل گیا تو وہ قسمت والے تھے جن کی روٹیاں جاتے ہی لگ گئی ہیں۔ تو اس درویش نے کچھ اور ہی سمجھا کہ ''جاتے ہی لگ گئی ہیں'' کا کیا مطلب ہے۔ اس کا نصیب ہے کہ کون سی بات سے کون سا علم سیکھ لیا' بات کون سی ہے اور علم کون سا لے گیا۔
ایک درویش نے ایک ہندو لڑکی کو دیکھا' وہ بڑی خوب صورت سی لڑکی

تھی۔ درویش نے وہیں کھڑے کھڑے سوچا کہ یااللہ اس کو آپ نے دوزخ کے لیے پیدا کیا' ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ جنت میں جائے تو وہ لڑکی وہیں کلمہ پڑھنے لگ گئی۔ تو درویش کی آرزو پوری ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ اب اس کا نصیب دیکھو کہ کیا ہے' اس کو نصیب والے نے دیکھا اور اس کا نصیب بدل گیا۔ تو یہ فیض ہے۔ تو ایسے لوگ بھی تھے جو دیکھتے ہی کلمہ پڑھا دیا کرتے تھے۔ تو اس درویش کے سوچنے سے لوگ کلمہ پڑھتے تھے۔ تو اس لڑکی نے کلمہ پڑھ لیا۔ پھر اس پر مقدمہ چلا۔ مقدمہ کسی سکھ کی عدالت میں پیش ہوا۔ یہ پرانے زمانے کی بات ہے۔ باباجیؒ اس سکھ کے پاس گئے اور کہا کہ یہ تو ایسے ہی بدنام کرتے ہیں کہ میں کلمہ پڑھاتا پھرتا ہوں' میں نے تو کسی کو کلمہ نہیں پڑھایا' یہ جو آپ کا ریڈر بیٹھا ہوا ہے اسے کیا میں نے کلمہ پڑھایا ہے۔ تو وہ ریڈر بھی کلمہ پڑھ گیا۔ اور یہاں پر آپ مجسٹریٹ بیٹھے ہیں تو کیا آپ کو میں نے کلمہ پڑھایا ہے؟ تو وہ جج بھی کلمہ پڑھ گیا۔ پھر کہتے ہیں یہ جو سارے بیٹھے ہیں کیا انہیں ہم نے کلمہ پڑھایا ہے؟ وہ سارے کلمہ پڑھنا شروع ہوگئے۔ کہتے ہیں میں نے کسی کو کلمہ نہیں پڑھایا' بھلا میں کسی کو کلمہ پڑھا سکتا ہوں؟ تو یہ سارا فیض ہے اور کچھ لوگ ہوتے ہیں جن سے ایسا واقعہ ہو جاتا ہے۔ تو فیض کیا ہوا؟ فیض دینے والا مل جائے تو فیض ہی فیض ہے۔ تو کچھ لوگ ہوتے ہیں فیض دینے والے' ان کا نام ہے فیض رساں' نام کیا ہے؟ فیض رساں۔ وہ ہر دور میں رہتے ہیں' ہر مقام پر رہتے ہیں یا یہ کہو کہ ایک دور میں رہتے ہیں ہر دور کے لیے۔ یہ بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایک دور کا انسان ایک ہی ہوگا یا سارا دور ہی ان کا اپنا ہوگا۔ اسے کیا کہتے ہیں؟ فیض رساں۔ وہ



جدھر سے گزر گئے فیض دیتے چلے گئے۔ اس کے نام میں فیض ہے' اس کی نگاہ میں فیض ہے' اس کے ملنے میں فیض ہے' اس کی یاد میں فیض ہے' اور وہ فیض ہی فیض ہے۔ اس کا نام لینے سے فیض ہے۔ پہلے وہ اپنا نام دیتا ہے پھر ساتھ ہی فیض دے دیتا ہے۔ وہ فیض والا انسان ہی ہوتا ہے۔ اللہ کا فیض بھی انسان کے ذریعے ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی مہربان ہے' اپنا فیض بھی انسان کے ذریعے دیتا ہے' اپنا کلمہ جو ہے اس میں بھی ساتھ انسان کو ملاتا ہے' وہ انسان کے بالکل ساتھ ہی ہے' کہتا ہے تم میرے ساتھ کسی کو نہ ملاؤ مگر میں ضرور ملاؤں گا۔ کیا کہتا ہے؟ تم میرے ساتھ کسی کو نہ ملاؤ لیکن میں ضرور ملاؤں گا۔ کہتا ہے شرک نہ کرنا اور پھر یہ کہتا ہے کہ جس نے میرے حبیبؐ سے محبت نہیں کی اس نے میرے سے کیا محبت کرنی ہے۔ تو آپ نے شرک نہیں کرنا۔ شرک کا مطلب ہے کسی کی عبادت نہیں کرنی عبادت کا انداز نہیں کرنا مگر محبت میں ہر ایک کو وہ خود ہی شریک کرتا ہے۔ جن سے محبت کرتا ہے وہ اللہ کے محبوبؐ ہیں۔ تو یہ راز ہے۔ تو فیض کیا ہے؟ فیض یہ ہے کہ استحقاق کے علاوہ ملنا' حق کے علاوہ ملنا' محنت سے زیادہ ملنا' برداشت کا بڑھا دینا اور پھر برداشت کو بڑھا کر عطا کرنا' جھولی کو بھی پھیلا دینا اور اسے بھر بھی دینا۔ تو یہ اللہ کا کام ہے اور وہ دیتا رہتا ہے' دیتا ہی چلا جاتا ہے' سائل کو آداب بھی سکھاتا ہے اور پھر سوال بھی پورا کرتا ہے۔ یہ کہاں سے آتا ہے؟ ترتیب نزولی میں آتا ہے' اوپر سے آتا ہے' جس طرح اس نے کائنات چاند ستاروں سے سجا کر رکھی ہے' تو یہ فیض ہے۔ سب فیض بنا کے رکھا ہے' اور تم سے کیا کہا؟ نگاہ اٹھاؤ اور دیکھو اور آگے سارا منظر بنا ہوا ہے۔ اس کو فیض کہتے ہیں۔

اب سائنس بھی سیاروں کے پاس جارہی ہے۔تو یہ کیا ہے؟ وہ بیچاری ہے' یہ اُر کی صعودی کوشش ہے۔چاند کے پاس جائے گی' سیاروں کے پاس جائے گی او اگر آپ کی نگاہ اٹھ جائے تو آپ ایک جنبش میں ہزاروں منظر دیکھ لیں' اٹھار ہزار عالم دیکھ سکتے ہیں۔پھر یہ فیض ہے۔عطا فیض ہے اور یہ کائنات کو بدل دیۓ ہے' جہاں بدل جاتا ہے' تصور بدل جاتا ہے ۔

اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں
محو کھڑا ہوا ہوں میں حُسن کی جلوہ گاہ میں
اب نہ زمین نہ وہ زماں اب نہ مکاں نہ لامکاں
تو نے جہاں بدل دیا آ کے مری نگاہ میں

جب فیض آیا تو کیا ہو گیا؟ وہ زمین و آسمان بدل گئے۔کہتا ہے اب وہی زمین تو ہے لیکن بدل گئی' وہی رنگ ہے لیکن بدل گیا' وہی مزاج ہے لیکن بدل گیا' سارا Concept of Life بدل گیا' Pattern of Life بدل گیا' زندگی کا نظریہ بدل گیا اور زندگی کا طور بدل گیا ......... تو یہ فیض ہوتا ہے۔

سوال :

کیا صاحبِ مزار کسی کا استقبال کرنے کے لیے مزار سے باہر آسکتے ہیں؟

جواب:

اب اس سے آگے پوچھنے کی ضرورت کوئی نہیں ہے۔اگر ایسا ہوا ہے تو یہ گزرا ہوا واقعہ ہے' اس کو پی جاؤ' بھول جاؤ اور چپ ہی کر جاؤ' وہ بات پوچھنی چاہیے جس کے پوچھنے سے آپ کے عمل میں فرق پڑنے کی گنجائش ہو۔جس



بات کے پوچھنے سے عمل میں فرق نہ آئے' علم میں بھی فرق نہ آئے تو وہ نہ پوچھنا۔ایسی بات پوچھیں جس سے آپ کی زندگی میں فرق آئے۔صرف وضاحت برائے وضاحت کے لیے نہ پوچھنا۔

سوال :

کیا صاحبِ قبر کسی آنے والے کو متاثر نہیں کر سکتے؟

جواب:

مزار پر مہمان کا آنا ہی تو صاحبِ مزار کی تاثیر ہے' لوگ تو زندہ کے پاس نہیں جاتے پھر مزار پہ کون جاتا ہے۔تاثیر تو صاحبِ مزار نے پہلے بھیجی ہے اور بلایا بعد میں ہے۔کسی قبر کے پاس بغیر دعوت کے چلے جانا بڑی تاثیر کی بات ہے' لوگ یا تو جاتے ہیں منسٹر کے پاس' یا پھر وہاں جاتے ہیں جہاں کام ہو' یا دفتر میں جائیں گے ورنہ تو اپنے گھر نہیں جاتے' اور رشتہ داروں کے پاس نہیں جاتے بلکہ بعض اوقات جنازے پہ بھی نہیں جاتے کیوں کہ ٹائم نہیں ہوتا اور شادی پہ نہیں جاتے کیوں کہ وقت نہیں ہوتا۔تو نہ مرگ میں اور نہ شادی میں جاتے ہیں بلکہ اپنے گھر میں نہیں جاتے۔کہتے ہیں کہ ٹائم نہیں ہے۔ایسے ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا؟ وقت ہی نہیں ہوتا۔تو کسی مزار والے کے پاس چلے جانا جو ہے اس کو مزار کا فیض کہیں گے کہ وہ بزرگ' مزار میں ہونے کے بعد بھی زندہ انسانوں کو رجوع کراتا ہے۔تو یہ بڑی بات ہے۔پھر فیض تو فیض ہے' وہ متاثر تو کر رہا ہے' آپ کو بلا کے متاثر کرنا' یہ اس کی مرضی ہے اور بلائے بغیر متاثر کرنا یہ بھی اس کی مرضی ہے۔تو دائرہ تاثیر جو ہے وہ قلوب کے ساتھ ہے اور دائرہ تاثیر جو ہے وہ جغرافیے کے

ساتھ نہیں ہے کہ اتنے میل میں وہ تاثیر کرے گا۔ ایسا نہیں ہے۔ ایک آدمی جو اس بزرگ کا چاہنے والا یا ماننے والا ہے وہ اگر کسی دور دراز علاقے میں بھی ہوگا وہاں اس بزرگ کی تاثیر رہتی ہے اور مزار کی بھی تاثیر رہتی ہے۔ یہ صاحب مزار کی مرضی ہے۔ تو صاحب مزار جو ہے دراصل وہ انسانی دلوں میں رہتا ہے۔ تو یہ ایک راز ہے جس کا اسلام نے انکشاف کیا ہے کہ ہمارے ہاں مزار جو ہے یہ مزار Dead نہیں ہے' مردہ نہیں ہے بلکہ ہر مزار کی تاثیر الگ الگ ہے۔ اگر آپ کو پتہ نہیں ہے کہ یہاں کون ہے مگر جب اس مزار پہ آپ جاؤ گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ یہاں کسی معصوم کی قبر ہے' یہاں کسی شہید کی قبر ہے' یہاں کوئی جلالی بندہ ہے اور یہاں تو جمال ہی جمال ہے۔ تو یہ خود بخود ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد یہ آپ میں پیدا ہو جاتا ہے اور پھر آپ کو سمجھ آنا شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً پھر آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں قبر کوئی نہیں ہے لیکن یہاں قبر ہونی چاہیے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تلاش کرو' تاریخ پڑھو یا پتہ کرو...... پھر پتہ چلتا ہے کہ یہاں تو نیچے قبر ہے' پھر باقاعدہ قبر کا نشان اور تعویذ مل گیا تو یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں یہ بات ہے۔ اس لیے جو جانے والے ہیں وہ جاتے کوئی نہیں ہیں بلکہ وہیں رہتے ہیں۔ اس لیے وہ صاحبِ مزار تاثیر کرتا ہے' سب پر نہیں کرتا بلکہ یہ تاثیر والوں پر تاثیر ہوتی ہے۔ اگر نہ ہو تو زندگی میں بھی نہیں ہوتی اور یہ سب پر نہیں ہوتی۔ تو یہ لوگ مر کر بھی زندہ ہیں اور کچھ لوگ زندگی میں بھی مرے پڑے ہیں۔ تاثیر کو یوں سمجھو کہ کچھ لوگ مزار پر دلچسپی کے ساتھ' غور کے ساتھ اور عقیدت کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ادب کے ساتھ جاتے ہیں' رجوع کرتے ہیں



اور وضو ہو جاتا ہے یعنی کہ وہ ایک درویش ہے اور اس کے ساتھ عقیدت جو ہے یہ ان کا فیض ہے۔ آپ اگر کسی مزار پر جائیں تو وہاں اس مزار پر آپ کو کم و بیش اس جیسی زندگی کے ویسے آثار ملیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک درویش کی خوبی قوالی سننا تھی تو آج بھی اس کے مزار کے پاس قوالی ہوگی' یعنی کہ جو اس کی روح کی خوراک تھی وہ وہیں ہوگی۔ اگر ایک درویش قرآن شریف سنتا تھا تو آج بھی وہاں پر قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ اس درویش کی زندگی میں جو عام طور پر کیفیت تھی وہ خاص طور پر مرنے کے بعد بھی ویسی رہتی ہے۔ ایک قوالی کو ماننے والے بزرگ ہیں لیکن اب ان کے مزار پہ قوالی نہیں ہوتی' وہ قوالی کو ماننے والے ہیں اور ان کا قوالی میں ہی انتقال ہوا' یہ خواجہ بختیار کاکیؒ ہیں

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ان کا اسی مصرعہ پر انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد پھر وہاں پر قوالی نہیں ہوئی۔ تو یہ بھی ایک واقعہ ہے اور یہ بڑے واقعات ہیں۔ تو وہاں کم و بیش ویسی کیفیت قائم رہتی ہے اس لیے آپ وہاں پر جایا کریں' کچھ مانگنے کی بات نہیں ہے لیکن جایا ضرور کریں' ہر صاحب مزار کے پاس جانا بہتر ہے۔ یہ بڑی بات ہے کہ جن لوگوں نے موت کو میلہ بنا دیا وہ کوئی خاص ہی بندے ہوں گے۔ اتنا تو زندگی میلہ نہیں بنتی جتنی ان کی موت بنی ہے......

سوال :۔

علم حاصل کرنے کے شوق کا طریقہ کیا ہے؟

جواب:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام

اب یہ نہ کرنا کہ عشق کرنا شروع کر دینا۔ جب عشق عطا ہوتا ہے تو علم ہی علم بن جاتا ہے' درد عطا ہوتا ہے تو ایسا بیان ہوتا ہے کہ شاعری بن جاتی ہے' ورنہ شاعر بننے کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ جب درد عطا ہوتا ہے تو پھر وہ شعر کہنا شروع کر دیتا ہے' اس کے جو آنسو ہوتے ہیں وہ نغمات بن جاتے ہیں' کئی واقعات ہوتے ہیں' اس کے خطوط جو ہیں وہ بعد میں نادر تحریریں بن جاتی ہیں اور بڑے بڑے واقعات شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ علم ہی بنتا جا رہا ہے۔ تو علم جو ہے وہ تعلق سے بنتا ہے' علم عطا سے بنتا ہے' علم محبت سے بنتا ہے' محبت کا جب بھی بیان ہوگا وہ علم ہی ہوگا۔ علم تو عطا ہو جاتا ہے لیکن تعلیم جو ہے اس کا شارٹ کٹ کوئی نہیں ہے آپ کو اس کی Get through guide کوئی نہیں ملے گی' تعلیم میں طالب علم کو پڑھنا ہی پڑے گا۔ اگر آپ تعلیم کے زمانے میں ہیں تو آپ کو تعلیم ضرور حاصل کرنی پڑے گی اور علم کا دور آئے گا تو خود بخود ہی علم مل جائے گا۔ جس طرح کہانی کی بات ہے کہ دنیا میں کہانی کیسے پیدا ہوئی؟ تو کہانی خود بخود ہی پیدا ہوئی' کہانی کا کوئی طریقہ نہیں ہے' پہلا بچہ پیدا ہوا تو کہانی پیدا ہو گئی۔ کسی شخص نے کچھ بیان کیا اور کہانی بن گئی۔ تجربہ' کہانی بنتا ہے' واقعات علم بن جاتے ہیں اور مشاہدہ علم بن جاتا ہے۔ اصلی علم جو ہے یہ محبت ہے' یہ سفر سے بنتا ہے' تو سفر جو ہے یہ خود بخود علم بن جاتا ہے۔ آپ کہاں گئے تھے؟ کہتا ہے میں وہاں گیا تھا'



پھر سفر کا حال بیان کیا تو بولتا چلا گیا..... ایک سفر کیا اور بیس سال سے بیان کرتا جا رہا ہے۔ یہ بھی علم ہے۔ تو مشاہدہ علم بنتا ہے' سفر علم بنتا ہے' تکلیف علم بنتی ہے' محبت علم بنتا ہے اور یہ سارا علم ہی علم ہے۔ بعض اوقات کوئی آدمی پاس سے گزرے تو علم دے جاتا ہے اور جاتے جاتے کہتا ہے یہ سنبھالنا۔ پھر پتہ چلتا ہے کہ وہ علم دے گیا۔ ایسے بھی کوئی علم دیتا ہے۔ بعض اوقات کوئی ذات دور سے گزرے تب بھی علم دے جاتی ہے۔ بعض اوقات زمانے کا انقلاب آپ کو علم دے جاتا ہے' حالات زمانہ علم بنتا رہتا ہے۔ بعض اوقات علم وراثت میں آتا ہے کہ بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی' بس بیٹھے بیٹھے علم نازل ہونا شروع ہو گیا' بعد میں پتہ چلا کہ باپ بیٹے کا علم ایک جیسا ہو گیا۔ تو وہ باپ کا علم تھا جو اندر سے پھوٹ نکلا' جیسے بڑ کے درخت کی جڑ نکلتی ہے۔ تو اندر سے علم پیدا ہو گیا جو ایک ہی جیسا تھا' ایک درخت کا بیٹا بھی اسی درخت کا ہی بیٹا ہوگا یعنی آم کا بیٹا آم ہی ہوگا۔ تو یہی علم ہے' والدین کا علم' بزرگوں کا علم' ماں باپ کا علم انسان کے اندر Generate ہوتا رہتا ہے' اس کا نسخہ کوئی نہیں ہے' بہر حال یہ ہو سکتا ہے۔

سوال:

کسی اہل علم کو دیکھ کر جذبہ تو پیدا ہوتا ہے۔

جواب:

یہ جذبہ سمجھ لو یا رشک' یہ پیدا ہو جاتا ہے مگر یہ اہل علم میں نہیں ہوتا۔ کسی کو دیکھ کر علم نہیں پیدا ہونا چاہیے اور نہ ہو سکتا ہے کیوں کہ ہر ایک کے ساتھ یہ الگ ہی کہانی ہے۔ اگر آپ کسی شاعر کو دیکھ کر شاعر بننا چاہیں تو ایسا نہیں ہوگا' درویش

کودیکھ کر درویش بننا چاہیں تو ایسا نہیں ہوگا۔ تو یہ رقابت ہوتی ہے' حسد ہوتا۔ خیال آتا ہے اور بعض اوقات تمنا پیدا ہوتی ہے کہ کاش ہم بھی ایسے ہوتے۔ وہ آرزو یا تمنا درد بن جائے تو پھر بعض اوقات ایسا ہو بھی جاتا ہے۔ اگر تمنا ہو ک اللہ ہم نے بھی ایسا کیا ہوتا' اور یہ آرزو اگر دعا میں چلی گئی تو ایسا ہو جائے گا۔ پھر یہ دعا نکلتی ہے تو کام ہوا پڑا ہوتا ہے۔ وہ انسان کہتا ہے کہ ہم یہ دعا لینے تھے' واپس آئے تو ویسے بنے پڑے تھے۔ انسان دعا کی تاثیر بن کر خود ہی آ ہے۔ وہ پوچھتا ہے تم کیا مانگ رہے تھے؟ بعض اوقات اسے پتہ نہیں ہوتا میں کیا مانگ رہا تھا اور آگے سے اسے وہ چیز مل چکی ہوتی ہے۔ کچھ مقامات ا ہوتے ہیں کہ جہاں پر آرزو جو ہے یہ خود بخود حاصل بن جاتی ہے۔ اس مق اگر آرزو مل جائے تو سمجھو حاصل ہو گیا اور یہ بہت بڑا واقعہ ہوتا ہے۔

سوال :

سر! انسان کی بہت سی آرزوئیں ناتمام بھی رہ جاتی ہیں۔

جواب:

بہتر ہے کہ غلط آرزو ناتمام رہے۔ اگر آرزو ناتمام نہ ہو تو پھر پریشان ہی ہوگا کیوں کہ اس کے اندر آرزوؤں کا تضاد ہے۔ سب آرزوئیں ہونے لگ جائیں تو انسان گرفت میں آجائے بلکہ مر ہی جائے۔ اس لیے کیا کرو کہ وہ جو آرزو پوری ہونا مناسب نہیں ہے وہ آرزو اول تو پیدا ہی نہ اگر پیدا ہو جائے تو پوری نہ ہو' تو یہ بہتر ہے۔ بعض اوقات آرزو کچھ ایسی ہے جو پوری نہیں ہوتی اور پھر بھی اٹکی رہتی ہے۔ یہ پتہ ہوتا ہے کہ آرزو



نہیں ہونا ہے' پھر بھی اٹک کے رہتی ہے۔ یہ آرزو حسرت کہلاتی ہے۔ اچھا ہوتا ہے کبھی کبھی آرزو کا پورا ہونا۔ کبھی اچھا ہوتا ہے اور کبھی کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ حسرت کیا ہے؟ ایک ایسی آرزو جس کے پورے ہونے کا بظاہر یقین نہیں ہے' لیکن وہ پھانس گلے میں اٹک گئی اور اس کی طرف خیال رہتا ہے۔ تو وہ ایک Driving force ہے' حرکت دینے والی طاقت ہے' اس کے ساتھ انسان سفر کرتا رہتا ہے' پھر خیال ادھر کو لوٹ آتا ہے' پھر خیال واپس لوٹ جاتا ہے' چلتا بھی جا رہا ہے اور اس کو یاد بھی کرتا جا رہا ہے' ایسی ناتمام آرزوئیں زندگی کو حرکت دیتی ہیں' درد پیدا کرتی ہیں۔ جو آرزو حسرت ہے وہ اس کا حاصل نہیں تھا' حاصل کبھی بھی نہیں ہوا بلکہ حاصل کی تمنا ہی حسرت بن گئی' یہ بات پھر انسان کو بہت دور تک لے جاتی ہے۔ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات حسرتیں حاصل سے زیادہ قوی ہو جاتی ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہنا' یہی پیغام ہے۔ وہی پیغام جو پہلے دن ہوتا ہے وہی آخری دن ہوتا ہے۔ اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا۔ دعا کرنے کا بھی آپ کو راستہ بتایا گیا ہے لیکن مشورہ یہ ہے کہ دعا کے بغیر ہی چلنے دو' جو وہ کر رہا ہے صحیح کر رہا ہے۔ تو اس کو ہونے دو۔ آپ کو یہ بتایا گیا ہے کہ اپنے آپ کی دریافت کرو' آپ کو بتایا گیا ہے کہ آپ کے لیے کیا چیز موزوں ہے اور کیا موزوں نہیں ہے' یہ جو حالاتِ زمانہ ہیں ان میں حالات کی وقت ہے' حالات کو سازگار بناؤ' نہیں تو خود سازگار ہو جاؤ۔ اپنے آپ کو ٹھیک کرو۔ آج آپ کے پاس تو وہ چیز نہیں جو آپ چاہتے ہیں لیکن جو آپ کے پاس ہے اس کو تو ٹھیک رکھو اور اپنے آپ کو ٹھیک رکھو۔ کل کو یہ نہ ہو کہ آپ کو حاصل تو ہو جائے

لیکن آپ ختم ہوئے پڑے ہوں۔ اگر آپ کو دنیا کی تمنا ہے تو پھر درویشی نہ کرو۔ کل کو کوئی آپ کے پیچھے دنیا کا سامان لے کر پھرتا ہوگا کہ یہ آپ کی گاڑیاں آ گئی ہیں اور آپ ادھر درویش بنے کسی مزار پہ بیٹھے ہوں' اللہ' اللہ کرتے جا رہے ہوں۔ اگر اللہ' اللہ کرنا ہے تو پھر اللہ' اللہ ہی کرو۔ مقصد یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو کنفیوز نہ کرنا' جھوٹ نہ بولنا۔ اگر اللہ کی ضرورت ہے تو پھر اللہ کی طرف چل پڑو اور اگر دنیا کی ضرورت ہے تو اللہ اور دنیا دو مختلف چیزیں ہیں کیوں کہ سفر الگ الگ ہے' آپ کا سفر دنیا کا ہے' تو حاصل کرو' محنت کرو۔ یہ اس کے فضل سے ہی ہے کیوں کہ اللہ نے بنایا ہے۔ تو یہ دنیا ہے' یہاں قیام ہے' پھر یہاں سے مسافرت ہے' کفر ہے' کافر ہے' مومن ہے' تو سب کچھ الگ الگ ہے۔ یہاں اپنا خیال واضح کرو کہ آپ یہاں پر کیا چاہتے ہیں' تو اس خیال کے مطابق آپ سفر کریں ورنہ یہ نہ ہو کہ خیال کچھ اور ہو اور سفر کہیں اور ہو ۔

اس درد سے جیا بھی تو کیا خاک میں جیا
دل تھا کہیں نظر تھی کہیں میں کہیں رہا

پھر تو یہ بات نہ ہوئی۔ جہاں دل ہے وہیں نظر ہونی چاہیے۔ انسان اپنے آپ کو خود ہی پریشان کرتا ہے۔ بزرگوں کے پاس ضرور جاؤ' ان کے مزار پہ اگر جارہے ہو تو مزار پر جا کر آپ یہ نہ کہنا کہ اے صاحبِ مزار مجھے کوئی کاروبار دے دو۔ صاحبِ مزار نے اپنا کاروبار نہیں چلایا۔ وہ تو لنگر کھلا رہے ہیں' لاتا کوئی اور ہے۔ صاحبِ مزار سے تو پھر صاحبِ مزار ہی کو مانگو' صاحبِ مزار کے ساتھ دھوکہ نہ کرو' وہ ایک اور طرح کی زندگی دے رہا ہے اور آپ ایک اور زندگی مانگ



رہے ہیں۔ وہ اپنا نظام چلا رہا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ ہمارا نظام چلاؤ۔ اس لیے دھوکہ کرنا بند کر دیا جائے' صاحبِ مزار سے صاحبِ مزار کو مانگو۔ مثلاً آپ داتا صاحبؒ جاتے ہیں' وہاں داتا صاحبؒ گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ہیں' وہاں گنج بخشی بھی ہے' اب وہاں جا کے یہ نہ کہنا کہ آپ تو گنج بخش ہیں' ہمیں خزانہ دے دیں تو آپ کا کیا جاتا ہے۔ وہ گنج بخش اس خزانے کا نہیں ہے بلکہ وہ علم کا خزانہ ہے' نورانی خزانہ ہے اور فیض کا خزانہ ہے۔ یہ بڑی حماقت کی بات ہے کہ داتا صاحبؒ پر جا کے تم دنیا کے پرابلم بیان کرو۔ تو اپنے پرابلم خود حل کرو۔ اس لیے وہاں جا کے ان کے حکم کی زندگی کا تصور مانگنا جو ہے ان کی خوشی کی بات ہے۔ آپ یہ مانگیں کہ جس کام کے لیے آپ نے اپنا وطن چھوڑا' جس دین کے لیے غزنی سے لاہور تشریف لائے' اس دین کے تصور' دین کے سوز اور دین کی محبت کا ایک ذرہ ہمیں بھی عطا ہو۔ ورنہ تو آپ یہاں سے بھی دنیا ہی مانگتے جائیں گے۔ تو صاحبانِ آستانہ کو اپنی خواہشات کے لیے استعمال کرنے سے آپ نے کوئی اچھا کام نہیں کیا' اس سے بچیں۔

سوال :

جو شخص تکلیف میں ہوگا وہ تو مانگے گا۔

جواب:

آپ نے وہ چیز تو دیکھی نہیں ہے جو تکلیف آپ کو اصل میں ہے۔ یہ جو تکلیف آپ کو ہے یعنی دنیا کی تو یہ تو آپ کو ایک سرسری تکلیف ہے۔ جس وقت آپ کو اصل تکلیف آنی ہے' جب سورج سوا نیزے پہ سر پر ہوگا' حالاتِ زمانہ

کچھ اور ہوں گے اور آپ کے میزان میں کمزوری ہوگی' اس وقت جو تکلیف ہوگی اس کا تدارک آج ہی کرلو۔ اس وقت آپ کے کمائے ہوئے پیسے ترازو میں کام نہیں آئیں گے' اور وہ وقت دور بھی نہیں ہے' اگر یہ کہا جائے کہ ہم مجبور تھے' ہم کیا کرتے' تو اس وقت یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ پھر اللہ میاں فرمائیں گے جاؤ کسی انسان سے نیکی مانگ لاؤ اگر کوئی کمی بیشی ہے۔ پھر آپ بیٹے کے پاس جائیں گے اور کہیں گے تیری وجہ سے میں نے نیکی چھوڑی' آج تیرے پاس اگر کوئی ایک آدھ نیکی ہے تو آدھا حصہ مجھے دے دو۔ بیٹا کہے گا ابا حضور' آپ نے اپنا کام کیا ہم نے اپنا کام کیا' یہاں کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ہے' آپ اپنا بوجھ آپ ہی اٹھائیں۔ پھر وہ بھائی کے پاس جائے گا' دوستوں کے پاس جائے گا' جن کے لیے مزاروں پر کنڈا کھٹکھٹایا تھا' تب اپنی عاقبت نہ مانگی بلکہ اپنی اولاد کے لیے اور بہتر حالات کے لیے مانگا۔ پھر وہ واپس منہ لٹکا کے اللہ کے پاس آئے گا۔ تب اللہ میاں کہے گا کہ تم نے ان لوگوں کے لیے مجھے چھوڑا جو تمہاری مجبوریاں تھے' اگر یہ مجبوریاں تھیں تو یہاں سے تجھے کچھ نہیں ملا' اب اگر کچھ کمی و بیشی ہے تو ہم رحم والے ہیں۔ ہم ابھی معاف کر دیتے ہیں۔ تو یہ اس کی مہربانی ہوگی۔ لیکن آپ نے اپنے لیے تو کوئی کام نہ کیا۔ ان لوگوں کے لیے تم اللہ کو چھوڑ رہے ہو' ابھی کافی وقت ہے' تو اب اپنے آپ کو بھی چھوڑ دو' آپ کی عمر آدھی سے زیادہ گزر گئی ہے' اب آپ سفر کی بات سوچیں' یہاں ٹھہرنے کا مقام نہیں ہے بلکہ نکلنے کی آسانی کا سوچو۔ اب یہ نہ کہنا کہ میں کیا کروں' مجبور انسان ہوں' میں نے مکان بنانا ہے' میرے بیٹے کی شادی ہونی ہے' بیٹوں کی شادی



ہونی ہے' میرے بعد کیا ہوگا' میرے بغیر اولاد چل نہیں سکتی............ ابھی آپ مر جائیں گے تو اولاد ایسے چلے گی کہ آپ کو یاد ہی نہیں کرے گی' وہ اولاد جو آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے بغیر نہیں چل سکتی۔ آپ کے ابا زندہ نہیں ہیں اور آپ ان کے بغیر چل رہے ہیں۔ اب یہ نہ کہنا کہ ہم تو چل رہے ہیں لیکن ہماری اولاد ہمارے بغیر نہیں چلے گی۔ تو ہر آدمی کی اولاد چلتی جا رہی ہے اور ہمیشہ سے ہی چلتی جا رہی ہے۔

سوال:

پھر حقوق العباد کیا ہیں؟

جواب:

حقوق العباد تو بالکل ٹھیک ہیں مگر اب آپ اپنی بات کو جائز ثابت کرنے کے لیے حقوق العباد کا سوال کر رہے ہیں مگر اس وقت ''عباد'' کام نہیں آئیں گے۔ یعنی لوگ کام نہیں آئیں گے۔ اس لیے لوگوں کے حقوق بھی پورے کرو اور ان آستانوں پر جا کے حقوقِ آخرت کو بھی دریافت کرو' کیونکہ جب آپ وہاں ہوں گے تو لوگ کام نہیں آئیں گے' واقعہ ابھی سے شروع ہونے والا ہے اور انسان کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ میں نے جانا بھی ہے۔ اس لیے ''عباد'' کو عباد کے پاس چھوڑو اور ان بندوں کو دعا دے دو' آپ اپنی اولاد کے لیے ''صاحب مزار'' ہیں' تو آپ دعا کرو اولاد کے لیے کہ یا اللہ میری اولاد پر مہربانی کرتے رہنا۔ آپ خود اپنا سفر ٹھیک کرو' یہ نہ ہو کہ آپ ہر بار صاحب مزار کا کنڈا کھٹکھٹاؤ اور ہر بار ہی اولاد کے لیے کوئی چیز مانگو۔ تو دنیاوی چیزیں جو ہیں وہاں نہیں

ہوتیں۔ میں نے آپ کو کئی دفعہ بتایا ہے کہ بزرگوں کے پاس جا کے جب کوئی د
کی چیز مانگی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا کی چیزیں دنیا سے لو اور اُن کے پا
سے وہ چیز لو جو اُن کے پاس ہے۔

سوال:

یہ آزمایا ہوا ہے کہ صاحبِ مزار ہر چیز دیتے ہیں۔

جواب:

وہ دیتے ضرور ہیں' آپ نے لیا بھی ہے اور اب بھی لیں گے لیکن چیز لینے والی تھی وہ آپ چھوڑ آئے۔ جو چیز جب آپ کے پاس ہوتی ہے تو ا کے ہونے سے آپ کی ضرورت نظر انداز ہو جاتی ہے۔ جس کے پاس وہ چیز وہ اس طرح بے تحاشہ ضرورت کے پیچھے نہیں پڑتا۔ مثلاً آپ کو کستوری خرید کے لیے بھیجا تھا مگر آپ ہینگ خرید کے آگئے' تو آپ نے یہ اچھا نہیں کیا۔ آ نے جواز تو بہت بنایا ہوا ہے کہ یہ چیز ضروری ہے لیکن جب آپ کی آنکھ کھلے گ اُس وقت آپ کو فرق محسوس ہو گا کہ وہاں پر اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا۔ جس صاحبِ مزار سے آپ تھوڑی چیز لے کر آ رہے ہیں' اس نے آپ کو وہ کر دی اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے' مبارک ہو' لیکن جب پتہ چلے گا کہ ا صاحبِ مزار کے پاس اور بہت کچھ تھا اور آپ اُس سے لے سکتے تھے مگر آ نے نہ لیا' تو بہت بڑا افسوس ہو گا۔ تو بہت کچھ مل سکتا تھا' لیکن آپ نے نہ ل اُس وقت آپ کے لیے افسوس کا مقام ہو گا۔ اس لیے یہ دعا کرنی چاہیے کہ آ کو پتہ چل جائے کہ آپ کے لیے کیا چیز صحیح ہے۔ سلطان باہوؒ کے پاس جا کر



آپ پیسے ہی لے کر آگئے تو پھر آپ نے کیا کیا۔ یہ کوئی بات تو نہ بنی حالانکہ ملتا ہے' خزانہ لے کر آپ آگئے' بڑی اچھی بات ہے۔ ایسا آدمی کہتا ہے کہ پیر صاحب بڑے مہربان ہو گئے اور دوکان بھی چل پڑی۔ دوسرا آدمی کہتا ہے کہ پیر صاحب آئے تھے اور دکان ہی بند ہو گئی کیونکہ انہوں نے اپنا بنا کے رکھ لیا ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ اس لیے کون سی چیز اچھی ہوئی؟ دوکان چلنا اچھی بات ہے یا دوکان بند ہونا اچھی بات ہے۔ پھر سب بیلنس ختم ہو جاتا ہے بلکہ بیلنس ٹوٹ جاتے ہیں' آپ کو چاہیے کہ اب بیلنس کو توڑیں' بس کافی ہو گیا ہے ففروا الی اللہ اللہ کی طرف بھاگ جاؤ' اُس طرف نکل جاؤ۔ آپ ﷲ کی طرف رجوع کر جاؤ' وہاں خوراک اور ہوتی ہے' مضمون اور ہوتا ہے' لوگوں نے جا کر درویشوں سے دنیا ہی کو مانگا۔ مانگنے کے بھی آداب ہوتے ہیں' مثلاً یہ کہ چالیس سال عبادت کی' بیس سال بزرگ کے ساتھ سفر کیا اور پھر مانگا بھی تو تُو نے کیا مانگا۔ یہ کہ پھر وہی مٹی مانگی۔ اس لیے مانگنے کا شعور اور سلیقہ ہونا چاہیے۔ آپ جس بزرگ سے مانگ رہے ہیں یہ دیکھیں کہ اس کا شعبہ کیا ہے۔ جو عطر فروش ہے اُس سے تو عطر ہی لینا چاہیے یعنی جو شعبے کا ماہر ہے۔ روحانی لوگوں کا جو شعبہ ہے ان سے آپ نے روحانیت نہ لی تو پھر آپ نے کیا لیا' یہ نہ کہنا کہ روحانیت تو اس نے پہلے مجھے دے دی اور اب دنیا کا سوال کرنا ہے۔ جس کو روحانیت پہلے دی گئی اُس کو سوال سے بے سوال کر دیا گیا۔ پھر اُس کا سوال ختم ہو گیا' وہ سوال نہیں کرتا' مانگتا ہی نہیں ہے۔

سوال:

دنیاوی ضرورتیں انسان کو مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ مزار پر جا کر ان کا حل مانگیں۔

جواب:

آپ یہ دیکھیں کہ انسانی ضرورتیں جو ہیں' جو لوگ روحانیت کو نہیں مانتے وہ بھی پوری کر رہے ہیں۔ تو اپنی نا اہلی کو صاحبِ مزار سے دور نہ کراتا۔ مقصد یہ ہے کہ انسانی ضرورتیں تو ہر انسان پوری کر رہا ہے تو آپ بھی پوری کریں۔ انسان ہونے کی حیثیت سے انسانی ضرورتیں پوری کرتے جاؤ' اپنا کام کرتے جاؤ۔ اگر میں نے یہ کہہ دیا کہ صاحبِ مزار انسانی ضرورتیں پوری کرے گا ہی نہیں یا دینا چاہتا ہی نہیں' تو پھر بات اور مشکل ہو جائے گی۔ انسانی ضرورتیں جو ہیں وہ انسان پوری کرتا ہے' لہٰذا آپ کام کرو۔ انسانی ضرورتیں کافر پوری کر رہا ہے' مومن پوری کر رہا ہے اور سارے پوری کر رہے ہیں۔ اگر آپ کا تعلق ہے صاحبِ مزار سے تو یا تو ضرورت پوری کر لو یا جو کچھ ہے اس پر راضی ہو جاؤ۔ یہ آخری سبق ہے کہ جو پوری کر سکتے ہو کر لو اور جو نہیں کر سکتے تو وہیں پر راضی ہو جاؤ تا کہ آپ کو اگلے سبق میں آسانی ہو جائے۔ صاحبِ مزار کو ایسے کسی کام پر نہ لگانا کہ صاحبِ مزار کو تم دنیادار ہی بنا ڈالو۔ پھر وہ صاحبِ مزار تو نہ رہا۔ پھر آپ کے لیے خانقاہ اور مل برابر ہے۔ پھر تو آپ کے مطابق سب سے زیادہ مدد کرنے والا' سب سے اچھا غوث اس وقت کون ہوگا؟ امریکہ۔ وہ جس کو چاہے Aid دے دے اور چاہے تو قرضہ معاف کر دے۔ مثلاً پچیس



کروڑ ڈالر کا قرضہ معاف کر دیا اور نیا قرضہ پھر دے دیا۔ بینک والے کہتے ہیں کہ ہم غوث تو نہیں مگر چھوٹا سا نظام ہمارا بھی ہے' دو لاکھ تو ہم بھی دے سکتے ہیں۔ تو پھر فقیر کی بات کیا رہ گئی۔ پیسے کا مسئلہ تو بنکوں میں بھی ہوتا ہے' کافروں میں بھی ہوتا ہے اور ہر جگہ ہوتا ہے۔ اس لیے مزاروں پر جا کر اللہ کا راستہ مانگا کرو بلکہ اللہ سے بھی اللہ کا راستہ مانگا کرو۔ اور محبوب کسی کو مل جائے تو محبوب کہے کہ جلوہ لے لو تو یہ نہ کہنا کہ فی الحال جلوے کی ضرورت نہیں ہے' کچھ پیسے ہی دے دو۔ محبوب کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا اور کبھی نہیں ہوا۔ کیا رانجھا بھینسیں چرانے کے پیسے مانگتا تھا' کسی جگہ یہ نہیں لکھا ہوا کہ رانجھے کا سکیل کیا تھا......... تو ان کی تنخواہ نہیں ہوتی۔ آپ کہیں گے کہ وہ چوری کھاتا تھا' تو چوری کھانا نہیں ہوتا بلکہ چوری لانے والی کی بات ہے' چوری ملاقات کا بہانہ تھا' اصل مقصد محبوب کا دیدار تھا۔ اگر آپ وہاں ہوتے تو آپ نے ہیر سے کہنا تھا کہ خود تکلیف نہ کیا کریں' بس چوری بھیج دیں۔ یا کوئی اور دنیادار ہوتا تو کہتا کہ چرانے کی تنخواہ دے دیا کریں' گریڈ بڑھا دیں' Mover over ہو جائے۔ تو وہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے' رانجھا جو ہے وہ ہیر کی تمنا کا نام ہے اور تمنا کو نکال کے آپ نے اس کو گریڈ بنا لیا یا چوریاں بنا لیں تو آپ تو بڑے بے درد ہو گئے۔ اس لیے محبوبوں کے ہاں پیسے کا ذکر نہیں ہوتا۔ یہ یاد رکھنے والی بات ہے کہ مجنوں نے کتنا Invest کیا' اُس نے لیلیٰ کے خیال میں باپ کی کتنی جائیداد جلائی؟ اُسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ پیسہ کیا ہوتا ہے۔ ایک آدمی آیا اور اس نے سوہنی سے برتن لیے' وہ برتن لے جا کے توڑ دیتا اور پھر لے جاتا' پھر توڑ دیتا۔ دنیادار کے لیے تو وہ نقصان

کرتا تھا۔ مگر اس کو کوئی نقصان نہیں ہے' کوئی نفع نہیں ہے بلکہ دیدارِ محبوب کے اندر دیدار ہوتا ہے' کاروبار نہیں ہوتا' تم لوگ کیونکہ ماڈرن تہذیب کے ہو' اس لیے تم مزاروں کے ساتھ بھی کاروبار کرتے ہو۔ ابا کے ساتھ بھی کاروبار کرتے ہو' اپنے ساتھ بھی کاروبار کرتے ہو' خدا کے ساتھ بھی کاروبار کرتے ہو اور قبروں کے ساتھ بھی کاروبار کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے کاروبار سے محفوظ کرے۔ خدا کرے تمہارے ایسے کاروبار چلنے بند ہو جائیں۔ تب جا کے تمہیں سمجھ آئے گی کاروبارِ شوق ہوتا کیا ہے؟ جب شوق چل پڑے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اصل بات کیا ہے۔ پھر وہ ایسا چلے گا کہ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ حقیقت کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ بھوکے کبھی نہیں مریں گے۔ یہ جو کہتے ہیں کہ انسان بھوکا مر جائے گا اگر کاروبار بند ہو جائے گا' فاقہ ہو جائے گا۔ تو فاقہ کبھی نہیں ہوتا' وہ رازق ہے' اُسے رازق مان لو' ہر شے چل رہی ہے' سب چلتا جائے گا۔ تو اس لیے آپ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا پیغام رکھیں' محبت ہی مانگیں' بزرگوں کے ساتھ نسبت مانگیں' بزرگوں سے پیسے کا تعلق بند کریں' پھر آپ کو بڑے ہی راستے سمجھ آ جائیں گے۔ تو محبوبوں سے جلوہ مانگو اور محبوبوں کے ساتھ تقاضے مت کرو۔ پھر آپ کو ساری بات سمجھ آ جائے گی۔ لیکن یہ نہ کہنا کہ مشکل ہے' پھر کیا بنے گا' سب ٹھیک ہو جائے گا' آپ کی اولاد کا وہی کچھ بنے گا جو آپ کے باپ کے جانے کے بعد آپ کا بنا ہے' آپ اچھے جا رہے ہیں اور وہ بھی اچھے جائیں گے۔ اس سے پہلے کہ آپ کو زندگی سے نکال دیا جائے آپ تھوڑا سا نکل کر اپنے آپ کو دریافت کر لو۔ پھر آپ دیکھو کہ کیا بنتا ہے' بڑی رونق بنتی ہے۔



آخر میں دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا شوق دے اور آپ پر سے دنیا کا پریشر ہٹائے۔ اپنے حبیب پاک ﷺ کی محبت عطا فرمائے۔

آمین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

❁

# 4

1 آج کل کراچی کے حالات بہت خراب ہیں۔اس بارے میں کوئی مہربانی فرمائیں۔
2 کہنے والے کہتے ہیں کہ خون کی زکوٰۃ دینی بھی ضروری ہوتی ہے۔
3 اچھے یا برے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ہر چیز جو ہے وہ لوح محفوظ میں ہے تو پھر دعا کی کیا حیثیت ہے؟
4 یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی مرضی سے چیزیں چھوڑ دے۔
5 کہتے ہیں کہ جب تک سسٹم ٹھیک نہیں ہوتا فرد ٹھیک نہیں ہوگا۔ اس طرح ایک بے عملی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔
6 جب کوئی حکمران فرد کے طور پر اصلاح کرتا ہے تو وہ عارضی ہوتی ہے تو اصل اصلاح کیسے ہوتی ہے؟
7 کیا ممکن ہے کہ ایسا شخص آجائے جو صحیح معنوں میں امیر المؤمنین بھی ہو اور حکمران بھی ہو۔
8 اولی الامر کون ہوتا ہے؟
9 کیا غاصب کے خلاف خروج ہونا چاہیے؟
10 کسی شخص میں کیا خصوصیت ہو کہ ہم اُسے اپنا مرشد بنالیں۔
11 کیا مرشد روحانی رہنمائی کے لیے ضروری ہے؟
12 جو بزرگ دنیا میں نہیں ہیں کیا اُن سے رابطہ کیا جاسکتا ہے؟
13 اس زمانے میں ہم کیا کریں جب کہ شر کی قوت بلند ہے اور خیر کی قوت کم ہے؟

14 اللہ کی بے نیازی کی سمجھ نہیں آتی۔

15 جب فرشتوں نے اللہ سے کہا کہ انسان کو پیدا نہ کرو کیونکہ یہ خون خرابہ کرے گا تو کیا فرشتوں کو غیب کا علم تھا؟ اور یہ غیب کیا ہوتا ہے؟

16 یہ جو اولی الامر کے لیے کہتے ہیں کہ وہ لائق ہو' نیک ہو' حکومت چلانا جانتا ہو اتنی ساری خصوصیات ایک آدمی میں کیسے ہو سکتی ہیں؟

17 اگر جواب دہ صرف اللہ ہی کو ہونا ہے تو پھر جمہوریت میں لوگوں کو جواب دینا پڑتا ہے؟

18 کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ حق پر سمجھوتہ کرنے سے ہمارے اندر وہ طاقت کمزور ہوگئی ہے۔

19 جس طرح دوسرے خوف ہیں اس طرح مجھے لوگوں کی تنقید کا بڑا خوف رہتا ہے۔

20 نادان دوست اور دانا دشمن میں کیا فرق ہے؟

21 کیا امام عالی مقامؑ نے کربلا سے واپسی کی کوشش کی تھی؟ تو وہ کیا کسی مصلحت کے تحت تھی؟

22 کیا طاقت والے حکمران کو اللہ کی مرضی سمجھ کے قبول کر لینا چاہیے۔

23 جن کافروں کے اعمال اچھے ہیں کیا وہ جنت میں جائیں گے؟

سوال:

آج کل کراچی کے حالات بہت خراب ہیں۔ اس بارے میں کوئی مہربانی فرمائیں۔

جواب:

دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ حالات ٹھیک فرمائے اور ہم بلکہ سب لوگ ہر وقت دعا کرتے رہتے ہیں اور ان حالات کے باوجود اگر کچھ نہیں ہو رہا تو اسے آپ یوں سمجھیں کہ یہ اُس دعا کا ہی اعجاز ہے۔ اور اگر آپ حالات کی خرابی کو مزید سمجھنا چاہیں کہ یہ سب کیسے اور کیوں ہوا تو سمجھنے کے لیے چیدہ چیدہ باتیں یہ ہیں۔ ہنگامہ جو ہوتا ہے وہ انسان کے اپنے اندر پیدا ہوتا ہے اور اس کا اظہار بعد میں ہوتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وطن بڑی چیز ہوتا ہے۔ جن لوگوں کا انڈیا وطن تھا وہ لوگ اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آ گئے' آپ غور کریں کہ کیا ملک چھوڑنے کی وجہ Common ہے یا الگ الگ ہے۔ تو ان لوگوں نے بھارت کو چھوڑا' کیا انڈیا کو انہوں نے کسی ایک وجہ سے چھوڑا تھا یا بہت سی وجوہات تھیں۔ اگر ایک اچھا خاصا وطن ہو اور آپ اُس کو چھوڑ کر چلے آئیں تو یہ خاص بات ہے۔ آپ میں سے کچھ

لوگ ہوں گے جن کو یاد ہوگا Partition سے پہلے کا زمانہ اور پھر وہاں
Migration بھی یاد ہوگی۔ اگر کوئی وجہ اُن کے قافلوں کے ذہن میں Infuse
گئی' ڈالی گئی تو وہ اتنی Sufficient تھی' کافی تھی کہ وہ اپنے وطن کی محبت بھول
گئے اور ایک نئے اور نامعلوم وطن کی ممکن محبت دل میں لیے چل پڑے۔ یہ بڑ
عجیب بات ہے! آپ اس بات کو سمجھیں کہ اگر ایک وطن موجود ہے تو اُس ک
محبت بھی موجود ہونی چاہیے۔ تو موجود وطن کی موجود محبت ترک کر کے ناموجو
وطن کی ایک ممکن محبت کی خاطر قربانی دینے کا یہ ایک عجب واقعہ ہوا۔ کیا ایسا واقع
ہوا؟ تو کیوں ہوا؟ اس کا جواب دیں۔ کیا آپ دھوکہ کھا گئے یا Grand وجوہات
میں سے کوئی وجہ تھی' آپ یا تو کوئی بہت بڑا Epic جو ہے وہ Upright کر رہے
تھے' Epic ہی ہوتا ہے جس کی خاطر آپ چھوٹے موٹے Lyrics بھول جاتے
ہیں' کوئی بڑا شاہکار ہوتا ہے جس کی خاطر آپ چھوٹے شعر چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر
وہ Epic آپ کے ہاتھوں سے نکل گیا اور آپ نے کچھ عرصہ کے بعد اُس بات کا
اظہار کرنا بھی چھوڑ دیا' تو وہ Migrate کرنے والے قافلے Stranded ہی ہو
گئے' بکھر گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ کیا کیا ہے۔ تو اس قافلے میں ایک
طبقہ وہ ہے جسے آپ ''مہاجر'' کہتے ہیں' اور بھی بہت سارے لوگ ہیں بلکہ تقریبا
وہ سارے ہی لوگ ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے Migrate کسی Greater Cause
کے لیے کیا' بڑے مقصد کے لیے ہجرت کی انہیں وہ Greater Cause بڑ
مقصد نہیں ملا جب کہ انہیں وہ Greater Cause ملنا چاہیے تھا۔ آپ اس بارے
میں یہ کہیں گے کہ چلو Country تو بن گیا' ملک تو بن گیا مگر Country تو آپ



کے پاس تھا' ملک تو تھا۔ یہ کہیں گے کہ ان کو مکان مل گیا مگر مکان تو پہلے ہی تھا او
اس مکان کو وہ لوگ چھوڑ کر آئے تھے۔ پھر یہ کہیں گے کہ یہاں پر ان کی لوگوں
سے Association بن گئی' کئی دوست بن گئے مگر وہ تو دوست بھی چھوڑ کر آئے
تھے۔ کیا وہاں رہنا مشکل تھا؟ مشکل تو اس وقت Create کی گئی تھی کہ ہمیں وہ
ملک چھوڑنا تھا۔ کس وعدے پر وطن چھوڑا گیا اور کس امید سے آپ نے وطن
چھوڑا؟ آپ یہ کہیں گے کہ اسلام کے لیے۔ اس کا جواب کچھ لوگوں نے یہ دیا
کہ اسلام تو یہاں بھی موجود ہے' اگر مصلے کا نام اسلام ہے تو وہ مصلے آپ کے
ہاتھ میں ہیں' جہاں مرضی نماز پڑھو عبادت کرو۔ ایک آدمی روزگار کے لیے اپنا
وطن چھوڑ کر پردیس جا رہا تھا تو وہ ایک فقیر سے ملنے کے لیے گیا اس نے کہا وہاں
کے اللہ کو میرا اسلام کہنا۔ تو مرید نے کہا کہ وہاں کا اللہ کوئی اور ہے؟ کہتا ہے
اگر تجھے یہاں اللہ Sufficient نہیں ہے' کافی نہیں ہے تو وہاں کا اللہ کیا
Sufficient ہوگا۔ تو بات تو اتنی ساری ہے کہ وہاں بھی آپ مسلمان تھے اور پھر
یہاں ایک مقصد کے لیے آپ آ گئے۔ جب آپ وہ مقصد بھول گئے تو ایسٹ
پاکستان کا واقعہ ہو گیا۔ جب وجہ وحدت موجود نہ رہے تو انتشار نہ ہونا ایک معجزہ
ہے۔ اگر وحدت کی وجہ کوئی ایک Cause ہے' مقصد ہے اور اُس Cause مقصد
کے ساتھ Associate کرنے والا کوئی مرد نہ موجود ہو تو پھر Disintegration
ہو جاتی ہے' انتشار ہو جاتا ہے' تو یہ Disintegration انتشار آپ کے خیال کے
اندر موجود ہے' میں کوئی جیوگرافیکل بات نہیں کہہ رہا بلکہ آپ کوئی ایک ایسا آدمی
بتا دیں جس آدمی کو ہم سب لوگ ''پاکستانی'' کہیں اور کہہ سکیں کہ اس کے حوالے

ملک کی باگ ڈور کردی جائے۔ میرا خیال ہے کہ قائداعظمؒ کے بعد آپ لوگوں کے پاس کوئی ایسا متفقہ لیڈر Available نہیں ہوا کہ جس کے پاس آپ اپنا آپ سپرد کردیں۔ لہٰذا انتشار ہے۔ انتشار کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ جب آپ دیکھتے ہیں کہ ''اسلام'' کچھ لوگوں کے مکان بناتا ہے اور کچھ لوگوں کے مکان گراتا ہے تو مظلوم کہتا ہے کہ یہ کیسا اسلام ہے کہ تجھے راس آتا ہے اور مجھے راس نہیں آتا' جو اسلام ہم نے کتابوں میں پڑھا تھا وہ تو سب کو راس آتا تھا' یا وہ اسلام یہاں تک نہیں پہنچا یا یہ مسلمان ویسے نہیں ہیں۔ تو کوئی نہ کوئی کہیں نہ کہیں غلطی ہوگی۔ اس لیے پھر لوگ وہ سوچتے ہیں کہ اسلام کی بات بعد میں کر لیں گے پہلے ذاتی مسائل حل کرلیں۔ اور پھر آپ لوگوں نے کراچی والوں کو ایک اور تحفہ دیا کہ آپ نے Capital' دارالحکومت شفٹ کردیا' چاہے کسی بھی وجہ سے یہ واقعہ ہوگیا۔ اب اُن لوگوں نے سوچا کہ وطن بھی چھوڑا' حالات بھی خراب ہو گئے اور یہاں پر Physical حالات بھی درست نہیں۔ تو ایسے لوگ جو خیال کی اور مقصد کی گرفت میں نہ ہوں تو وہ پھر سازش کی گرفت میں آجاتے ہیں' اسے آپ Ethnic کہہ لو' نسلی کہہ لو یا Incidental کہہ لو' واقعاتی کہہ لو مگر پرابلم موجود ہے۔ کسی کو مارنا یا قتل کرنا اُس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنے باطن سے بیزار ہو جائے' تو کچھ لوگ باطن سے بیزار ہو گئے ہیں مگر سب لوگ ایسے نہیں ہیں۔ ابھی تو خیریت ہی ہے' انشاء اللہ تعالیٰ حالات بہتر ہو جائیں گے' لیکن بیزاری موجود ہے۔ بھائی' بھائی سے اُس وقت بدگمان ہوگا جب وہ اپنے آپ سے بدگمان ہو۔ ایک اور بہت ضروری وجہ جس سے آپ کو انتشار نظر آرہا ہے یہ



کہ نیشن کا Common Cause کوئی نہیں رہا' قوم میں وحدتِ مقصد نہیں ہے سوائے اِس کے کہ اپنی ذات بناؤ' اپنا مال بناؤ' اپنا حال بناؤ اور صرف اپنے آپ کو ٹھیک کرو۔ یہ نہیں ہے کہ دو آدمی مل کر کسی Cause کے لیے' مقصد کے لیے سفر کریں۔ جب Cause ختم ہو جائے تو بھائیوں کے مکانوں کے درمیان دیواریں بن جاتی ہیں۔ یا تو کوئی دشمن Strange ہو' مضبوط ہو تو پھر اتفاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر انڈیا کی طرف سے ایک زوردار آواز آجائے' خدا نہ کرے کبھی آئے' تو پھر آپ کے اندر وحدت پیدا ہو جائے گی۔ یا پھر اچانک واقعہ ہو جائے' دریا' پہاڑ یا سمندر کا' یا کوئی حادثہ' خدانخواستہ زمین کے اندر سے کوئی گزرنے والا زلزلہ آجائے تو آپ اکٹھے ہو جائیں گے۔ ایک دفعہ کراچی میں Fear' خوف پیدا ہو گیا کہ سمندر کی لہر آرہی ہے اور کراچی کو Wipe away' بہا لے جائے گی تو پھر کوئی Ethnic Riots نہیں ہوئے اور والناس اجمعین سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ تو مقصد یہ ہے کہ آپ نے وحدتِ کردار پیدا نہیں کی' یہ آپ کی غلطی ہے' آپ نے وحدتِ فکر پیدا کرنا تھی وہ پیدا نہیں کی' وحدتِ عمل پیدا کرنی تھی وہ بھی نہیں کی۔ آپ کا جو مقصد تھا وہ بھی نہ رہا' مختلف جگہ کو توڑ توڑ کے پیش کیا ورنہ تو وہ بھی ایک Cause تھا اور وہ بھی آپ نے توڑ دیا۔ ایک کلمے کی وحدت موجود تھی اور وہ بھی آپ نے کتنے ہی فرقے بنا دیے ہیں۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اسلام اتنا تھا جتنا کہ الیوم اکملت لکم دینکم والے دن تھا تو اس کے بعد کے اسلام میں جو اضافہ ہے وہ نکال دو' تو پھر یہ ہے کہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اگر اسلام کی تعریف یہ کی جائے کہ بھائی کے مسائل کو حل کرنا اسلام ہے تو پھر میرا خیال

ہے کہ ہم میں سے بہت کم لوگ مسلمان ہیں۔ بھائی سے حق لینے والا اسلام تو آپ کو سمجھ آتا ہے مگر حق دینا سمجھ نہیں آتا اور اپنا حق چھوڑ دینا تو شاید کبھی سمجھ نہ آئے۔ تو بھائی کا خیال کرنا‘ اُس کو Accommodate کرنا‘ اُس کی جہالت کے باوجود اس کا خیال کرنا اسلام ہے ورنہ یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ مسئلے کا حل یہ ہے کہ آپ یا تو کوئی ایسا لیڈر پیدا کر لیں جو سب کو قبول ہو یا کوئی ایسا Cause مقصد پیدا کر لیں کہ جس کو سب لوگ کہیں کہ اس وقت یہ اہم Cause ہے‘ ضروری مقصد ہے۔ بہت ضروری ہے۔ پھر آپ نے جس کلمہ یا اسلام کا نام لیا ہے تو اُس کو پیش کر دیں جو کہ سب کا Common اسلام ہے۔ ایک مقدس نام آپ کے پاس حضور اکرم ﷺ کا تھا اور وہ نام آپ نے بار بار استعمال کیا اور ایسا استعمال کیا کہ آپ نے اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا۔ اب ہر آدمی آپ سے یہ سوال کرتا ہے کہ یہ کیسا اسلام ہے جو تجھے راس آتا ہے اور مجھے راس کیوں نہیں آتا۔ عام آدمی کا سوال ہے کہ جو اسلام تجھے راس آتا ہے‘ آپ کو راس آتا ہے مجھے راس کیوں نہیں آتا اور وہ اسلام جو آپ کے مال میں اضافہ کرتا ہے میرے مال میں تخفیف کیوں کرتا ہے۔ حال یہ ہے کہ ہسپتال کے اندر غریب بیمار داخل نہیں ہو سکتا۔ تو یہ سارے واقعات جو ہیں اِن سے لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ سارے سارا کچھ اور ہی ہو رہا ہے! کبھی آپ جمہوریت کا نام لیتے ہیں اور کبھی مارشل لاء لگایا۔ نام چاہے بدلتا جائے مگر کام وہی رہتا ہے۔ تو کبھی مارشل لاء ہوتا ہے اور کبھی جمہوریت ہوتی ہے‘ آدمی وہی رہتے ہیں اور افراد وہی رہتے ہیں مگر نام بدل جاتا ہے۔ ایک آدمی‘ ایک گروہ اور ایک طبقہ ہر دور‘ ہر سیاست اور ہر زمانے



میں فائق رہا۔ زمانے بدلتے گئے اور وہ بندہ نہ بدلے تو Common man‘ عام آدمی یہ سوچے گا کہ آخر یہ کیا بات ہے۔ اگر ایک شاعر ہو جو خدا پر بے باک تبصرہ کرنے والا شاعر ہو اور کہتا ہو کہ دیکھ لی ہم نے تیری خدائی وغیرہ وغیرہ اور اگر وہ محفل مسالمہ میں امام عالی مقام پر سلام کہے‘ نعت خوانی کی محفل ہو تو نعت پڑھے اور اتنا ہی معتبر ہو جائے جیسے کہ خدا اور نعت کے حق میں بولنے والے ہیں تو آپ لوگ خود دیکھ لو کہ اُس قوم کی عاقبت کیا ہے اور وہ قوم کیا ہے۔ آپ پرانے بہادروں اور ہیروؤں کو ترک نہیں کر سکتے کیونکہ آپ پیدائشی Slave ‘ غلام ہیں اور آپ کو یہ سنا دیا گیا ہے‘ Slavery ‘ غلامی راس آ گئی ہے‘ آپ کو ایک ایسا آدمی چاہیے جو آپ کو ڈرا دھمکا کے رکھے چاہے وہ جمہوریت ہو یا مارشل لاء ہی ہو‘ ہر آدمی یہ دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ کوئی ایسا آدمی بھیج جو مسئلہ حل کرے اور وہ آدمی میرے علاوہ کوئی ہو‘ میں آپ سے ذاتی طور پر پوچھتا ہوں کہ آپ میں کس بات کی کمی ہے‘ یعنی مسئلے کو حل کرنے میں کیا کمی ہے۔ آپ کے ہاں یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے Orator ‘ مقرر آ کے تقریر شروع کر دیتے ہیں‘ صاحبان مہربان بڑا خطرہ ہے اور اندیشہ ہے۔ اگر آپ اندیشے کی وجہ سے عمل نہیں کر رہے تو آپ یہ وعدہ کریں کہ مریں گے نہیں۔ مرتو ویسے بھی جانا ہے تو پھر آپ سچی بات کر کے جائیں۔ تو جو کچھ موجود ہے آپ اُس میں یہ کریں کہ بیان اور عمل کا فاصلہ کم رہے بلکہ جتنا کم ہو سکے اتنا کم کر دیں اور جب تک آپ کے نافذ اداروں میں بیان اور عمل کا یہ فاصلہ ہے تب تک جھگڑے ختم نہیں ہوں گے۔ تو نافذ اداروں کو Secure کرو‘ درست کرو۔ اصل میں آپ کے ادارے ٹوٹ چکے ہیں۔ مشائخ

کا ادارہ' انا للہ و انا الیہ راجعون ہو چکا ہے جو کہ بہت بڑا ادارہ تھا بڑا طاقت ور ادارہ تھا' اور یہ لوگ باطن میں جا کر کام بنا دیتے تھے اسی طرح علماء جو ہیں علم کے نام پر ایک بہت بڑا معتبر ادارہ تھا' اور آپ کے سی۔ ایس۔ ایس کے لوگ بھی بڑے پڑھے لکھے لوگ تھے' اور اساتذہ کا ادارہ بھی بڑا ادارہ تھا۔ اب وہ سارے کے سارے مال لینے کے لیے چل پڑے ہیں۔ اب دیکھو تو کیا کیا بنتا جا رہا ہے۔ یہ قوم جو مجاہدین کی قوم تھی یہ عجیب وغریب قسم کی قوم بنتی جا رہی ہے' ایک طرف انتہا کی غریبی ہے' اور دوسری طرف انتہا کا مال ہے۔ انتہا کی غریبی کا حال یہ ہے کہ خانہ بدوش آج تک خانہ بدوش ہی ہے' تو پھر جھگڑا کیسے نہ ہو؟ پھر بھی دعا کرو کہ جھگڑا نہ ہو۔ جب ہم دعا کرتے ہیں کہ جھگڑا نہ ہو' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کی حکومت' آپ کے لیے ہمیشہ رہے۔ تو آپ دعا یہ کریں کہ جھگڑا نہ ہو' حالات درست ہوں' ملک آباد رہے' سب لوگ شاد رہیں اور آپ کی حکومت آپ کی خاطر ہمیشہ رہے اور آپ ہمیشہ ہی نافذ رہیں اور خدا آپ کو سلامت رکھے' یہ نہ کہنا کہ ہم یہیں سلامت ہیں۔ اس لیے دعا کے لیے احتیاط کے ساتھ ہاتھ اٹھانے پڑیں گے۔ آپ یہ دعا کرو کہ یارب العالمین بندے نہ مریں اور جو اصلی کام ہے وہ ہو جائے یعنی جو واقعہ بھی ہونا ہے وہ ہو جائے اور آپ کا نقصان بھی نہ ہو۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ کیا ہونا چاہیے۔ اس لیے نقصان نہ ہو بلکہ وحدتِ عمل ہو اگر وحدتِ عمل نہ ہو تو پھر انتشار ہو گا۔ یہ وحدتِ عمل Common fear یا اجتماعی خوف سے پیدا ہو سکتا ہے ورنہ تو اجتماعی لالچ جلد ختم ہو جاتی ہے۔ آپ میری بات کو سمجھے۔ آپ یہ جانتے ہیں کہ اگر چار آدمی



مل کے مال چوری کرنے جائیں تو پھر یہ دوستی تو آخر ختم ہو جائے گی۔ اس لیے یہ دعا ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے۔ یہ خطرہ ٹل جائے گا لیکن کچھ نہ کچھ تو لے کر ٹلے گا' کچھ تکلیف دے کر ٹلے گا۔

سوال:

کہنے والے کہتے ہیں کہ خون کی زکوٰۃ دینی بھی ضروری ہوتی ہے۔

جواب:

یہ جو زکوٰۃ لینے والا ہے وہ زکوٰۃ اُن سے لیتا ہے جن کے اندر خون نہیں ہے یعنی غریبوں سے۔ خون کی زکوٰۃ آپ وہاں سے لیں جہاں وافر مقدار ہے۔ زکوٰۃ مال دار کی ہونی چاہیے نہ کہ غریب کی ہونی چاہیے۔

سوال:

یہی تو مشکل ہے کہ بیچارہ غریب مرتا ہے۔

جواب:

یہ زکوٰۃ تو نہ ہوئی بلکہ یہ تو ظلم ہو گیا۔ انسانوں کی اور عوام کی جو اتنی بڑی طاقت ہے اس کو آپ نے بالکل فالتو چھوڑ دیا ہے۔ یہ بڑا Cause ہے اور آپ اس Cause کو Invent کرو اور improvise کرو' کچھ Create کرو' کوئی نیا خواب ہی دیکھ لو۔ پرانا خواب تو آج تک چلتا آ رہا ہے اور آپ اب کوئی نیا خواب دیکھ لو۔ کیا خیال ہے؟ اس وقت کوئی نیا خواب چاہیے' پرانے خواب کی تعبیر جو ہے وہ اس وقت انتشار میں آ گئی ہے۔ اُس پرانے خواب کی تعبیر وہ آدمی جان سکتا ہے جو خواب جیسا محاورہ رکھتا ہو' لہٰذا اُس کو پرانے خواب کی تعبیر

دریافت کرنے دو اور آپ کوئی نیا خواب دریافت کرو۔ ایسا خواب دیکھو کہ پھر آپ کہو' میں نے ایک خواب دیکھا اور خواب میں یہ دیکھا کہ اچانک قوم میں ایک وحدتِ عمل پیدا ہو جائے گی' وحدتِ فکر پیدا ہو جائے گی' قوم کے اندر ایک انسان پیدا ہو جائے گا''۔ تو وہ شخص آپ کے علاوہ کیوں ہو' آپ کیوں نہیں ہو سکتے' وہ بات جو آپ کے دل میں ہے اپنی زبان پر کیوں نہیں لاتے' آپ اتنی سچائی تو بیان کر دیں کہ آپ جس کو جھوٹا سمجھتے ہیں اُس کو جھوٹا کہہ دیں۔ کیا آپ جھوٹے انسان کے سامنے اُس کے منہ پر اسے جھوٹا کہہ سکتے ہیں؟ یہ نہ ہو کہ کسی اقتدار والے کے منہ پر آپ اُسے جھوٹا کہہ کر بعد میں ضمانتیں کراتے پھریں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ اُس کو اس طرح احساس دلائیں کہ آپ کو بعد میں دقت نہ ہو۔ یہ ایک حقیقی بات ہے۔ سچ بولنے والے کا ایک واقعہ سن لو۔ ایک کالج کے پرنسپل تھے دلاور حسین صاحب۔ ایک جگہ کوئی میٹنگ تھی' سٹاف کی یا سینڈیکیٹ کی۔ اُس میں کسی نے یہ کہا کہ آپ لوگ پڑھائی ٹھیک نہیں کراتے ہو تو پرنسپل صاحب نے کہا کہ ہاں جی واقعی یہ صحیح بات ہے۔ ایک اور شخص نے کہا کہ آپ کے ہاں تو پڑھائی اچھی ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں جی ایسا ہی ہے۔ تو وہ لوگ جو بھی کہیں پرنسپل صاحب کہتے تھے ہاں جی ایسے ہی ہے۔ تو وہ بولے کہ دلاور حسین صاحب کمال ہے' ہم جو کہتے ہیں آپ ہاں ہی کرتے جا رہے ہیں۔ تو وہ بولے میرا نام دلاور حسین ہے امام حسین نہیں۔ تو اب ''دلاور حسین'' سے کام نہیں بنے گا بلکہ اب تو اگلا کام ہے' اس سے اگلی بات ہے اگر آپ کرنا چاہو تو۔ خیال رکھو کہ اب کام کرنا ہے اور جس نے یہ کام کر لیا' وہی اس کا باب



کھولنے والا ہوگا۔

سوال:

یہ تو سارا کٹھ پتلیوں کا تماشا ہے اور ادھر سے ڈوریاں کھینچنے والا بیٹھا ہے۔

جواب:

ڈوریاں کھینچنے والوں کے نام پر بے شمار کٹھ پتلیاں بن گئی ہیں۔ آپ ڈوری کھینچنے والے کو چھوڑ دو' وہ حرفِ آخر ہے اور اس کا حوصلہ اتنا ہے کہ کوئی ایک دَور اگر گزر جائے تو اُس کو کوئی پرواہ نہیں' اگر سات نسلیں ضائع ہو جائیں تو اسے کوئی پرواہ نہیں ہے' وہ تو Eternal life والا ہے' دائمی زندگی والا ہے' ڈوری کھینچنے والے کا نام ہے Eternity یعنی بقائے مطلق۔ اگر پوری کی پوری نسل Wipe out ہو جائے تو اسے کوئی پرواہ نہیں۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ جب تک آپ فریاد نہ کریں گے کچھ نہیں بنے گا۔ طاقت جو ہے وہ اپنے آپ میں بڑی مست ہوتی ہے کیونکہ یہ اللہ کی طاقت ہے۔ اللہ پیدا کرنے والا ہے اور پالنے والا ہے' اُس کے ہاں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ چار کافر بڑھتے جا رہے ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ بیتاب ہوتا جا رہا ہے۔ بے شک بڑھنے دو...... اگر آدھی سے زیادہ دنیا اُسے نہ مانے تو وہ کہتا ہے کہ نہ مانو مگر کھانا تو کھاؤ۔

بندے جب اللہ تعالیٰ کی طرف تبدیل ہوتے ہیں تو پھر جس کے پاس قوت آ جائے اُس کے پاس قوتِ برداشت بھی آ جاتی ہے۔ جس کے پاس قوتِ برداشت نہیں ہے وہ جا کر قوتِ برداشت والوں سے فریاد کرے کہ ہم برباد ہو گئے' ہم لٹ گئے' یہ کیا ہو گیا' وہ کیا ہو گیا۔ یہ تو اس وقت ہوگا جب آپ اپنے شعبے

سے نکلیں گے اور ادھر جائیں گے۔ کیا کوئی ایسا آدمی ہے جس نے قوم کے غم میں استعفیٰ دیا ہو' کیا کوئی ایسا آدمی ہے جس کو قوم کے غم میں نیند نہ آئی ہو؟ قوم کے ''غم'' میں کاریں خریدنے والے تو بہت ملیں گے اور وہ قوم کے بارے میں اتنے ''فکر مند'' ہوں گے کہ ایک نیا مکان بھی بنا لیا۔ ایک طرف اندیشہ ہی اندیشہ ہے اور دوسری طرف مکان ہی مکان ہیں جو بنتے چلے جا رہے ہیں خطرہ بہت بیان کیا جا رہا ہے اور مکان بھی بنتے جا رہے ہیں۔ خطرہ کدھر ہے؟ آپ ذرا نئے پلازوں پر نظر دوڑاؤ تو پتہ چلے گا کہ خطرہ کدھر ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ آسودہ خیال قوم ہے بلکہ آسودۂ منزل قوم لگتی ہے حالانکہ یہ منزل سے آشنا ہی نہیں ہے۔ اس لیے اے مسلمانانِ پاکستان! آپ اپنے اندر سے دو دو خیال کی زندگی گزارنا چھوڑ دو بلکہ ایک خیال رکھو' Singleness of purpose بنا لو' وحدتِ مقصد بنا لو۔ اگر ایک مقصد آ گیا یعنی وحدتِ مقصد آ گیا تو آپ قوم بن جائیں گے۔ کیا آپ کو یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ بس آپ دو آدمی مل کر فیصلہ کر لیں کہ ہم مل کر رہیں گے' مل کے زندہ رہیں گے اور مل کر مریں گے' پھر تیسرے آدمی کا ہاتھ پکڑ لو' پھر ایک Queue بنا لو' ایک لائن بنا لو' پھر آپ کامیاب ہیں۔ آپس میں ایک گروہ بنا لیں اور وہ گروہ ایک آدمی کو امیر منتخب کر لے اور اس کے کہنے پہ لبیک کہنا شروع کر دے۔ پھر وہ گروہ بڑھتے بڑھتے پھیل جائے گا اور کامیاب ہو جائے گا۔ اگر چار آدمی ہوں اور پانچواں اولی الامر ہو اور نقشہ وہی اولی الامر والا ہو تو پھر آپ کے پاس دعا کا سہارا آ جائے گا۔ حکومت کو آپ اولی الامر نہ کہیں بلکہ اولی الامر شخص کی حکومت ہونی چاہیے۔ یہ آپ آج تک نہیں کر سکے۔ اب کراچی کے



لیے آپ لوگ دعا کریں' سب مسئلوں کے لیے دعا کریں' جہاں جہاں خوف چھپا ہوا ہے' جہاں پہ کوئی Lurking fear ہے' کوئی خوف ہے تو اس کے لیے دعا کرو' کوئی اندیشہ ہے تو اس کے لیے دعا کرو' کوئی خدانخواستہ ناگہانی آفت ہے تو اس کے لیے دعا کرو کہ وہ Avoid ہو جائے' دور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔

سوال:

اچھے یا برے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ہر چیز جو ہے وہ لوحِ محفوظ میں ہے تو پھر دعا کی کیا حیثیت ہے؟

جواب:

دیکھو بات اتنی سی ہے کہ جس نے یہ کہا ہے کہ ہر چیز لوحِ محفوظ میں ہے اُسی نے دعا کے لیے آپ کو دعوت دی ہے۔ اگر وہ کہتا ہے کہ دعا کرو تو دعا کرو' اور وہ یہ کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ میرے پاس ہر چیز لوح میں محفوظ ہے تو واقعی ہر چیز محفوظ ہے۔ آپ اُس کو اس بات کا Credit دے دو یعنی وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بات ہماری سمجھ میں نہ آنے کے باوجود صداقت ہے۔ پھر دعا کا مقام تقدیر کے مقرر ہونے کے باوجود کیا ہے؟ تقدیر کا مقرر ہونا اُس آدمی کو سمجھ آ سکتا ہے کہ جس آدمی نے یہ فیصلہ کر لیا ہو کہ میں آج کے بعد کوئی پروگرام نہیں بناؤں گا۔ جو شخص کل کا' ایک دن کا' چار دن کا پروگرام بناتا ہے کہ شادی فلاں کی فلاں جگہ ہو گی' وہ شادی کے کارڈ بناتا ہے اُس شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اللہ نے ہر چیز مقرر کی ہے' اللہ کی طرف سے ہر چیز کے مقرر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان کو جانتا ہوں کہ یہ کیا مانگیں گے۔ اصل میں بات یہ ہے

کہ آپ جب اللہ سے مانگیں گے تو کیا چیز مانگیں گے' جو چیز آپ کے ذہن اور شعور میں ہے آپ وہی چیز مانگیں گے اور جس چیز کا آپ کو علم یا شعور نہیں ہے وہ آپ کیسے مانگیں گے۔ تو اللہ نے اصل میں یہ کہا ہے کہ یہ میں جانتا ہوں۔ اُس نے یہ نہیں کہا کہ آپ مجھ سے تمنا کرو' تمنا ضرور کرو' مانگو ضرور۔ کہتے یہ ہیں کہ بچہ خدانخواستہ بیمار ہو جائے تو ماں خود بخود اللہ کو دریافت کر لیتی ہے کہ اللہ کہاں پر ہے' دعا کا سلیقہ ماں کو خود بخود آ جاتا ہے۔ جب تک انسان کی آنکھ میں آنسو ہے دعا کا سلیقہ خود بخود آ جائے گا۔ دعا مانگنا بہت اعلیٰ بات ہے لیکن دعا نہ مانگنا بھی ایک مقام پر صحیح ہے۔ یہ مقام کس کے لیے ہے؟ جو اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے اور یہ کہہ دے کہ میں اللہ کے حوالے ہوں۔ تو پھر دعا کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اب بات یہ ہے کہ تقدیر مقرر کہاں پر ہے؟ آپ کا نصیب اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے' آپ یہ دیکھ لیں کہ Fix چیزیں کون کون سی ہیں اور کہاں کہاں پر آپ آزاد ہیں۔ پھر آپ کو یہ چیزیں سمجھ آ ئیں گی۔ پہلی بات یہ ہے کہ پیدائش کا دن اور اُس کے لیے جو ماں باپ آپ کو ملے ہیں' یہ طے شدہ ہے۔ اگر کوئی ماں باپ کو بدلنے کی بڑی کوشش کرے تو یہ نہیں ہوگا کیونکہ ماں باپ اُس سے پہلے موجود تھے۔ تو ماں باپ' نہیں بدل سکتے اور ڈیٹ آف برتھ نہیں بدل سکتی۔ اب یہ نہ کہنا کہ نوکری میں Extension لینے والے نے اپنی ڈیٹ آف برتھ بدل کر رکھی ہے' تو کیا چیز نہیں بدل سکتی؟ پیدائش کا دن نہیں بدل سکتا اور وقت نہیں بدل سکتا' اور موت کا وقت بھی بدل نہیں سکتا۔ اس باری تعالیٰ نے زندگی اور موت کے دو پہرے باندھ کر کہا کہ اب تم آزاد ہو۔ تو آپ



آزاد ہیں۔ شکل نہیں بدل سکتی' آپ اپنی شکل سے باہر نہیں نکل سکتے' آپ کی شکل ہی آپ کی تقدیر ہے' شکل کے پیچھے ایک ارادہ ہے' آپ کی فطرت ہے' کھانے کے آداب یعنی نمکین' میٹھا' Taste ' زبان اور لہجہ' آپ کا یہ سب مقرر شدہ ہے۔ کون سے خطے میں آپ پیدا ہوں گے' آپ کا یہ وقت مقرر ہو چکا ہے۔ تو یہ سب چیزیں جو ہیں وہ مقرر ہیں اور پھر آپ آزاد کہاں پر ہیں؟ باقی سب جگہ آپ آزاد ہیں۔ صرف آنا جانا پابند ہے اور یہاں رہنا آزاد ہے۔ آپ یہاں رہ لیں' وہاں رہ لیں' ایک مکان وہاں بنا لیں' مگر آپ اپنا مکان جلدی جلدی بنا لیں کیونکہ پھر چھوڑنے کا وقت مقرر ہے۔ تو اس دنیا کو چھوڑنا مقرر ہے' اولاد مقرر ہے کہ کس کے ہاں کتنی اولاد ہوگی' بیٹا کہاں ہوگا یہ مقرر ہے' بیٹی کہاں ہوگی یہ مقرر ہے اور ان کے رشتے کہاں ہوں گے یہ مقرر ہے۔ یہ سب باتیں اُس نے طے کر رکھی ہیں۔ درمیان میں آپ انگریزی پڑھ لو یا فارسی پڑھ لو یہ آپ کی آزادی ہے۔ اس لیے پھر وہ لوگ کہتے ہیں کہ ساری ہی پابندی ہے۔ یہاں پر دعا کا مقام ہے۔ دعا اصل میں اللہ کے قرب کا نام ہے' الفاظ کے بیان کا نام نہیں ہے۔ تو دعا قرب کو محسوس کرنے کا نام ہے۔ قرب اللہ کو دریافت کرنے کا نہیں کہ آپ اللہ کے قرب کے لیے کہیں جائیں بلکہ اللہ جو ہے یہ آپ کے اپنے پاس موجود ہے۔ دل میں دعا کرنے والا' خاموشی کے ساتھ دعا کرنے والا' اللہ کو بات سناتا ہے۔ کیا اللہ خاموشی کی زبان سنتا ہے؟ ہاں وہ سنتا ہے' خاموشی کے پاس ہی اس کے کان ہوتے ہیں۔ یہی تو اللہ ہے جو آپ کی خاموش زبان کے پاس بیٹھا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں دعا کرنے والا ہے؛ وہاں

ہی دعا سننے والا ہے اور یہ ہے اس کا راز۔ دعا مانگنا اللہ کا قرب ہے' اللہ کے قرب کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں' مانگنے میں احتیاط رکھنا۔ ایک آدمی دعا مانگ رہا تھا' وہاں سے ایک بڑا نیک صورت اور نیک سیرت انسان گزرا۔ اس نے کہا کہ آپ کون ہو؟ اُس نے کہا دعا مانگ رہا ہوں۔ اور آپ کون ہیں؟ کہنے لگا بات یہ ہے کہ میرا نام جبریل ہے اور میں اپنے کسی کام کو جا رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ میرا تو مسئلہ ہی حل ہو گیا' یہ دو چار باتیں دعا کی ہیں وہ اللہ میاں سے سفارش کر دینا۔ اس نے کہا بولو کیا کیا ہیں؟ اُس شخص نے چند باتیں ہی کی تھیں تو جبریل امین علیہ السلام کہنے لگے کہ مجھے سمجھ آ گئی ہے اور میں کہہ دوں گا۔ اُس نے کہا کہ آپ نے میری بات تو پوری سنی نہیں ہے تو آپ کیا کہیں گے؟ کہنے لگا کہ میں تیری ساری بات سمجھ گیا اور میں کہہ دوں گا کہ تیرا فلاں بندہ کہہ رہا تھا کہ اپنے علاوہ باقی سب کچھ مجھے دے دے۔ بس انسان یہی کچھ مانگے گا' اور کیا مانگے گا' وہ پیسہ مانگے گا' عزت مانگے گا' مرتبہ مانگے گا' اولاد سے رعایت مانگے گا کہ اولاد ہمارے ساتھ رعایت کرے' ماں باپ بھی ہمارے ساتھ رعایت کریں اور ہم خود آزاد ہوں اور یہ کہ سماج میں عزت ہو جائے۔ تو وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں مانگے گا۔ وہ کہے گا کہ چار آدمی جو ہیں وہ مجھے سلام کریں۔ تو وہ یہ بات مانگے گا۔ اور آسودگی مانگے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد کہے گا کہ مجھے Peace of mind چاہیے' ذہنی سکون چاہیے' مگر یہ الگ کہانی ہے' Peace of mind آپ کا اپنا نام ہے' سکونِ قلب آپ کا اپنا نام ہے۔ جہاں قلب وہیں سکون۔ اصل میں آپ لوگ علم کے پیچھے لگے رہے تو سکون کا علم آپ کو معلوم نہیں ہوا۔ سکون کا مطلب



آرام۔ سکون کا لفظی معنی جو ہے وہ یہ ہے کہ آپ سکون سے ایک جگہ بیٹھ جائیں۔ تو سکون کسی مقام پر بیٹھ جانے کا نام ہے' کسی خیال میں بیٹھ جانے کا عمل ہے' آپ کی طلب کے اندر ایک اطمینان آنے کا وقت ہے۔ اگر کہیں ایسا مقام خدا کرے کہ آ جائے کہ اللہ قریب ہو یا سامنے ہو اور اللہ پوچھے کیا چاہیے تو آپ یہ کہو کہ "اب اور کچھ نہیں چاہیے"۔ پھر آپ کو سکون مل جائے گا۔ مزید تمنا کرنے سے انسان اگر تھوڑا سا پرہیز کر جائے تو یہ سکون کا آغاز ہے۔ تمنا کو سمیٹو اور اسے حاصل کے اندر رکھو' جتنا حاصل ہو گیا اُس سے تمنا کو کم کر لو' تو پھر آپ کو مبارک ہو کہ آپ امیر ہو گئے۔ اگر تمنا حاصل سے بڑھ گئی تو پھر انا للہ وانا الیہ راجعون تو پھر تو انسان بہت ہی زیادہ خطرے میں ہے۔ یعنی وہ جس کی تمنا اس کے حاصل سے تیز دوڑتی ہے۔ اور یہ واقعہ ہو رہا ہے' ہمیشہ ہی ہو رہا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ سیاست میں بھی ہو رہا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ تمنا کے پاؤں روک دیں۔ ایسا ہو سکتا ہے؟ ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ آپ کو جو حاصل ہے اس پر راضی ہو جاؤ' یعنی آپ اپنے حاصل پر راضی ہو جاؤ' جس طرح آپ اپنی نالائق اولاد پر راضی ہیں' اپنی اولاد پر سب راضی ہوتے ہیں اور اپنے ماں باپ پر سب راضی ہوتے ہیں۔ اور جیسے آپ اپنے چھوٹے سے چہرے پر راضی ہیں انسان اپنے آپ پر اس طرح بہت راضی رہتا ہے۔ تو آپ اپنے حاصل پر بھی راضی رہیں۔ یہی آپ کا اصل حاصل ہے۔ تو تمنا سے بچو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لیے وہ چیز مانگو جو اللہ کو پسند ہو اور اللہ نے اپنی پسند کی اطلاع آپ کو دے دی ہے کہ میں اور میرے فرشتے حضور پاک ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور ہم یہ کام

کرتے رہتے ہیں ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یہ کام کررہے ہیں۔ تو اللہ سے مانگنے کے لیے کیا چیز ہے؟ کہ یہ کام ہمیں بھی بتلا دے۔ باقی اگر مانگنا ہے تو وہ چیز مانگو جو چھوڑ کر نہ جانی پڑے۔ اب آپ ان چیزوں کا نام جلدی جلدی بتائیں جن کو آپ چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے۔ باقی تو صرف ان چیزوں کا استعمال رہ گیا' لہٰذا آپ وہ چیزیں استعمال کرو اور راضی رہو۔ آپ تو اپنا وجود چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اپنی شکل بھی چھوڑ کر جائیں گے۔ یہاں دنیا میں صرف چیزوں کا استعمال ہے اور چیزوں کا حاصل نہیں ہے۔ تو آپ انہیں استعمال کرو خوشی کے ساتھ اور پھر چلے جانے کا انتظام کرو۔ یہ نہیں کہتے کہ جلدی چلے جاؤ مگر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو جاتے وقت تکلیف نہ ہو۔ آپ کا حاصل اتنا ہو کہ ترک کرتے وقت تکلیف نہ ہو' زیادہ نہ پھیلو کیونکہ سمٹنا مشکل ہو جائے گا۔ کسی شخص کا حاصل دور تک پھیلا ہوا تھا اور اسے دیکھ کر وہ فقیر ہنس رہا تھا اور حاصل کرنے والا بھی ہنس رہا تھا۔ حاصل کرنے والا اس لیے ہنس رہا تھا کہ میں نے بہت حاصل کیا ہے اور فقیر اس لیے ہنس رہا تھا کہ دیکھو تیرا حاصل کو چھوڑنا کتنا مشکل ہو گیا ہے۔ سکندرِ اعظم جا رہا تھا تو ایک درویش ہنسنے لگ گیا کہ تو کدھر جا رہا ہے؟ سکندرِ اعظم نے کہا کہ میں دنیا کو فتح کرنے جا رہا ہوں تو درویش نے کہا کہ پردیس میں اپنی قبر بنانے کے لیے جا رہا ہے' اس کی قبر پردیس میں لکھی ہوئی ہے' یہ بیچارہ اپنی قبر کے لیے جا رہا ہے اور یہ وہاں جا کر بے نام ہو کر مرے گا۔ کہتا ہے کیوں اپنے آپ کو اتنی مشکل میں ڈال رہا ہے' تمہیں کہیں کوئی فتح کر لو۔ بس اتنی ساری ہیں فتوحات' اس دنیا کی



فتوحات تو یہ ہیں۔ اور اس دنیا کی عزت تو یہ ہے' آپ اگر سیاست دان ہو تو بہت اچھی طرح جانتے ہو' آپ لوگ مجھے قائداعظم کے بعد سیاست کے میدان کا کوئی آدمی ایسا بتا دو جس کو لوگوں نے زندہ باد کہنے کے بعد کچھ عرصہ بعد مردہ باد نہ کہا ہو۔ یہ مزاج ہے اس قوم کا۔ یہ نعرہ لگانے والے کچھ عرصہ کے بعد تنگ آجاتے ہیں' اس لیے یہ سارا حاصل کچھ عرصے کے بعد تنگ کرنے لگ جاتا ہے۔ اب آپ اس کا ویسے بھی تجزیہ کر لو' مثلاً جن چیزوں کو کھا کر خوشی ہوتی تھی اب ان چیزوں سے ڈاکٹر صاحب پرہیز کرنے کو کہتے ہیں حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ نمک بھی چھوڑ دو' چینی بھی چھوڑ دو 'حتیٰ کہ سب کچھ ہی چھوڑ دو۔ ہر وہ چیز جو آپ کو پسند تھی اب وہ کھانا مشکل ہو گئی ہے' آنکھوں کے اندر بڑی روشنی ہوتی تھی' اور اس وقت چہرے بڑے روشن ہوتے تھے۔ جب تک آنکھوں میں روشنی ہو' چہرے Bright ہوتے ہیں روشن ہوتے ہیں اور اگر آنکھوں کے چراغ مدہم پڑ جائیں تو کہتے ہیں کہ چہرے بھی اداس ہو جاتے ہیں کیونکہ نظر جو نہیں آتا۔ تو اپنے اندر ہی انسان کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ تو اس نے کیا مانگنا ہے۔ اصل والی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہاں پر رہنے نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ساتھ درود بھیجتا رہا ہے اور ایک وقتِ مقررہ کے بعد اپنے پیغمبرؐ سے کہا کہ اب آجاؤ' میں درود بھیجتا رہوں گا لیکن آپ آجائیں۔ سبحان اللہ! یہ محبت ہے' یہ امرِ الٰہی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ فرعون کا کیا کرنا ہے اور نیل کے معاملہ کا کیا کرنا ہے؟ تو اللہ نے فرمایا کہ اس کو فوراً Dispatch کر دو' بھیج دو۔ انہوں نے پھر پوچھا اس کے بعد کیا کرنا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر

آپ بھی آ جاؤ۔ بس یہ ساری کہانی چلی آ رہی ہے۔ دعا یہ ہے کہ آج کا دن اچھا گزرے' سوائے اس کے اور کوئی دعا کرنے والی نہیں ہے۔ کیا اچھا گزرے؟ The moment' اور The present یہ لمحہ اچھا گزرے۔ یہ کب اچھا گزر سکتا ہے؟ جب آپ مستقبل کا پروگرام چھوڑ کے اللہ کے حوالے کر دیں اور آپ فی سبیل اللہ ماضی کو تھوڑی دیر کے لیے بھول جائیں' ورنہ پرانا غم آج کا غم ہو جائے گا۔ پرانی خوشیاں بھی آج کا غم بن سکتی ہیں۔ پرانی خوشی آج کا غم کیسے بن سکتی ہے؟ غم ہوتا کیا ہے' خوشی کا رخصت ہونا۔ اور خوشی کا کام ہے آنا اور رخصت ہو جانا۔ غم آتا ہے خوشی بن کے اور خوشی جاتی ہے غم بن کر۔ بس یہ کھیل ہے قدرت کا' اس میں آپ کو کیا دقت ہے۔ لہٰذا ہر حاصل جو ہے یہ محرومی ہے' اور لازمی بات ہے۔ تو مانگنے والی دعا یہ ہے کہ یا اللہ آسانی عطا فرماوے اور ہمیں اس زندگی کی الجھنوں سے آزاد ہونے کی آسانی دے' ہمیں اولاد کی طرف سے غم کوئی نہ ہو اور ماں باپ ہم پر راضی رہیں' جن لوگوں سے ہمارے تعلقات ہیں ان لوگوں میں کچھ عزت ہونی چاہیے۔ یہ اچھی دعا ہے اپنے سماج میں تھوڑا معزز ہونا اچھی دعا ہے۔ یا اللہ یہ جو ہماری ضروریات ہیں ان کو پورا ہونے میں دقت نہیں ہونی چاہیے بلکہ آسانی ہونی چاہیے۔ اے اللہ' باقی ہم نے لینا کیا اور دینا کیا ہے' ہم خود بخود تیرے پاس آ جائیں گے' ہمیں زیادہ زور سے نہ بلا بیمار کر کے نہ بلانا' جب بلانا ہو تو ہمیں بتا دینا' ہم خود ہی آ جائیں گے۔ اس ہمیں تھوڑا سا دنیا کا میلہ دیکھنے دو۔ یہ میلہ ہی ہے اور یہ میلہ صرف انسان لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں ہے۔ زندگی یہی ہے اور یہیں ہے اور یہ انسان



زندہ ہے اور اس کے لیے کائنات کے وسیع سلسلے معرضِ وجود میں آئے ہیں' یہ بڑی بات ہے۔ سورج' چاند' ستاروں کا سفر آپ کے لیے ہے۔ اصل میں آپ ہی ہو۔ اور آپ اشیاء کے دام میں نہ آنا' یہ فریب ہے' آپ رنگ کے دام میں نہ آنا' لذتِ وجود کے دام میں نہ آنا۔ تو وجود کے تلذذ سے آپ بچ جاؤ اور مال کی گنتی بند کر دو۔ یہ دونوں کام بند کر دو یعنی مال کی گنتی بند کر دو اور لذتِ وجود بند کر دو۔ حاصل جو ہے وہ بہت نہیں کرنا بلکہ اتنا حاصل کرو جسے چھوڑنے میں آسانی ہو۔ وہ شخص سکون میں ہے جو حاصل بھی خوشی سے کرے اور وہ دے بھی خوشی سے۔ اگر اللہ کا حکم ہو کہ آ جا تو کہے آ گیا اور وہ کہے چلا جا تو چلا جائے۔ یعنی اگر وہ کہے کہ جاؤ دنیا میں تو کہو اچھا جی ہم جا رہے ہیں اور جب کہے چلو اب واپس آؤ تو کہو اچھا جی ہم آ گئے۔ یہاں پر اور کرنا کیا ہے۔ جتنی Achievement کرو چاہے قطب مینار بنا لو' تو قطب مینار بنانے کے باوجود بھی واقعہ وہی رہے گا اور آپ وہی کے وہی رہتے ہیں۔ اس لیے گھبرانے والی بات نہیں۔ دعا کا مقام بڑا اہم ہے بشرطیکہ آپ اسے سمجھو۔ آپ اللہ سے دعا مانگتے ہیں کیونکہ اللہ آپ کا معبود ہے اور اللہ سے مانگنے والی وہ چیز بہتر ہے جو اللہ کو پسند ہو اور ہماری پسند جو ہے وہ ہمیں نقصان دیتی ہے۔ بزرگ کہتے ہیں کہ آپ جنت میں چلے جاؤ' جنت کے گیٹ پر کھڑے ہو جاؤ اور جنت میں جانے والے لوگوں سے پوچھو کہ آپ یہاں کیسے آئے تو وہ کہیں گے کہ بڑی مہربانی ہو گئی اور میں یہاں اس طرح آیا کہ میری خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اور اس طرح میں جنت میں آ گیا' اگر میری خواہشات پوری ہو جاتیں تو میں نے یہاں نہیں آنا

تھا۔اور دوزخ والے کہیں گے کیوں کہ ہمارے اکثر ارادے جو تھے وہ پورے ہو گئے ان کی وجہ سے ہم دوزخ میں آ گئے ہیں۔گناہ کسی ارادے کے پورا ہونے کا نام ہے اور نیکی بعض اوقات ارادہ پورا نہ ہونے کا نام بھی ہے۔لہٰذا اپنے ارادوں سے بچو' اپنے بہت زیادہ حاصل سے بچو' خاموش ہو جاؤ اور آرام سے بیٹھ جاؤ اور اپنی خواہشات کی لوڈ شیڈنگ کر دو' Easy ہو جاؤ بلکہ بہت زیادہ Easy ہو جاؤ۔لوگوں کو عطا کیا کرو اور جس صفت پر آپ کو غرور ہے وہ صفت بانٹ دو۔جس خوبی پر غرور ہے اس خوبی کو دوسروں کے لیے باعثِ تسکین بنا دو۔لوگوں کو اپنی خوبیوں سے خوف زدہ نہ کرو' لوگوں کو ڈرایا نہ کرو' اپنے مکانوں کو اتنا سجایا نہ کرو کہ پاس سے گزرنے والا کوئی غریب چیخ پڑے۔اپنا مکان سادہ سا بنایا کرو۔اس کو ڈرایا نہ کرو جو محروم ہے' محروم کی عزت کرو' مظلوم کی عزت کرو' شاید ان کی عاقبت آپ سے بہتر ہو۔آپ کو ایک سوال بتاتا ہوں۔آپ لوگ غور کرو کہ جب آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ آپ کے دفتر کا Peon' چپڑاسی وقت کا صاحب درویش ہے تو آپ اس سے فیض کیسے لو گے؟ آپ کو تو اس سے عزت سے بات کرنے کا طریقہ نہیں آتا' سلیقہ نہیں آتا۔اور وہ آدمی جو بالکل ہی سادہ ہے' بہت کمزور ہے' اس سے فیض کیسے لو گے؟ یا آپ کا وہ رشتے دار جو اتفاق سے آپ کو پسند نہیں ہے اس کو وقت کا درویش بنا دیا جائے تو اس سے فیض کیسے لینے جاؤ گے؟ تو اس سے فیض کیسے لینے جاؤ گے جو آدمی آپ کو پسند نہیں ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنی پسند اور ناپسند کو اللہ کی پسند اور ناپسند کے تابع کر دو اور یہ کہو اگر اللہ تعالیٰ میرے دشمن کو مرتبہ دیتا ہے تو ہم اس کی عزت کریں گے' اللہ اس کافر کو مومن بناتا



ہے ہم اس کی عزت کریں گے' اگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے دفتر کے Peon کو صاحبِ وقت بنایا ہے تو ہم اس کی عزت کریں گے۔آپ تو ان کے مرتبوں کو دیکھتے ہیں۔اللہ کا شکر کرو کہ یہ زمانہ پیغمبروں کا نہیں ہے ورنہ شاید آپ ان کے ساتھ جنگ کرنے والے لوگوں کے ساتھ ہوتے اور آپ یہ کہتے کہ یہ پیغمبر کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ ان کے پاس مکان ہی نہیں ہے۔اگر آج کل کوئی صاحبِ وقت ہوں اور فقر کی زندگی گزار رہے ہوں تو آپ میں سے کتنے لوگ ہوں گے جو ان کی عزت کریں گے اور ان سے فیض لینے کے لیے جائیں گے کیوں کہ آپ کے پاس جن لوگوں کی عزت ہے ان کا کچھ اور ہی مرتبہ ہے۔گویا کہ آپ نے عزت کا معیار ہی بدل دیا ہے۔آج کون سے ایسے لوگ ہیں جو حضور پاک ﷺ کے نام پر اپنے گھر میں ویسی زندگی گزاریں' ویسی زندگی گزارنا تو مشکل ہے چلو ایسا کر لو کہ حضور پاک ﷺ نے اپنی بیٹی کو جتنا جہیز دیا تھا' اتنا جہیز دیں۔اور آپ تو باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں۔کوئی شخص آپؐ جیسی زندگی گزارے' چلو ساری زندگی نہیں تو ایک دن ہی ویسا گزار کے دکھائے.........

آپ کے معیار اور ہیں' آپ کی صداقتیں اور ہیں' آپ کے مانوس واقعات اور ہیں۔دین جو ہے وہ ایک طرف جا رہا ہے اور زندگی دوسری طرف جا رہی ہے' یہ ہے آپ لوگوں کا پرابلم......دین کے تقاضے اور ہیں' دنیا کے تقاضے اور ہیں اور آپ درمیان میں چلتے جا رہے ہیں کہ ہم لوگ کس کی لاج نبھائیں۔میرا خیال ہے کہ دنیا کو مدھم کر دو اور دین کو دل میں رکھ کر چلتے جاؤ اور دعا کرو کہ ایسا زمانہ آ جائے کہ دین آسان ہو جائے' کیوں کہ دنیا نے تو آسان کبھی نہیں

ہونا' بس دین آسان ہونا چاہیے' تو دعا کرو کہ ایسا زمانہ آ جائے' ایسا وقت آ جائے۔ دعا یہ ہے کہ ہم اس زمانے میں چلے جائیں کہ ہمارے جو حاکم ہوں ان کی زندگی ویسی ہو جائے جیسی کہ صحابہ کرامؓ کی زندگی ہوتی تھی۔ یا پھر ان کی تاریخ پڑھنا بند کر دو۔ اور پھر ہمیں کوئی اور ہی تاریخ پڑھاؤ' اور واقعات ہونے چاہئیں۔ آپ لوگ کن زندہ قوموں کی بات کر رہے ہیں' آپ تقلید مغرب کی کر رہے ہیں اور سجدہ کعبہ کو کر رہے ہیں' آپ تو بڑے ہی بھولے ہیں۔ اردو بھی بولتے ہیں' پنجابی بھی بولتے ہیں' خط و کتابت اردو میں ہے' انگریزی تمہارے تفاخر کا ذریعہ ہے' عربی تمہاری عبادت کی زبان ہے' فقر کا سارا سرمایہ فارسی میں ہے' ہمارے کئی درویش پنجابی کے اندر رہنے والے ہیں' اس لیے آپ کے ہاں بڑی بے چینی ہے۔ آپ لوگ ابھی تک اپنے آپ کو دریافت نہیں کر سکے ہو۔ اب آپ اپنے آپ کو دریافت کریں۔ کوئی کہتا ہے کہ قوم کے لیے عربی Compulsory کر دو' لازمی کر دو۔ یہ ہمارے مالک کے فیصلے ہیں اور اس کے ہاں عربی' فارسی سب برابر ہیں۔ جس ملک میں' جس زبان میں آپ پیدا ہوئے ہیں اس ملک میں' اس زبان میں آپ کے لیے عرفان کا ہونا آسان ہے۔ یہ میں اللہ کے عرفان کی بات کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر زبان جانتا ہے اور ہر ملک کا رب ہے مثلاً اگر آپ آج عربی زبان سیکھنا شروع کر دو جیسا کہ عربی سیکھنے کا حق ہے تو جب آپ عربی کے صرف لہجے تک پہنچیں گے تو زندگی کا سورج غروب ہو جائے گا۔

ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ ایک درویش کی ہمیں اطلاع ملی۔ اس کی



زیارت کے لیے گئے' صبح کی نماز کا وقت تھا اور وہ بزرگ جو Host تھے' انہوں نے جماعت کرائی۔ یہ جو Guest' مہمان درویش تھا اس نے بھی نماز پڑھی۔ اس نے دیکھا کہ اس جماعت کرانے والے کا تلفظ صحیح نہیں تھا۔ اس درویش نے نماز توڑ کر اپنی الگ پڑھ لی کیوں کہ وہ عربی ٹھیک نہیں پڑھ رہا تھا' الفاظ کی زیر زبر کا فرق آ گیا تھا۔ تو یہ درویش انہیں ملے بغیر چلے آئے۔ وہ Offended' غصے میں جو مہمان درویش تھا وہ کہتا ہے کہ میں جنگل سے گزر رہا تھا' آگے دیکھتا ہوں سامنے سے ایک شیر میری طرف آ رہا ہے' پوری' Full طاقت کے ساتھ۔ اس لیے میں بہت ڈرا۔ پھر جو میزبان بابا تھا وہ ایک چھڑی ہاتھ میں لے کر آ گیا اور شیر سے کہا تم ہمارے مہمان کو ڈراتے ہو' تمہیں شرم نہیں آتی' یہ ہمارا مہمان ہے۔ وہ شیر غرایا اور چلا گیا۔ مہمان ڈر گیا' میزبان سے کہتا ہے سرکار یہ طاقت کہاں سے حاصل کی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ تجھے طاقت سے کیا تو اپنا تلفظ درست کر اور اپنی نماز الگ پڑھا کر۔ مہمان کا نام تھا داتا گنج بخشؒ۔ آپ لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ میرے ساتھ ہوا ہے......

تو صورت اتنی ساری ہے کہ روح کا تلفظ اور ہے' آپ کے قلب کا تلفظ اور ہے۔ کیا متقی ہونے سے اللہ زیادہ خوش ہو جاتا ہے اور کیا مرصع ہونے سے اللہ زیادہ خوش ہو جاتا ہے؟ سیدھا سادا ''رب'' ہے' پنجابی زبان والا ''ربّ'' کہو یا اگر ہندی والا ''رب'' کہو' تب بھی بات آسان ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ جس طرح بھی پکارو گے' میں تمہاری بات سمجھتا ہوں۔ صرف وہی تو ہے جو سمجھتا ہے۔ اتنی عربی کافی ہے جتنا آپ پڑھتے رہتے ہو' اگر آپ اب سے حافظ بننا شروع

کر دو تو یہ کیسے ہوگا' میں آپ کو اس کی اجازت دیتا ہوں اور دعا بھی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حافظ بنا دے اور سارا قرآن آپ کو یاد ہو جائے مگر اب اس عمر میں آپ کو یاد نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی بڑی بات ہے اگر ایک آیت لے لو اور اس پر پورا عمل کر گزرو۔ تو آپ ایک آیت کے پورے حافظ بن جاؤ بلکہ محافظ بن جاؤ۔ مثلاً میں آپ کو ایک آیت بتاتا ہوں' اسے آپ یاد رکھنا' والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس و اللہ یحب المحسنین اور وہ غصہ پی جانے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ تو غصہ نہ کرو' معاف کر دو، اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ تو غصہ نہ کرو' کب غصہ نہ کرو؟ جب غصہ آئے۔ غصہ کب آتا ہے؟ جب دوسرا آپ کو Offend کرتا ہے' مشتعل کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے برے عمل سے آپ Offend نہ ہونا' مشتعل نہ ہونا' کسی کی نالائقی پر ناراض نہ ہونا' اور کسی کی زیادتی پر ناراض نہ ہونا۔ آپ یہ نسخہ گھر میں استعمال کیا کرو اور یہ بڑے کام کا نسخہ ہے' کہ دوسرے کی غلطی پر آپ ناراض نہ ہونا اور اگر ایسا ہو جائے تو معاف کر دیا کرو۔ یہ سوال صحابہ کرامؓ نے رسول پاکؐ سے پوچھا تھا کہ کسی کو کتنی بار' کتنی تعداد میں معاف کرنا چاہیے تو آپؐ نے فرمایا کہ ستر دفعہ تو اپنے غلاموں تک کو معاف کر دیا کرو اور صرف معاف کرنے تک نہیں بلکہ آگے احسان کرنا بھی ہے واللہ یحب المحسنین کہ آپ غصہ دلانے والے کے ساتھ تھوڑی رعایت کرو کیوں کہ اس کا دماغ خراب ہے اور وہ آپ کی رسائی تک نہیں پہنچا' آپ کی بلندیوں تک نہیں پہنچا' وہ پست ہے' چھوٹے ذہن کا ہے۔ ایک درویش جھاڑو



دینے والے کے پاس سے گزرا۔ اس کا کوڑا ٹوکرے میں تھا۔ تو درویش نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دیا۔ اس درویش کے مرید بڑے ناراض ہو گئے اور چیں بہ چیں ہو گئے۔ انہوں نے کہا سرکار آپ نے یہ کیا غضب فرما دیا' آپ ہمیں حکم فرماتے۔ تو انہوں نے فرمایا آپ لوگ بات سمجھے نہیں' یہ اس اللہ کی تقسیم ہے کہ اسے اس حال میں رکھا اور ہمیں اس حال میں رکھا اور اس حال میں رہنے کا شکر یہ ہے کہ میں اس حال کے ساتھ نیکی کروں...... تو آپ لوگ یہ کیا کرو کہ "اُس" حال کے ساتھ رہنے والے کے ساتھ نیکی کیا کرو' جس کا Sub-human Brain ہے' کم دماغ ہے اس کے ساتھ نیکی کیا کرو' جو بیچارہ معمولی زندگی گزار رہا ہے اس کے ساتھ نیکی کیا کرو۔ آپ کی بلندیاں آسمانوں کے کام آ رہی ہیں مگر آسمان تو آپ سے پہلے ہی بلند ہیں۔ تو آپ جس آسمان کے بھی رہنے والے ہو' جس آسمان کے بھی ستارے ہو' آپ زمین والوں کے ساتھ تھوڑی سی نیکی کر گزرو۔ نیکی یہ کیا کرو کہ "آپ کو میں نے معاف کر دیا" اور کمزور کے ساتھ آپ دستِ شفقت رکھو' برا نہ مناؤ' نااہل انسان کے ساتھ رعایت کرو اور جس کا حق نہیں بنتا اس کے ساتھ رعایت کرو۔ ایسا اسلام نافذ نہ کرو کہ میں آج اللہ کے نام پر تجھے قتل کر دوں گا۔ تُو اللہ کے نام پر اسے کیوں قتل کرے گا؟ کیا تُو اللہ کو بچا رہا ہے؟ تم اللہ کو کیا بچاؤ گے۔ آپ نے اسلام کو نہیں بچانا بلکہ اسلام نے آپ کو بچانا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ للہ جنود السموٰت والارض اللہ کہتا ہے کہ میرے پاس آسمانوں اور زمینوں کے لشکر ہیں۔ اللہ کہتا ہے میں وہ اللہ ہوں کہ میرے پاس بہت کچھ ہے اور تم کیا جانو کہ

میرے پاس کیا ہے۔ تو آپ ناراض نہ ہوا کرو، Offend ، مشتعل نہ ہوا کرو۔ یہاں آ کر فقراء نے یہ بات کہی ہے کہ آپ مسجد کو مندر کو بے شک گرا دو لیکن انسان کے دل کی حفاظت کرو، شکستہ دل جو ہے یہ اللّٰہ کے قریب ہوتا ہے۔ یقیناً قریب ہوتا ہوگا۔ اس لیے شکستہ دل سے بچو بلکہ انسان کی آہ سے بچو اور آپ دوسروں کی اصلاح کرنے سے بچو۔ اگر اصلاح کرنے کا آپ کے اندر جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر اپنی اصلاح کر لو۔ اگر نقائص دیکھنے ہوں تو اپنے آپ میں دیکھو اور جب کبھی خوبی کی تمنا ہو تو دوسروں میں دیکھو۔ مگر آپ Otherwise ، الٹ ہو کہ خوبی اپنے اندر دیکھتے ہو اور خامی دوسروں کے اندر دیکھتے ہو۔ آپ ٹھیک ہو جاؤ تو آسانی پیدا ہو جائے گی اور اس طرح نیکی پیدا ہو جائے گی۔

سوال:

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی مرضی سے چیزیں چھوڑ دے۔

جواب:

اس کا ایک نسخہ ہے اور وہ نسخہ یہ ہے کہ آپ کو حاصل کرنے کی تمنا اور ایثار کا جذبہ دونوں سمجھ آنے چاہییں اور ان دونوں کے درمیان ایک شے ہوتی ہے، اگر وہ موجود ہو تب انسان اپنی تمنا کو Handover کر سکتا ہے، تمنا سے دست بردار ہو سکتا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی سے محبت ہونی چاہیے۔ آپ کوئی چیز اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک اسے لینے والا آپ کا محبوب نہ ہو کیوں کہ آپ کے ہاں صرف خیال کے اور خالی جذبے رہ گئے ہیں اور انسان کی



صورت میں محبوب نہیں رہ گئے، تو یہاں سے آپ گمراہ ہو گئے ہیں۔ بلکہ آپ کے ہاں تو Ideology محبوب ہو گئی ہے، نظریہ محبوب ہو گیا ہے۔ اصل میں محبوب کوئی ایک انسان ہونا چاہیے۔ جب تک انسان محبوب نہ ہو گا تو نظریے محبوب نہیں ہوا کرتے اور وطن محبوب نہیں ہوا کرتے۔ وطن اس وقت محبوب ہوتا ہے جب محبوب کا وطن ہو۔ آپ کو بات سمجھ نہیں آئی؟ بات آسان ہے، وطن میں جب تک کوئی محبوب نہ ہو وہ وطن محبوب نہیں ہو سکتا۔ تمنا کو روکنے کا خیال اس وقت آئے گا جب آپ کا کوئی ہم سفر آپ کا محبوب ہو اور وہ آپ کو اس راستے سے باز کرے۔ یہ Exercise بات خود بخود نہیں ہوتی۔ انسان حاصل کب کرتا ہے؟ اس کا ذہن جو ہے وہ حاصل کرتا رہتا ہے لوگوں کو Dominate کرنے کے لیے۔ اور Sacrifice ، ایثار کب کرتا ہے؟ دلوں کو جیتنے کے لیے Dominate کرنا اور طرح کا جذبہ ہے اور دل کو جیتنا اور چیز ہے۔ دل جیتنا ہو دلبر کا تو پھر بات سمجھ آئے گی۔ آپ کے دل میں اس لیے پھیلاؤ نہیں ہے۔ کسی سے پوچھا گیا کہ وہ تصویر جو یہاں رکھی تھی کہاں چلی گئی تو کہتا ہے کوئی لے گیا۔ اس نے پوچھا کہ ہم نے وہ مانگی تھی لیکن آپ نے نہیں دی تھی لیکن وہ کیسے لے گیا؟ وہ ہمارا دلبر تھا جو لے گیا۔ تو انسان اپنا ہر شوق جو ہے وہ محبوب پر نثار کر دیتا ہے۔ تو راز یہ ہے کہ اگر کوئی محبوب جذبہ آ جائے یا محبوب واقعہ آ جائے تو پھر آپ ہر تمنا سے بچ جاؤ گے۔ مثلاً آپ نے دریا کے پار جانا ہے تو وہ پوچھے گا وہاں کون ہے؟ آپ کہیں گے ''یار کی گلی''، یعنی دوست کا مقام۔ جب تک پار جانے کا کوئی بلند جذبہ نہ ہو تب تک آپ سامان کے ساتھ بیٹھے رہو گے۔ اور سامان کب چھوڑو

گے؟ جب ادھر سے کوئی Sweet' میٹھی آواز آئے گی۔ ابھی تک آپ کو وہ آواز نہیں آئی۔ اور اگر آپ کو محبوب پکارے تو یہ سارا واقعہ ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ کسی نہ کسی ذات سے محبت قائم کرلو تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ جن چیزوں کو ایک وقت میں حاصل کیا ہے اگر ان سے سکون نہیں ہو رہا تو دوسرے وقت میں ان کو دینا شروع کر دو' پھر بہت سکون ہو جائے گا۔

سوال:

قصور تو محبوب کا ہے جو آواز نہیں دیتا۔

جواب:

آج کل جو محبّ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم عاشق لوگ ہیں' چاہنے والے لوگ ہیں' ذرا عمر زیادہ ہو گئی ہے' خود ہی کوئی تکلیف فرمائے اور کہیں سے کوئی محبوب آ جائے۔ یہ ایسے نہیں ہوتا۔ محبوب جو ہے یہ آپ ہی کے شوق کا نام ہے۔ محبوب اور عشق کی بات سمجھنا بڑی آسان ہے' آپ جس شخص کے قریب رہنا چاہو وہی آپ کا محبوب ہے۔ محبوب کسی نمائش کا نام نہیں ہے۔ جس کا آپ قرب چاہتے ہو' وہی محبوب ہے اور جو قرب چاہنے والا ہے وہ طالب ہے' اور یہ جو عشق ہے یہ آپ کا اپنا ہی شوق ہے کہ کس شدت سے آپ محبوب کے قریب رہنا چاہتے ہو۔ وہ محبوب کیوں کہلاتا ہے اور خوب صورت کیوں کہلاتا ہے؟ یہ سب آپ کا حُسنِ خیال ہے اور حُسنِ نظر ہے۔ تو جس چیز کو آپ حسن نگاہ سے دیکھو گے وہی خوب صورت ہو جائے گی ورنہ چیزیں خوب صورت نہیں ہوتیں اور افراد بھی خوب صورت نہیں ہوتے۔ یہ کوئی دنیا کا Contest' مقابلہ نہیں ہے کہ جس کو



آپ چاہتے ہو ساری دنیا اسے چاہے۔ لہٰذا آپ اپنے حسنِ خیال کا خیال رکھو' اپنے حسن نگاہ کا خیال رکھو' اپنی ذات کا خیال رکھو' اپنے انگ انگ کا خیال رکھو۔ آپ دل کے کعبے سے آرزوؤں کے بت باہر نکال دو اور یہاں پر توحید رکھ لو۔ صرف دل میں آپ توحید رکھ لو اور باقی آپ چلتے جاؤ۔ چیزوں کی طرف آپ دیکھو کہ اُن کی افادیت کب تک ہے۔ کبھی آپ نے دیکھا ہی نہیں۔ آپ غور کرو ناں۔ کبھی کبھی آپ اپنے گھر کے پاس سے گزر جایا کرو' پھر سمجھ آئے گا کہ یہاں رہنا کیسے ہے اور یہاں سے نکلنا کیسے ہے' اس گھر کے اندر کیا ہے' ہم کیا ہیں' مکان کیا ہے' یہ زندگی کیا ہے' اور کب تک کیا ہے' اور کب تک کون ہے' اور کون کے بعد کیا ہے؟ کیا مجھ سے پہلے کچھ لوگوں نے اس زندگی کو اپنا نہیں سمجھا؟ مجھ سے پہلے لوگ جو بڑے طاقت ور تھے کیا وہ چلے نہیں گئے؟ میں موت کی بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ کے ہاتھ سے چیز چھوٹ جاتی ہے کیونکہ آپ کی گرفت کمزور ہو جاتی ہے۔ کیا آپ نے پرانے کھلونے ترک نہیں کیے؟ کیا آپ نے پرانے دوست چھوڑے نہیں ہیں؟ جن کے لیے آپ بے تاب ہوتے تھے' راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر روتے تھے اب آپ کو ان کے نام بھی یاد نہیں ہیں۔ وہ رونا بھی بیکار نکلا۔ یوں آپ ایک ایک کر کے نام بھولتے جا رہے ہو' اپنے کام بھولتے جا رہے ہو' ماضی بھولتے جا رہے ہو' اور آپ سمجھ لو کہ آج کی یہ بات آخری بات ہے۔ یہ بات آپ نہیں چھوڑتے اور پچھلی چیزیں چھوڑتے جا رہے ہو۔ تو یہ بھی چھوڑ دو۔ لہٰذا آپ اُس جگہ کا خیال رکھو جہاں جانا ہے' پھر آپ کو بہت آسانی ہو جائے گی' اس بات کا خیال رکھا کرو۔ آپ کا مسئلہ خیرات

سے اور ایثار سے حل ہو جائے گا۔

سوال:

کہتے ہیں جب تک سسٹم ٹھیک نہیں ہوتا فرد ٹھیک نہیں ہو گا۔ اس طرح ایک بے عملی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

جواب:

آپ کے سوال میں ذرا کنفیوژن ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ سب ٹھیک ہونا ہی ہے تو پھر مجھے ٹھیک ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ سوال کا یہ حصہ ٹھیک ہے کہ اپنی اصلاح کے لیے کیا پہلے معاشرے کی اصلاح ہونی چاہیے یا فرد کی اصلاح پہلے ہونی چاہیے۔ اگر آپ اس کو دین کے حوالے سے دیکھیں تو جوابدہی جو ہے یہ فرد کی ہے' معاشرے کی نہیں ہے۔ ایک جوابدہی خدا والی ہے اور دوسری جوابدہی کا نام ہے آپ کا ذاتی سکون۔ تو سکون جو ہے یہ فرد کا نام ہے۔ آپ اس کو اس طرح سمجھو کہ فرد نے جب اپنا آپ چھوڑ دیا تو وہ رزلٹ پیدا ہوا جس کا آپ گلہ کر رہے ہیں' معاشرے کو اس حالت میں جس نے پہنچایا ہے وہ فرد ہی نے پہنچایا ہے کہ فرد اپنے آپ کو بھول گیا۔ اُس معاشرے کی اصلاح کون کرے گا؟ فرد ہی کرے گا یا پھر افراد کریں گے۔ معاشرے کی اصلاح ہونا بہت ہی آسان ہے' مثلاً آپ دو آدمی مل کر فیصلہ کر لو کہ معاشرے کی اصلاح کرنی ہے اور دونوں میں سے جو بہتر ہو' وہ آگے چلے اور دوسرا اُس کی اطاعت کرے۔ تو گروپ بن جائے گا۔ اس کے بعد اصلاح ہو جائے گی۔ سیاست کے اندر الیکشن کا جو طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ ووٹ لینے کے



لیے جاتے ہیں تو پھر آپ اپنے مقصد کو بھول جاتے ہیں اور پھر ووٹ ہی آپ کا مقصد بن جاتا ہے۔ سیاست میں آج تک کوئی آدمی ایسا نہیں آیا جو یہ کہے کہ یہ ہمارا مقصد ہے اور جو لوگ ہمارے اس مقصد میں تعاون نہیں کرنا چاہتے وہ ہمیں ووٹ نہ دیں۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تمہاری مدد کریں گے' ہمیں ووٹ دو۔ تو اس میں اصلاح کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ فرد کی اصلاح اول ہے' آخر ہے اور بے شک معاشرے کو ٹھیک کر لو۔ اصل دعا یہ ہو کہ یا اللہ کسی طریقے سے اُس آدمی کو حکومت میں Smuggle in کر دے جو اصلاح کر سکتا ہو یا اُسے Superimpose کر جو ہماری اصلاح کر سکتا ہو یا اِن موجود لوگوں میں سے کسی کو Transform کر' یا وہ آدمی کسی طریقے سے Through ہو جائے' وہ کوئی آدمی ہو' دردِ دل والا ہو۔ جس میں یہ درد ہو وہ چلتا چلتا وہاں پہنچ جائے اور وہاں جا کر سب کو برابر کر دے۔ یا پھر اللہ کے پاس ایک مشینری ہوتی ہے جسے وہ Superimpose کر دیا کرتا ہے' نافذ کر دیا کرتا ہے۔ تو اللہ یہ بھی کر سکتا ہے۔ یا پھر یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے کسی کو Transform کر دے' اچانک انقلاب پیدا کر دے ......... تو افراد کی باطنی زندگی کے لیے معاشرے کی اصلاح ضروری ہے لیکن آپ یہ نہ کہنا کہ اگر معاشرہ ٹھیک نہ ہو تو ہم نے ٹھیک ہو کر کیا کرنا ہے۔ یہ اول مقام ہے کہ معاشرے کی اصلاح کرو' لوگوں کی اصلاح کرو' ان میں آپ کو راستہ ملتا ہے تو جا کے ان کی اصلاح کرو' اوپر سے آ سکتے ہو تو اصلاح کرو' Transform کر سکتے ہو تو پھر بھی اصلاح کرو' قلم کے ذریعے' واقعات کے ذریعے' بیان کے ذریعے اور دعا کے ذریعے سے اصلاح کرو۔ اگر ان کی اصلاح

نہ ہو سکے تو پھر آپ اپنی نجات کر لینا' یہ ضروری ہے اور یہ نہ کہنا کہ سماج ہی ایسا تھا۔ آپ ضرور خود جوابدہ ہو' اپنی جوابدہی کا خیال رکھنا۔ معاشرے کی غلطی جو ہے وہ آپ کو آپ کی جوابدہی سے نہیں بچا سکتی۔ اس دور میں بھی ایسے لوگ ملیں گے جو آسودہ حال ہیں اور سکون میں ہیں اور اپنے مالک کے لیے آج بھی اچھا جواب رکھتے ہیں۔ آج بھی آپ اپنے آپ کو اصلاح میں رکھو اور کوشش کرو' ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ تو دعا کرو' محنت کرو اور میں آپ کو خبر بھی دے رہا ہوں کہ یہ واقعہ ٹھیک ہو جائے گا اور یہ واقعہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ ایسے نہیں ہو گیا بلکہ ہزاروں لاکھوں لوگ دعا کرتے کرتے چلے گئے' اور اب قبولیت کا وقت آیا ہے۔ یہ کسی نئی دعا کی بات نہیں ہے' آپ خود پرانی دعا کی تاثیر ہو۔ تو یہ آج کی دعا نہیں ہے' بہت پہلے اس واقعہ کی دعا ہو چکی ہے کہ یا اللہ رحم فرما۔ چودہ سو سال جسے کہتے ہیں ایک چیز دیکھنے کا سب کو انتظار تھا اور ہمیں بھی تھا کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کا نفاذ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے تمام انسانوں یا Majority اکثریت پر ہم نے نافذ ہوتے نہیں دیکھا' ہم نے مسلمانوں کو غالب ہوتے ہوئے نہیں دیکھا' ہم نے اسلام میں ساری دنیا کو ڈھلتے ہوئے نہیں دیکھا' اللہ تعالیٰ کی دنیا میں اللہ تعالیٰ کا سارا حکم نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ تو سب کا رب ہے' پال رہا ہے لیکن معبود بھی ہے۔ اُس کے نام پر ساری کائنات سجدہ کرتی ہے یسبح للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض ۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے' لیکن پھر یہ سمجھ نہیں آتی کہ کافر کیا ہے؟ اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ اُس کے حکم کے خلاف ہونے کا سوال ہی نہیں ہے' پھر شیطان نے سجدہ



کیوں نہ کیا اور اگر نہیں کیا تھا تو پھر ہمیں کیوں بتایا گیا؟ جب آپ کو یہ بات سمجھ آ گئی تو بہت ساری باتیں سمجھ آ جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے لیکن شیطان نے سجدہ نہیں کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو قادر ثابت کرنے کے بعد اور قادرِ مطلق کہنے کے بعد یہ بتایا کہ اس نے میرا کہنا نہیں مانا۔ پھر اللہ نے ہمیں بتایا کہ آپ سُن لو کہ میں قادرِ مطلق ہوں' میں حی و قیوم ہوں' مالک ہوں' ہر چیز ہماری باطنی ہے ........... بالکل بجا ........ لیکن اس شیطان نے اللہ کا کہنا نہیں مانا۔ لیکن اس کو اللہ نے مارا نہیں' اُسے لعین کہہ دیا لیکن مارا نہیں' آدم علیہ السلام کو مارا اور شیطان کو زندگی دے دی۔ اب اگر یہ راز سمجھ آ جائے تو میرا خیال ہے بہت ساری باتیں سمجھ آ جائیں گی کہ اللہ نے آپ کے لیے کھیل بنا رکھا ہے۔ کھیل بہت خوب صورت ہے۔ شیطان نے رہنا ہے لیکن آپ لوگوں نے چلے جانا ہے۔ وہ کسی خاص کام میں لگا ہوا ہے' وہ گمراہ کرے گا مگر الا عبـاد اللہ المخلصین آپ مخلصین میں سے ہو جائیں تو وہ آپ کو گمراہ نہیں کرے گا۔ تو آپ مخلصین میں سے بن جائیں.......... اس طرح آپ کامیاب ہو جائیں گے۔

سوال:

جب کوئی حکمران فرد کے طور پر اصلاح کرتا ہے تو وہ عارضی ہوتی ہے تو اصل اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب:

آپ نے آج تک کسی اکیلے فرد کو خود نافذ ہوتے نہیں دیکھا ہوگا کیونکہ وہ جس وجہ سے نافذ ہوا ہے اس کے پیچھے ایک قوتِ نافذہ موجود تھی۔ میں قوتِ

نافذہ اصلاح کو کہہ رہا ہوں' فوج کو نہیں کہہ رہا ہوں' عوام کو بھی نہیں کہہ رہا ہوں۔ آپ نے جب بھی کسی سنگل آدمی کو نافذ ہوتے ہوئے دیکھا ہے اس ذریعے سے دیکھا ہے۔ میں قوتِ نافذہ اصلاح احوال کو کہہ رہا ہوں۔ یہ اللہ کر سکتا ہے۔ اللہ جب چاہے کسی ایسے انسان کو نفاذ دے دے جس کی اپنی اصلاحِ احوال ہو چکی ہو۔ وہ سب لوگوں کو اللہ کے دین پر چلا دے گا کیونکہ الناس علی دین ملوکھم کہ لوگ اپنے حکمران کے دین پر ہوتے ہیں۔ ایسے نفاذ کی مثال نہیں ہے کیونکہ یہ یکے از معجزاتِ پیغمبر ﷺ ہوگا اور اس کی مثال صرف اس طرح ہوگی جس طرح کہ خواجہ غریب نوازؒ کا مزار ہے۔ وہاں انسان نہیں ہے بلکہ مزار ہے اور ہندو' سکھ' عیسائی' سارے کے سارے ان کے چرن چھو رہے ہیں۔ جب خواجہ غریب نوازؒ وہاں پر ہوتے ہوں گے تو اس وقت کہہ سکتے ہیں کہ یہ مثال ہے کہ اس انسان کا نفاذ کیسے ہوا۔ یہ تو مزار خواجہ صاحبؒ کا حال ہے اور آپ اندازہ لگا لو کہ جب وہ خود ہوتے ہوں گے تو پھر کیسا ہوتا ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس طرح خانقاہوں میں تو وہ لوگ اولی الامر بن کے آتے رہے مگر اب ہم یہ کہتے ہیں کہ خانقاہ اور محل کا جو فاصلہ ہے وہ طے ہو جائے' کراؤن اور چرچ اکٹھے ہو جائیں جس کو لوگوں نے Bifurcate کیا' علیحدہ علیحدہ کر دیا۔

سوال:

کیا ممکن ہے کہ ایسا شخص آ جائے جو صحیح معنوں میں امیر المومنین بھی ہو اور حکمران بھی ہو۔



جواب:

یہ تو اللہ کا فرمان ہے کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہؐ کی اور اولی الامر کی۔ تیسرا بندہ اللہ نے بتایا ہے کہ اس کی اطاعت کرو۔ یہ حکم اطاعت کے باب میں آیا ہے۔ اس اطاعت کا مقصد یہ ہے کہ آپ قانون کی اطاعت کر رہے ہیں اور کسی Head of the state حکمران کی اطاعت نہیں کر رہے۔ ہم دعا یہ کر رہے ہیں کہ کوئی ایسا آدمی آ جائے جس سے آپ کو محبت ہو' کبھی بھی آ جائے' اور وہ آ سکتا ہے اور کیوں نہ آئے۔ پھر اصلاح احوال ہو جائے گی۔ قائداعظمؒ کے زمانے میں اتنے قلوب اُن کے لیے Soften ہو گئے تھے کہ لوگ اُن کی طرف مائل ہو گئے۔ ایک آدمی کی مثال آپ کے سامنے ہے کہ

تم جھوٹ بھی کہو تو سراپا یقین ہوں میں

تو انہوں نے جو کہہ دیا لوگوں نے قبول کر لیا۔ قائداعظمؒ انگریزی میں تقریر کرتے تھے اور انگریزی نہ سمجھنے والے بھی زندہ باد کہتے جاتے تھے' جھومتے جاتے تھے' تو ایک دفعہ یہ واقعہ ہو چکا ہے۔ اس طرح سرشاری آ سکتی ہے اور اصلاح احوال ہو سکتی ہے۔ آپ گروپ بنا کر بھی ایسا کر سکتے ہیں' معاشرہ ساز بن جائیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔ یہاں میں آپ کو بتا دوں کہ جیسا مرضی معاشرہ آپ Create کر لیں' بنا لیں آپ فرد کی جوابدہی کو کبھی ضائع نہ کریں' فرد یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کاروبارِ معاشیات میں مصروف تھا یا معاشرے میں مصروف تھا' اس لیے اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔ تو ذات کو محفوظ رکھو۔ بعد میں اصلاح کر لو۔ اگر یہ آج تک

نہیں ہوا تو اب ہونا چاہیے۔آپ یہ کہیں کہ ہم نے سچ سنا نہیں ہے لیکن سچ چھوڑا بھی نہیں ہے اور سچ سننے کی تمنا تو باقی ہے۔

سوال:

لیکن آج کے معاشرے میں تو کچھ نہیں ہو سکتا ............

جواب:

معاشرہ جتنا گمراہ ہو جائے پھر بھی آپ کی Accountability' احتساب سے نجات نہیں ہونی۔ میں صرف Accountability احتساب کی بات کر رہا ہوں کہ اُس سے کسی کی نجات نہیں ہو سکتی۔ یہ نہ کہنا کہ جہاں میں گیا تو دیکھا کہ اس جگہ سارے گمراہ لوگ تھے اور نماز کا کوئی موقع نہیں تھا۔سب کچھ کے باوجود بھی آپ جوابدہ ہیں۔یہ نہ کہنا کہ وہاں سارے ہی جھوٹ بولتے تھے' وہاں آپ پھر جواب دہ ہیں۔اگر خدانخواستہ بہت برے حالات تھے پھر بھی آپ جواب دہ ہیں۔تو پہلے آپ خود کو ہر طرف سے محفوظ کر لیں پھر جو مرضی کرتے جائیں۔معاشرہ آپ کے لیے گمراہ ہونے کی سند نہیں ہے' جواز نہیں ہے۔بس یہ یاد رکھنے والی بات ہے۔آپ کہیں معاشرے کو سند نہ بنا لینا کہ سارے ہی گمراہ لوگ تھے' سارے ہی سود کھاتے تھے تو میں بھی شامل ہو گیا۔پھر وہ کہے گا کہ اب ساروں کو مار پڑ رہی ہے' تُو بھی شامل ہو جا۔اس یونٹ کو محفوظ کر لو اور پھر معاشرہ Create کر لو۔لوگ ایسا کرنے کی کوشش تو کرتے رہے ہیں۔کمال کی بات یہ ہے کہ آج تک یہ نہیں ہوا پھر بھی ہر ایک نے ہمیشہ ہی کوشس کی ہے۔تو یہ اتنی خاص اور صاف چیز ہے۔ہر دَور نے کوشش کی ہے' ہر زمانے نے کوشس کی ہے'



کوئی نہ کوئی بندہ اُٹھ کر آ گیا اور اُس نے اصلاح احوال کی' کسی گروہ کی کر دی' کسی گروپ کی کر دی اور ایسا بندہ ہر دَور میں آیا۔اسلام تو مکمل ہو گیا تھا' پھر کوئی آدمی سیوستان سے اُٹھ کر آتا ہے یا غزنی سے چل کر آتا ہے کہ میری بات سنو۔تو یہ دلوں کی بات ہے۔

سوال:

اولی الامر کون ہوتا ہے؟

جواب:

اولی الامر وہ شخص ہے جس کی اطاعت اللہ اور رسول ؐ کی خوشنودی کا باعث ہے۔اگر وہ آدمی اولی الامر ہے اور اُس کی اطاعت اللہ اور اللہ کے رسول ؐ کی خوشنودی نہیں ہے تو پھر اُس آدمی کے خلاف جہاد ضروری ہے۔اولی الامر وہ ہے جس کی اطاعت کی کیفیت تقریباً ویسی ہو جیسی پہلے دو مقامات کی اطاعت ہے۔کبھی آپ غور کرو کہ جب آپ اللہ کی محبت میں ذکر کرتے ہو' اللہ کا ذکر کرتے ہو وہ کیف اور حضور پاک ﷺ کے درود پاک کا کیف ایک جیسا ہے۔ایک کہتا ہے کہ میں "اللہ" کی یاد میں ہوں' اور دوسرا کہتا ہے کہ میں حضور پاک ﷺ کی یاد میں ہوں۔تو یہ ایک جیسی یاد ہے اور اگر کوئی کہتا ہے کہ میں اولی الامر کی یاد میں ہوں تو یہ بھی ٹھیک ہے۔اگر اولی الامر کی کیفیت الگ ہو تو پھر یہ دھوکا ہے۔یہ مسئلہ یزید کے وقت میں پیدا ہوا تھا' یزید نے کہا کہ اولی الامر میں ہوں اور یہ واقعہ حضرت امام عالی مقامؑ کے ساتھ پیش آیا۔امام عالی مقامؑ نے فرمایا کہ قرآن پاک سمجھنے کے لیے میں زیادہ معتبر ہوں۔کربلا کی اصل بات جو

ہے وہ یہ نہیں ہے کہ یہ کوئی حکومت کا واقعہ تھا بلکہ آپ کو اولی الامر کی Definition دینی تھی' تعریف دینی تھی۔ تو کربلا اولی الامر کی تعریف کرنے کا مدعا ہے۔ امام عالی مقامؑ نے کہا کہ کل کو میری امت میں کوئی کنفیوژن نہ ہو۔ تو اگر کسی دور میں کنفیوژن پیدا ہو جائے تو وہاں پر وہ کرو جو اولی الامر کر رہا ہے۔ اس وقت کے اصل اولی الامر امام عالی مقامؑ نے یہ ثابت کر دیا کہ اگر کوئی غاصب آ جائے تو اصل اولی الامر یہ کرتا ہے اس مقام پر There He is going to define it. وہاں انہوں نے وضاحت کر دی کہ اولی الامر ہوتا کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کہیں کسی بادشاہ کو اولی الامر نہ مان لینا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو اولی الامر ہوا سے بادشاہ بنا دو۔ دلوں کا بادشاہ سر کا بادشاہ ہو جائے۔ ایسا ہونا چاہیے ناں؟

سوال:

کیا غاصب کے خلاف خروج ہونا چاہیے؟

جواب:

جتنی آپ کی ہمت ہو اس کے مطابق ہسٹری کو Repeat کرو' دہراؤ۔ پھر یہ Class یا جماعت کا عمل نہیں ہے بلکہ انفرادی عمل ہے' ہمت والوں کا عمل ہے کہ کیا ایک آدمی Fight کر سکتا ہے' سچ بول سکتا ہے' وہ جھوٹ سے ہمیشہ کے لیے نکل سکتا ہے۔ ہر آدمی کے لیے یہ الگ مقامات ہیں۔ خروج کے واقعات الگ ہیں کہ آپ کی ہمت کہاں تک پہنچتی ہے اور آپ کی اعلیٰ ظرفی کہاں تک ہے۔ کچھ لوگ یہ کام کرنے کے لیے ساری رات جاگ جاگ کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ یا اللہ ہم کمزور ہیں کچھ نہیں کر سکتے تو ہی



مہربانی فرما ............

تو اولی الامر کی تعریف یہ ہو گئی کہ اولی الامر وہ ہے جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی یاد کے ساتھ ہو' تینوں میں ایک کیف ہو۔ اس میں وقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ آسان بات ہے۔ اب تو بات واضح ہو گئی؟

سوال:

کسی شخص میں کیا خصوصیت ہو کہ ہم اسے اپنا مرشد بنا لیں۔

جواب:

اس کا جواب بالکل ویسے ہی ہے جیسے اس سوال کا ہے کہ اس زمانے میں محبوب کی کیا صفات ہونی چاہئیں۔ تو یہ چاہنے والے پر Depend کرتا ہے۔ اسی طرح مرشد کی صفات جو ہیں وہ ماننے والے پر Depend کرتی ہیں۔ باقی وہ پرانی ساری باتیں جو کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں کہ یہ ہونا چاہیے وہ ہونا چاہیے' ایسا ہونا چاہیے ویسا ہونا چاہیے۔ ساری بات ماننے کی ہے۔ مرشد کے ہاں جو سپرداری ہوتی ہے وہ اپنی زندگی کو اللہ کے حوالے کرنے کا مقصد ہوتا ہے' یہ کسی انسان کے لیے نہیں بلکہ یہ اپنے اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ زندگی کی روٹین سے بعض اوقات نکلنا بڑا مشکل ہوتا ہے لیکن کسی آواز کی بدولت انسان نکل جاتا ہے اور وہ آواز ہوتی ہے مرشد کی۔

سوال:

کیا مرشد روحانی رہنمائی کے لیے ضروری ہے؟

جواب:

یہ اس لیے ضروری ہے کہ بعض اوقات کچھ الجھنیں ہوتی ہیں' کوئی واقعات ہوتے ہیں' کچھ ناگہانیاں ہیں' کچھ انسان کے باطن کے مسئلے ہیں۔ جس طرح انسان کا ظاہر ہے ویسے ہی باطن ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہوتا ہے اور اس لیے لوگ کہتے ہیں کہ مرشد کی تلاش کرنی چاہیے اور دور دور تک تلاش کرنی چاہیے اور دیر دیر تک تلاش ہونی چاہیے۔

سوال:

جو بزرگ دنیا میں نہیں ہیں کیا ان سے رابطہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب:

وہ سلسلہ اویسی ہے۔ آپ وہ نہیں بنا سکتے بلکہ وہ آپ کو مرید بنا سکتے ہیں۔ وہ چاہیں تو آپ کی زندگی میں دخل دے دیں۔ اگر وہ دخل دے دیں اور آپ کو اپنا مرید کہہ دیں تو یہ سلسلہ اویسی ہو جائے گا' یہ نسبت اویسی ہو جائے گی۔ پھر وہ آپ کے Guiding spirit روحانی رہنما ہو جائیں گے' مہربانی کر دیں گے۔ اس سے ہوتا یہ ہے کہ انسان زندگی کے ہنگاموں سے آسانی سے عہدہ برا ہو جاتا ہے۔

سوال:

ایسا تو خاص الخاص بندوں کے ساتھ ہوتا ہوگا۔

جواب:

خاص الخاص اصل میں وہی ہوتا ہے جو ماننے والا ہوتا ہے۔ خاص الخاص منوانے والا نہیں ہوتا۔ خاص الخاص وہ ہے جس آدمی کے اندر سفر کا جذبہ



پیدا ہو جائے۔ تو راہنما جو ہے وہ اصل میں خاص الخاص یوں ہے کہ وہ جذبۂ شوق پیدا کر دے۔ منزل آپ کی اپنی ہے' پھر آپ کی پیشانی اور آپ کے سجدے ہیں سارے۔ صرف نقارہ بجانے والی بات ہے' حُدی خوانی والی بات ہے کہ چلتے چلو اور منزل پر ڈیرہ آ جاتا ہے۔

سوال:

اس زمانے میں ہم کیا کریں جب کہ شر کی قوت بلند ہے اور خیر کی قوت کم ہے۔

جواب:

اس زمانے میں جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں' اس زمانے میں بدی نہ کرنا بھی نیکی ہے' اور یہ ایک Free نیکی ہے۔ بدی کا موقع' بدی کی دعوت ہو' ماحول کا مزاج بدی میں ہو' حالات امکان میں ہوں' دعوتِ عام ہو اور اگر آپ یہ کہیں کہ معاذ اللہ' میں اللہ سے ڈرتا ہوں تو پھر آپ یہ سمجھ لیں کہ یہ آپ کے لیے نیکی کی انتہا ہو گئی۔ یہ پیغمبری مقام بھی ہے۔ جب ایک پیغمبر نے کہا قال معاذ اللہ' یعنی دعوتِ عام ہے' دعوتِ گناہ ہے اور پیغمبر نے اللہ سے پناہ طلب کر لی۔ اللہ نے آپ لوگوں کو ایک واقعہ بتا دیا ہے وقالت ھیت لک ج قال معاذ اللہ اس نے کہا کہ آ جاؤ تو یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ تو گویا کہ یوسف علیہ السلام کے سارے واقعہ کے اندر پیغمبری واقعہ یہ ہے کہ قال معاذ اللہ کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اس دور میں دعوتِ گناہ میں جس نے یہ کہہ دیا کہ معاذ اللہ تو اُس پر اللہ کا رحم ہو گیا۔ تو اس زمانے میں کم سے کم اور تھوڑی سے

تھوڑی بدی کو ترک کرنا بھی نیکی ہے اور چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو اپنا لینا بھی نیکی ہے۔ کیونکہ وقت بڑا سخت ہے' ماحول بڑا سخت ہے' زمانہ بڑا خطرناک ہے اور جس نے نیکی کا ایک پن اٹھالیا تو یہی اس ؐ کے کام آ جائے گا۔ تو آپ کمزور نیکی اٹھالو اور کمزور سا' چھوٹا سا گناہ چھوڑ دو' یہ بڑی بات ہے۔ اور دعوتِ گناہ سے معاذاللہ کر کے نکل جاؤ' بھاگ جاؤ ففروا الی اللہ اللہ کی طرف فرار کر جاؤ۔ دانا آدمی وہی ہے۔ جس نے ایک دفعہ دعوتِ گناہ سے فرار حاصل کیا تو سمجھو کہ وہ فلاح پا گیا۔ ماحول تو ایسے ہی رہے گا۔ ماحول کے اندر اگر شر زیادہ ہو تو آپ کو نجات نہیں ملنی۔ آج کل گناہ کے اتنے موقعے ہیں کہ کہیں تو انسان کے خیال کو لذت کے ساتھ مصروف کر دیا' کہیں خیال کو ورائٹی کے ساتھ Multiplicity کے ساتھ' ہنگامہ ہائے سود وزیاں کے ساتھ مصروف کر دیا اور یوں چپکے سے دعوتِ گناہ ہو گئی اور اس طرح آپ کو پتہ ہی نہیں چلتا۔۔ جو اس سے ففروا الی اللہ کر کے فرار کر جائے' بھاگ جائے تو سمجھو فلاح پا گیا۔ تو آپ ''بھاگ'' جانے والوں میں شامل ہو جائیں اور کہیں معاذاللہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اگر آپ سے اور کچھ نہیں ہوتا تو ایک کام ضرور کرو کہ رات کو سوتے وقت اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیا کرو' اے اللہ ہمارے آج کے گناہ معاف فرما' پچھلے گناہ معاف کر دے اور آئندہ گناہوں کو دور کر دے ہم سے ......... پھر حساب برابر ہو جائے گا۔ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ یہ کیا روز گناہ اور روز توبہ۔ تو اس بزرگ نے کہا کہ ایسا ہم اس لیے کہتے ہیں کہ توبہ ساتھ ساتھ کرتے جاؤ تا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ حالتِ گناہ میں مریں۔ اگر مرنا ہو تو حالتِ توبہ میں



مرو۔ جو توبہ کر کے مرا وہ Pure ہو کے مرا اور گناہ کر کے مرا تو ہمیشہ کے لیے گناہ گار ہو کے مرا۔ اس لیے کبھی خدانخواستہ خیال میں کمزوری آ جائے تو توبہ میں کمزور نہ ہونا۔ توبہ کا ورد جاری رکھنا تا کہ موت کے وقت توبہ ہونی چاہیے' کلمہ اور توبہ تو نصیب ہونے چاہئیں۔

اور کوئی سوال .........

سوال:

اللہ کی بے نیازی کی سمجھ نہیں آتی۔

جواب:

اللہ کے ہاں بے نیازی کی تعریف یہ ہے کہ وہاں نہ کسی اضافے کی ضرورت ہے اور نہ کسی تخفیف کا امکان ہے۔ تو بے نیازی یہ ہے کہ نہ اس میں کوئی اضافہ کرنا ہے اور نہ اس میں کوئی تخفیف کرنی ہے' اس کو More perfect' مزید اچھا نہیں بنانا کیونکہ وہ The perfect ہے۔ کامل ہے مکمل ہے یعنی اتنا Perfect ہے کہ مزید کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اُس میں سے یہ نکال دو اور وہ ڈال دو ......... ناں ......... وہ مکمل' perfect ہے۔ اور بندہ جو بے نیاز ہوتا ہے یہ اور مقام ہے۔ بندے کی بے نیازی غرور کا مقام ہے' غرورِ حسن کا مقام ہے ۔

معمور ہو رہا ہے عالم میں نُور تیرا
از ماہ تابہ ماہی سب ہے ظہور تیرا

گر حرف بے نیازی سرزد نیاز سے ہو
پتلے میں خاک کے ہے پیارے غرور تیرا

تو وہ بے نیازی جو ہے اس انسان کے اعتماد کا نام ہے۔ انسان کی بے نیازی جو ہے یہ اعتمادِ ذاتِ حق ہے۔ اس لیے یہ یوں جائز ہے' اتنی بے نیازی ہونی چاہیے کہ اگر اللہ سے تعلق ہو تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے دوستی ہے' اب جنت دوزخ کو کیا کرنا ہے۔ اگر تعلق کے بغیر کہو تو یہ گستاخی ہے۔ اگر انسان اللہ سے بے باکی اور گستاخی کا فرق سمجھ لے تو کامیاب ہو جائے گا۔ بے باکی' تعلق کے ساتھ ہے اور گستاخی تعلق سے دور ہے۔ اگر تعلق ہو تو آپ کا پوتا آپ کے کندھے پہ بیٹھ سکتا ہے اور اگر تعلق نہ ہو تو دوسرے کے بچے کی یہ حرکت گستاخی ہو گی۔ بس یہ ہے تعلق کی بات۔ آپ فیصلہ یہ رکھو کہ جو چیز غلط ہے اُسے غلط کہو۔ سمجھتے جاؤ۔ یہ اللہ کا حکم ہے کہ مالک الملک توتی الملک من تشاء وہ ملک کا مالک ہے جسے چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے۔ تو فرعون کو بھی ملک مل سکتا ہے۔ تو ملک ابتلا بھی ہے اور عطا بھی ہے۔ اس کی Differentiation آپ کیسے کریں گے کہ کون سی بات اللہ نے عطا کی ہے اور کون سے بات آزمائش ہے۔ جب تک آپ کو یہ بات سمجھ نہ آئے اس وقت تک کسی صاحبِ اقتدار کی تعریف نہ کرو اور کسی کے خلاف جہاد نہ کرنا۔ اگر اللہ عطا کر رہا ہے تو آپ اطاعت کرو اور اگر وہ ابتلا ہے' آزمائش ہے تو پھر جہاد کرو۔ اس کی صورت صرف ایک ہی ہے کہ اس حکمران کا پہلے دو مقامات یعنی اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے کیا تعلق ہے۔ بادشاہوں کو Judge کرنے کا' پرکھنے کا ایک اور نسخہ بزرگوں نے یہ بتایا ہے کہ



بادشاہ سے اس کی عبادت نہ پوچھ' بادشاہ سے اس کی رعایا کے حالات پوچھ۔ بادشاہ اگر درویش ہے تو ملک چھوڑ جائے۔ اگر بادشاہ کہتا ہے کہ میں درویش ہوں' رزق حلال کماتا ہوں تو سلطنت چھوڑ دے ورنہ اصل حکومت اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی' جب کہ وہ عبادت میں رہے تو وہ بادشاہ نااہل گنا جائے گا اگرچہ نیک ہوگا۔ بادشاہ سے نیکی نہیں پوچھی جاتی۔ راز یہ ہے کہ بادشاہ کو رعایا کے ساتھ ایسے ہونا چاہیے جیسے اللہ اپنی کائنات کے ساتھ ہے' وہ نہ ماننے والوں کی بھی دیکھ بھال کرتا ہے اور ماننے والوں کی بھی دیکھ بھال کرتا ہے۔ وہ رزق دینے والا ہے' رب العالمین ہے' کافروں کو بھی دیتا ہے اور مومنوں کو بھی۔ اگر بادشاہ اپنی رعایا کے حالات سے بے خبر ہے اور رعایا کی تکلیف سے بے نیاز ہے تو وہ بادشاہت ابتلا ہے۔ صرف مرتبے کی بات نہیں ہوتی بلکہ یہ دیکھو کہ بادشاہ کا رویہ کیا ہے' یہ بادشاہت کا رکن ہے۔ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے' اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کرے اور قوم کے افراد کی تکلیف میں دیکھ بھال بھی کرے اور باخبر رہے۔ بادشاہ صرف آخرت کا خیال نہ کرے بلکہ رعایا کا بھی خیال کرے۔ یہ ضروری بات ہے۔

سوال:

جب فرشتوں نے اللہ سے کہا کہ انسان کو پیدا نہ کرو کیونکہ یہ خون خرابہ کرے گا تو کیا فرشتوں کو غیب کا علم تھا؟ اور یہ غیب کیا ہوتا ہے؟

جواب:

اسی آیت میں یہ مسئلہ حل ہو گیا جس میں اللہ نے کہا کہ انی جاعل فی

الارض خلیفۃ کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں تو فرشتوں نے کہا کہ یہ تو فساد مچائے گا اور خون خرابہ کرے گا۔ تب اللہ نے فرمایا انی اعلم ما لا تعلمون کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اس سے ایک بات تو یہ پتہ چلی کہ اگر انسان جنگ کرتا ہے تو یہ فرشتوں کو علم تھا' فرشتوں کا یہی تو الزام تھا اس بارے میں...... اور اگر صلح کرتا ہے تو یہ انسان پر اللہ کا اعتماد تھا۔ اب آپ دیکھیں کہ آپ کس حالت میں ہیں' فرشتوں کا اندیشہ یا اللہ کا اعتماد۔ تو اللہ کا اعتماد پورا ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑا بھروسہ کیا کہ آپ لوگوں کو اس نے اعتماد دیا اور کہا کہ انسان اچھا ہے۔ باقی یہ کہ فرشتوں کو علم نہیں تھا۔ آدم علیہ السلام کو یہ پورا علم نہیں تھا کہ جب اللہ نے منع کیا ہے تو اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ کسی کو بھی مکمل علم نہیں ہے کہ کیا ہونا ہے اور کیا ہونے والا ہے سوائے اس کے جو اللہ بتائے الا ما علمتنا یعنی جتنا علم اللہ نے دیا۔ پیغمبروں کے پاس کتنا علم ہے؟ جتنا اللہ نے دیا اور اللہ کتنا دے دے' یہ اس کی مرضی ہے۔ رہا غیب کا مسئلہ تو اللہ کا ''غیب'' کوئی نہیں ہے' وہ تو خالق ہے' ہر ایک کا خالق ہے' غیب کا بھی خالق ہے۔ غیب ایک Relative Term ہے' ایک تقابلی اصطلاح ہے۔ جتنی آپ کے ادراک کی Range ہے رسائی ہے اتنا آپ کا حاضر ہے اور اس رینج سے آگے جو کچھ ہے وہ غیب ہے۔ معلوم سے پہلے سب غیب ہے اور معلوم کے بعد علم کا دائرہ ہے۔ ایک شخص کا معلوم دوسرے کے معلوم سے کئی گنا بلکہ ہزار گنا زیادہ ہو سکتا ہے۔ آپ جان سکتے ہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے' کوئی نہ کوئی کہہ سکتا ہے میں جانتا ہوں کہ پرسوں کیا ہوگا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارا کیا علاج ہونے والا



ہے۔ یہ سب کی اپنی اپنی رینج ہے' یہ غیب نہیں ہے' یہ رسائی ہے اور غیب نہیں ہے۔ غیب جو ہے وہ کوئی اور چیز ہے۔ جہاں آپ نے علم کو چھوڑا اس کے آگے غیب شروع ہو جاتا ہے اور غیب و حضور کی منزلیں چلتی رہتی ہیں۔ بعض اوقات حاضر جو ہے وہ غیب ہو جاتا ہے یعنی آپ جس کو جان رہے تھے یک لخت ایک پردہ آیا اور وہ غائب ہو گیا۔ بعض اوقات یادداشت سے چیز نکل گئی تو غائب ہو گئی۔ ایسا ہوتا ہے کہ کبھی کی بڑی اچھی یادداشت ہو مگر پھر وہ بھول بھی جاتا ہے۔ تو وہ چیز غائب ہو جاتی ہے۔ پہلے کیا تھا؟ حاضر۔ اور اب؟ غائب ہو گیا۔ گویا کہ غیب سے چیزیں حاضر میں Emerge کرتی رہتی ہیں اور حاضر سے سے چیزیں غیب میں داخل ہوتی رہتی ہیں اور آپ درمیان میں روزانہ نظارہ کرتے رہتے ہیں۔ تو نہ کوئی غیب مطلق ہے اور نہ کوئی حاضر مطلق ہے۔ یہ آپ کے جاننے کا علم ہے' آپ کے دیکھنے کا نام ہے۔

سوال:

یہ جو اولی الامر کے لیے کہتے ہیں کہ وہ لائق ہو' نیک ہو' حکومت چلانا جانتا ہو تو اتنی ساری خصوصیات ایک آدمی میں کیسے ہو سکتی ہیں؟

جواب:

فرض کریں کسی ایک آدمی کو آپ اولی الامر بنا لیں۔ باقی جو لوگ اس کو ماننے والے ہوں گے وہ صفات سے محروم نہیں ہوں گے۔ کسی ایک انسان میں مکمل صفات نہیں ہوتیں اور نہ ہونی چاہییں۔ اولی الامر کی مشاورت اس قابل ہوتی ہے کہ وہ اولی الامر کا کام کرے۔ آپ اولی الامر کی خصوصیات جب

گنواتے ہیں تو پہلے اس کی اطاعت دو جگہ پر ہونی چاہیے' یعنی اللہ اور رسولؐ اللہ سے اس کی ایسے وابستگی ہو جیسی کہ اولی الامر کی ہونی چاہیے' وہ ان دونوں مقامات پر پورا Committed ہو۔ یہ ضروری بات ہے۔ پھر جو اولی الامر ہوتا ہے اس کے ساتھ سب چیزیں خود بخود ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ کام ماننے سے ہو جاتا ہے۔ اس میں لمبی چوڑی بات ہی نہیں ہے۔ اولی الامر ایک مقام پر Pivot ہے' مرکز ہے اور وہ وہاں پہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ باقی سب لوگوں نے اپنی اپنی تسبیح اور نماز پڑھنی ہے۔ سماج سازی جو ہے یہ اس وقت اہم ہے جب آپ کی جواب دہی اہم ہو۔ آپ State کو حکومت کو جواب دہ نہ ہونے لگیں بلکہ جواب دہ اللہ ہونا چاہیے۔ آپ سٹیٹ کو Build کر رہے ہیں' بنا رہے ہیں' فلاحی معاشرہ بنا لیں' ہسپتال بنا لیں' یہ آپ کی مرضی ہے مگر آپ اللہ کے جواب دہ ہیں۔ یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے ہسپتال بنایا ہے کہ نہیں' کتنے مریضوں کا علاج کیا بلکہ پوچھا صرف یہ جائے گا کہ آپ کے پاس جو صلاحیتیں تھیں آپ نے ان کو کس طور پر استعمال کیا۔

سوال:

اگر جواب دہ صرف اللہ کو ہونا ہے تو پھر جمہوریت میں تو لوگوں کو جواب دینا پڑتا ہے؟

جواب:

کیا میں نے کبھی کہا ہے کہ Democracy ' جمہوریت جو ہے وہ درست حکومت ہے۔ میں تو یہ کہتا ہی نہیں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ Feasible



اللہ کا مزاج جو ہے وہ جمہوریت نہیں ہے' اللہ ووٹ سے اللہ نہیں بنا' پیغمبر کسی الیکشن سے پیغمبر نہیں بنے' امام انتخاب سے نہیں بنتا' ولی اللہ بھی انتخاب سے نہیں بنتا' بزرگ بھی انتخاب سے نہیں بنتا' مفکر بھی انتخاب سے نہیں بنتا' تو ہم تو اور قسم کے لوگوں کی بات کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ گانے والا' گلے والا بھی انتخاب سے نہیں بنتا۔ تو دیکھنے والا' غور کرنے والا اور گانے والا کسی انتخاب کے ذریعے سے نہیں ہے۔ ہم ان صفات کی بات کر رہے ہیں۔ اگر جمہوری صفات رائج نہیں ہوتیں تو اس میں کون سا حرج ہے۔ لیکن مارشل لاء تو اچھا نہیں ہوگا۔ اگر جمہوریت اور مارشل لاء کے درمیان مقابلہ ہے تو پھر آپ جو مرضی کرتے جائیں۔ ہم تو انسان کی بات کر رہے ہیں' مجھے یہ بتا دو کہ جھوٹے معاشرے میں سچا آدمی کیسے انتخاب لڑ کے آئے گا' جہاں معاشرہ امیر ہو وہاں غریب کیسے الیکشن لڑے گا' جہاں ووٹر اپنی ضروریات رکھتے ہوں وہاں غریب کیا کرے گا' وہ تو ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے گا۔ اور اگر یہ معاشرہ سچا ہو جائے تو پھر وہ شخص جمہوریت کے ذریعے آ سکتا ہے۔ اس کا انتظار ہو سکتا ہے لیکن یہ نہ کرنا کہ کسی چیز کو حتمی کہہ کے چل پڑو۔ اتنی بات مان لو کہ جمہوریت کمزور چیز ہے' مجبوری ہے' اسے صحیح نہ کہو' فی الحال اس کے متبادل طاقت کوئی نہیں مل رہی' جسے اور راستہ سمجھ نہیں آ رہا وہ یہ راستہ چل رہا ہے۔ اپنی پسند وہی رکھو جو کہ صداقت ہے۔

سوال:

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ حق پر سمجھوتہ کرنے سے ہمارے اندر وہ طاقت کمزور ہو گئی ہے۔

جواب:

اگر ایک آدمی کے ہاتھ میں قرآن ہے اور قرآن کی عزت کرتا ہے تو اُسے چاہیے کہ ایسے گزرے کہ اس کی بے عزتی نہ ہو کیونکہ قرآن اس کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم دیکھو کہ صداقت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور اللہ نے تمہارے دل میں صداقت رکھی ہے تو پھر تم یک لخت تباہ ہونے کا انتظام نہ کرو۔ وہاں پر ذہن سے کام لے لو تا کہ صداقت کا یہ چراغ آندھی سے گل نہ ہو جائے' اسے آندھی سے بچا کے رکھو۔ یہ Compromise نہیں ہے' سمجھوتہ نہیں ہے بلکہ احتیاط ہے۔ یہ نہ ہو کہ آپ کھڑے ہو کر یہ کہنا شروع کر دو کہ تم لوگ بے وقوف ہو' بے ایمان ہو۔ پھر تو ایک منٹ میں لوگ آپ کا فیصلہ کر دیں گے۔ تو آپ بات کرنے کا موقع ضائع نہ کرنا۔ یہ کشتی کی بات نہیں ہے کہ دو آدمیوں میں کشتی ہو جائے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہ صرف ایک کربلا کی بات نہیں ہے' اس میں بڑی احتیاط چاہیے۔ وہ بات نہ کہو جس کو تمہارا دل نہیں مان رہا۔ اتنی بات تو مان لو......

سوال:

وہ بات تو کہنی چاہیے جسے دل صحیح مان رہا ہے۔

جواب:

وہ بھی نہ کہو۔ اس کا راز یہ ہے کہ جھوٹے آدمی کے ساتھ سچ نہ بولنا۔ اگر چار جھوٹے موجود ہوں تو ان کے سامنے خود کو سزا نہ دلوانا۔ یہ عجیب کھیل ہے۔ یہ خاموشی کا مقام ہے' اسے منافقت نہیں کہتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سچے آدمی کے ساتھ جھوٹ نہ بولو۔ اس بات کو سمجھو' یہ جلدی میں کرنے والا صحیح فیصلہ نہیں ہے



بلکہ آرام سے کرنے والا ہے۔ انسان کو پہچانے بغیر یہ نہ کرنا کہ اُسے قرآن سنانے لگ جاؤ۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ پہلے انسان کو پہچانو' پھر یہ دیکھو کہ آپ نے اس سے کیا بات کرنی ہے علی قدر قول۔ اگر آپ کے پاس State کا حکومت کا ایک راز ہے تو آپ خواہ مخواہ اسے دشمن کے سامنے بیان نہ کرنا' اُسے یہ نہ کہہ دینا کہ میں پاکستان سے آیا ہوں اور اس مشن پہ آیا ہوں ............ تو یہ کون سی دانائی ہے' یہ سچ بولنا ٹھیک نہیں ہے۔ تو آپ پہلے پہچانو' اپنے آپ کو پہچانو اور یہ دیکھو کہ تمہارے پاس کیا چیز ہے اور اُسے پہنچانا کہاں پر ہے۔ اُسے وہاں تک پہنچا دو' بس یہ تمہارا فنکشن ہے۔ راستے میں اُسے گنوا نہ دینا سچ بول کے۔ یہ سچ نہ بول دینا کہ یہ فلاں چیز ہے اور اسے فلاں جگہ پر ایک شخص کو پہنچانا ہے۔ آپ کا مقصد چیز کو پہنچانا ہے' بیان کرنا نہیں ہے۔ آپ نے قوم کی کشتی کو دریا کے کنارے لگانا ہے' یہ نہیں کرنا کہ کوئی لیکچر بیان کر کے چیز کو ضائع کر لو۔ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے' کام کرو۔ اگر اتنا نسخہ آزما لو تو زندگی آسان ہو جائے گی ......... لہٰذا جھوٹے کے ساتھ سچ نہ بولو .......... جھوٹے سے اگر دوستی کرنی ہے تو اُسے سچا بناؤ۔ یہ Ultimate' آخری بات ہے کہ جھوٹوں کے ساتھ دوستی بند کرو۔ اگر آپ زندگی میں جھوٹے کے ساتھ دوستی ترک نہیں کر سکتے تو تم کون سی افلاطونیات کر رہے ہو۔ تو اُسے چھوڑ دو۔ اگر جھوٹے سے رشتہ نہیں توڑ سکتے تو پھر خاموش رہو۔

سوال:

جس طرح دوسرے خوف ہیں اسی طرح مجھے لوگوں کی تنقید کا بڑا خوف

رہتا ہے۔

جواب:

لوگوں کی تنقید کا خوف' شہرت کی تمنا کی سزا ہے۔اگر شہرت کی تمنا چھوڑ دو تو Fear of Criticism تنقید کا خوف نکل جائے گا۔اپنی اصلاح کی اگر تمنا رکھو تو وہ جو Critic ہے' تنقید کرنے والا ہے' اُسے آپ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھو گے بلکہ سب سے زیادہ قیمتی آدمی وہی ہوگا جو آپ کا ناقد ہوگا کیونکہ وہ کہے گا کہ اپنی اصلاح کرو۔تعریف سننے کی تمنا آپ کو تنقید والے کا خوف دلاتی ہے۔ تعریف سننے کا جذبہ بند کر دو۔ پرانے زمانے کے لوگ تعریف والی جگہ سے بھاگ جایا کرتے تھے۔سب سے زیادہ کمزور چیز اپنی تعریف سننا ہے اور سب سے خطرناک چیز ہوتی ہے اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا۔یہ ایک وبا ہے اور یہ وبا بہت پھیلی ہوئی ہے۔اپنی شکل کی تعریف' اپنے خاندان کی تعریف اور اپنی ذات کی تعریف ایک وبا بن گئی ہے۔ پھر دوسرے تنقید شروع کر دیتے ہیں۔ انسان اگر اپنی تعریف سے باہر آ جائے' اپنی تعریف سننا چھوڑ دے تو تنقید اس کے لیے کوئی شے نہیں ہے۔Fear of criticism جو ہے' تنقید کا خوف جو ہے یہ کوئی Fear خوف نہیں ہے۔اصل میں تو آپ کو Criticism' تنقید سننے کی تمنا ہونی چاہیے کہ ہے کوئی بھائی مجھے بتانے والا' مجھ میں اگر خامی ہے تو بتاؤ۔پھر وہ آپ کو بتائے گا کہ یہ غلطی ہے وہ غلطی ہے۔تو تعریف سننے والے جذبے کی سزا ہے تنقید کا خوف۔اگر تعریف نکل گئی تو خوف نکل جائے گا۔تنقید سے نہ بچا کرو بلکہ اسے آنے دو۔تنقید کرنے والا اصل میں بغیر قیمت لیے آپ کی اصلاح کرتا



ہے۔ پرانے لوگ تنقید کرنے والے کو ڈھونڈا کرتے تھے' دشمن کو بھی جا کے ڈھونڈتے تھے کیونکہ وہ سب سے زیادہ آپ کا قدردان ہے' وہ آپ کو بتائے گا کہ آپ کی خامی کہاں پر ہے یعنی جہاں آپ Vulnerable ہوں گے۔تو تنقید کرنے والا آپ میں بڑی دلچسپی لیتا ہے' وہ اچھا آدمی ہوتا ہے۔ایک اور آدمی بھی بڑا اچھا ہوتا ہے یعنی حاسد۔وہ بھی آپ کی خوبیوں کا معترف ہوتا ہے۔

سوال:

کیا رقیب بھی اس طرح کا فائدہ دے سکتا ہے؟

جواب:

اصل میں ایک حبیب کو دو چاہنے والے آپس میں رقیب کہلاتے ہیں۔ اور یہاں ایک راز یہ ہے کہ اگر وہ دونوں چاہنے والے آپس میں رنجش رکھتے ہوں تو دونوں مجاز میں سے گزر رہے ہیں۔تو ایک محبوب کو پسند کرنے والے دو انسان آپس میں رنجش رکھتے ہوں تو یہ مجاز ہے اور اگر ایک محبوب کو پسند کرنے والے آپس میں محبت کرنے لگ جائیں تو یہ حقیقت ہوگی۔مجاز اس وقت حقیقت بنتا ہے جب رقیب جو ہے وہ آپ کا حبیب ہو جائے یا قریب ہو جائے۔اگر رقیب آپ کا پسندیدہ ہو جائے تو سمجھو کہ مجاز جو ہے وہ حقیقت میں ڈھل گیا ہے۔ پھر دونوں خوش ہوں گے اور گلے مل رہے ہوں گے۔اور جب تک رقیب ناگوار ہو سمجھو کہ آپ مجاز سے گزر رہے ہیں۔مجاز کو حقیقت بننے کی سند رقیب سے ملتی ہے۔

سوال:

نادان دوست اور دانا دشمن میں کیا فرق ہے؟

جواب:

نادان دوست مفروضہ بیان کرتا ہے۔ اُس سے اِس لیے بچو کہ وہ آپ کا Impression ' تاثر خراب کرتا ہے اور آپ کے بارے میں غلط اطلاعات دیتا ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہے۔ دانا دشمن دو کام کرتا ہے' آپ کی قوت کا تعارف جانتا ہے اور آپ کی کمزوری کا تعارف جانتا ہے۔ نادان دوست کیوں برا ہوتا ہے؟ وہ آپ کو غلط متعارف کراتا ہے۔

سوال:

کیا امام عالی مقامؑ نے کربلا سے واپسی کی کوشش کی تھی؟ تو کیا وہ کسی مصلحت کے تحت تھی؟

جواب:

پرانے واقعات کے بارے میں کتابوں کے علم کو چھوڑ دو۔ آپ کو میں ایک نئی بات بتاتا ہوں۔ وہ لوگ جو کربلا کے واقعات کو جاننے کا شوق رکھتے ہیں' وہ ایسا واقعہ ہے کہ اگر آپ رجوع کریں تو آپ کو صحیح بات سمجھ آ جائے گی۔ دعا کرو کہ وہ واقعہ آپ کے دلوں میں آ جائے ورنہ ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی غلطی ہو گی۔ ایک آدمی نے کوئی کتاب پڑھی ہوتی ہے' دوسرے نے کوئی اور کتاب پڑھی ہوتی ہے اور آپس میں آج لڑ رہے ہیں۔ اگر امامؑ نے کوشش کی تھی تو وہ بھی ٹھیک ہے اور اگر کوشش نہیں کی تب بھی ٹھیک ہے' ہم تو اس حد تک ماننے والے ہیں۔

سوال:

کیا طاقت والے حکمران کو اللہ کی مرضی سمجھ کے قبول کر لینا چاہیے؟



جواب:

آپ یہ بتائیں کہ کیا امریکہ کو طاقت دینے والا بھی اللہ ہے؟ وہی مسلمانوں والا اللہ ہے یا اور کوئی۔ اب آپ اُسے پسند نہیں کر سکتے ہر چند کہ آپ کی کمزوری آپ کو پسند کرا لے گی' لیکن یہ دوست کی پسند کی بات نہیں۔ یہی تو اس زندگی میں جاننے والا راز ہے۔ میں یہاں پر Will of God یا Pleasure of God ' اللہ کی مرضی کی بات نہیں کر رہا بلکہ آپ کی Will ' مرضی کی بات کر رہا ہوں۔ آپ مالک کے بٹھائے ہوئے فرعون کو مان نہ لینا۔ یہی تو بتا رہا ہوں آپ کو۔ آپ مالک کے بٹھائے ہوئے یزید کو مان نہ لینا۔ فرعون بادشاہ ہے اور اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے کہہ رہا ہے کہ جاؤ فرعون کے پاس کیونکہ وہ طاغوت میں ہے' اس سے فائٹ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ طاقت تو اُسے آپ نے دی ہے' اب میں کیا کروں۔ تو آپ بھی یہ نہ کہہ دینا کہ فلاں شخص کو اللہ نے حکومت میں بٹھایا ہوا ہے۔ اب آپ یہ دیکھو کہ اللہ نے آپ کو اس طرح کے حکم کے ساتھ بھیجا ہے یا نہیں بھیجا۔ کہیں آپ اپنے موجود حکمرانوں کی بات تو نہیں کر رہے۔ ہم صرف اصولوں کی بات کر رہے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنا کہ اگر آپ کسی شخص کو مرتبے میں بیٹھا ہوا پائیں اور وہ آپ کو ناپسند ہو تو ذہنی طور پر ضرور سوچا کرو کہ اس کی جگہ آپ سے اللہ تعالیٰ پوچھے کہ تو بتا کون سا آدمی صحیح ہے تو یہ نہ کہنا کہ مجھ ناچیز کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ آپ صرف مشورہ دیں اور آدمی کا نام بتا دیں۔ میرا خیال ہے آپ کے پاس ایسا آدمی کوئی نہیں ہے۔ یہ پسند اور ناپسند کی بات نہیں ہے بلکہ ہو یہ رہا ہے کہ Things are marking

time ہر حکمران صرف وقت گذار رہا ہے۔

سوال:

جن کافروں کے اعمال اچھے ہیں کیا وہ جنت میں جائیں گے؟

جواب:

یہ سوال ان کافروں کو پوچھنا چاہیے' آپ کو نہیں۔ آپ کے اللہ نے آپ سے ایسی بات کی ہوئی ہے' مسلمانوں نے پوچھا کہ جو اللہ کو نہیں مانتا اس کے ساتھ کیا ہوگا تو بتایا گیا کہ دوزخ۔ یہ بات کافروں سے نہیں ہو رہی' یہ آپ سے ہو رہی ہے تاکہ آپ میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہم اتنی نیکی کر کے آئے اور ہمارے لیے جنت ہے اور وہ جو دین کو نہیں مانتا اس کے لیے کیوں جنت ہے۔ یہ بات اللہ نے ان سے نہیں کی بلکہ آپؐ سے کی ہے۔ اللہ کافروں کی نیکی کو تسکین دینے کے لیے بے شمار رستے اپنے پاس رکھتا ہے اور جس جنت کا آپ کو بتایا ہے وہ آپ کے لیے ہے۔ کافر جو نیکی کر رہا ہے اس کو Compensate کرنے کے لیے' تسکین دینے کے لیے اللہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ کافر آپ کے ساتھ کھڑے نہیں ہو سکتے یعنی جہاں ایمان والے ہوں گے۔ پھر وہ مسلمان جو عبادت نہیں کرتے اور نیک اعمال نہیں کرتے کیا وہ کافروں سے بہتر نہیں ہیں جو نیک اعمال کرتے ہیں۔ نہیں' وہ کافر بہتر نہیں ہیں۔ کافر کو یہاں بھی بڑی دولت دی ہے' نیک کافر کو وہاں بھی Compensate کرے گا لیکن جنت صرف مسلمان کے لیے ہے۔ مسلمان جیسا بھی عمل رکھتا ہو اس کے لیے جنت ہے۔ اور وہ شخص جو مسلمانوں کو دوزخ میں بھیجنے کا سوچتا ہو وہ شخص اچھا



مسلمان نہیں ہے۔ جو یہ کہے کہ یہ جو مسلمان ہیں ان میں سے آدھے تو مجھے دوزخ میں جاتے نظر آ رہے ہیں تو ایسا شخص صحیح نہیں ہے۔ جس آدمی نے ایک دفعہ کلمہ پڑھا اس کے لیے جنت لازمی ہے' یہ حدیث ہے حضور پاک ﷺ کی من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ تو جنت سے مسلمانوں کو نکالنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا اور آج کل آدھے مسلمان آدھوں کو جنت سے نکال رہے ہیں' کہتے ہیں تمہاری نیکی اچھی نہیں ہے' تمہارے واقعات اچھے نہیں ہے.......... دعا یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو جنت میں جگہ دے اور سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔ یا اللہ ہم معافی مانگ رہے ہیں' ہم اپنے کردہ اور ناکردہ گناہوں کی معافی مانگ رہے ہیں' ہم پر تو مہربانی فرما۔ یا اللہ اگر حکمرانوں میں کوئی نیکی ہے تو یہ ہم پر بھی آشکار کر اور اگر کوئی خامی ہے تو پھر کوئی بغیر خامی والا بھیج۔ یا اللہ پاکستان کے اندر حالات آسان فرما' کراچی کے لیے آسانی فرما' اس ملک کے لیے آسانی فرما' ہمیں خواہش کے جال سے بچا' خواہش کی ابتلا سے بچا' ہم پر آسانی نازل فرما' قوم میں وحدتِ عمل عطا فرما' وحدتِ کردار پیدا فرما' کوئی ایسا بندہ عطا فرما جو قوم کو ایک کنارے پر لگائے اور دنیا کی تاریخ میں اس قوم کا نام بہتر فرما' یہ قوم اسلام کے حوالے سے بہتر ہو جائے' اخلاق کے حوالے سے بہتر ہو جائے۔ یا رب العالمین حاضرین مجلس میں سب کی دینی و دنیاوی مشکلات آسان فرما' گھر کی مشکلات آسان فرما' بچوں کی مشکلات آسان فرما' اولاد کی' بیٹوں اور بیٹیوں کی مشکلات آسان فرما' باطن کی آسانی عطا فرما' ظاہر کی آسانی عطا فرما..........

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ ونورعرشہٖ سیدنا وسندنا و مولٰنا وحبیبنا وشفیعنا محمد و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین آمین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین۔

# 5

کوئی ایسا عمل بتائیں کہ دنیاوی اور دینی طور پر آسانی اور آسودگی مل جائے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جو اس نے قرآن میں فرمائی ہے کہ میرے پتھروں سے نہریں نکلتی ہیں اور یہ کہ انسان اور پتھر جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

سوال:

کوئی ایسا عمل بتائیں کہ دنیاوی اور دینی طور پر آسانی اور آسودگی مل جائے۔

جواب:

اگر ساری زندگی میں ہزار ہا واقعات کر لیے جائیں کامیابی کے' خوشی اور نیکی کے اور کوئی ایک آدھ کام ایسا ہو جو نہ ہو سکے اور یہ ایسا کام ہو جو کہ ان تمام نیکیوں اور کامیابیوں کے باوجود نتیجہ حسرت بن جائے تو اس کا رزلٹ کیا نکلا؟ کہ کوئی ایک کام بھی ایسا ہو سکتا ہے جو ساری عبادتوں کے باوجود باعث تکلیف ہو۔ عبادت کی زندگی' نیکی کا راستہ' اور حاصل کی باتیں' ان ساری چیزوں کے باوجود ایک کام ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان تلخی میں ہو۔ تو اسی کے مقابلے میں برائی کا راستہ' غلط زندگی' کمزور سفر' بدی' ابتلاء اور پھر کوئی ایک واقعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان پر اُس کا خوشگوار نتیجہ' انجام کی شکل میں نکلے۔ آپ لوگ اس بات کو مانتے ہیں ناں۔ اپنی زندگی میں ایسے دو کام ضرور دریافت کر لو' ایک ایسا کام ضرور دریافت کرو جو آپ کی نجات کا ذریعہ ہو' اور ایک ایسا کام جو نا کام ہونے کے لیے کافی ہو۔ یہ راستے کی بات نہیں ہے بلکہ کام کی بات ہے۔ ایک آدمی کی بددعا آپ

کے ناکام ہونے کے لیے کافی ہے' اور کسی ایک شخص کی دعا کامیاب ہونے کے لیے کافی ہے۔ نیکی کا راستہ اپنی جگہ پر ہے لیکن جو کامیابی کی سند ہے وہ کسی ایک شخص کی دعا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص جو بڑا بزرگ بھی نہیں ہے' بہت بڑا عالمِ دین بھی نہیں ہے' نیک راستے کا مسافر بھی نہیں ہے' ایک ایسا وقت آ گیا کہ اُس نے حضور نبی کریم ﷺ کے نام کے تقدس کی خاطر جان دے دی۔ اب اُس کی بخشش ہو گئی' یعنی علم دین غازی شہیدؒ۔ یہ کیوں ہو گیا؟ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اُس کی زندگی کے باقی واقعات بیلنس میں ہونے چاہییں تھے اور وہ نمازوں کا حساب دے۔ مگر اُس کو حضور پاک ﷺ کے نام پر بڑی عزت ملی' وہ غازی ہو گیا' شہید ہو گیا۔ محبت والا تو کہتا ہے کہ اُس سے حساب مت مانگو۔ بس اُس سے حساب نہیں مانگتے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر جگہ پر ایک نہ ایک Exception استثناء ملے گی۔ ایک آدمی بیچارہ بڑا غریب سا ہے' کمزور سا ہے اور اُس کی ماں مرنے سے پہلے اُس کو ڈھیر ساری دل سے دعا دے گئی۔ اب اُس کی بخشش کی راہ فائنل ہو گئی' حالانکہ ماں کی اپنی بخشش ہو یا نہ ہو' وہ اپنا حساب دے گی لیکن اس کے لیے جنت کی راہ ہے۔ ایسا واقعہ ضرور ہوتا ہے۔ آپ لوگ چھوٹے چھوٹے واقعات کو بھول گئے ہیں حالانکہ چھوٹے واقعات بڑے اہم واقعات ہوتے ہیں اور یہ جو بڑے بڑے طویل واقعات ہیں ان میں Law ہے' قانون ہے اور ضابطہ ہے۔ ضابطہ اگر فائنل ہوتا تو سارے یکساں عبادت کرنے والے' یکساں مسجد میں جانے والے' ایک جیسا اندازِ ہستی رکھنے والے' ایک جیسے ہوتے' لیکن یہ فطرت کا منشاء ہی نہیں ہے۔ کہتا ہے کہ مسجد میں مَیں بھی تیرے ساتھ جا رہا ہوں



اور تُو بھی میرے ساتھ جا رہا ہے تو آپ کو یہ خواب کیسے آ گیا جو مجھے نہیں آیا' یا میں مسجد میں نہیں گیا یا پھر تُو کسی غلط جگہ چلا گیا۔ کہتا ہے جب میں نے سجدہ کیا تو میرے ساتھ کچھ اور ہی واقعہ ہو گیا' خواب بھی آ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ یکساں واقعات بھی یکساں نتیجہ نہیں دیتے۔ تو یکساں واقعات پر اصرار کرنا' یہ علماء صاحبان کا کام ہے اور آپ لوگوں کا کام نہیں ہے۔ آپ اپنے کام سے کام رکھو اور اپنی بخشش کا ذریعہ دیکھو۔ ایک واقعہ اچانک ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کو بخشش کی راہ مل سکتی ہے۔ کچھ لوگوں کو بخشش کا راستہ یہاں ہی مل جاتا ہے اور کچھ لوگوں کو مرنے کے بعد سمجھ آتی ہے۔ اب یہ کیا بات ہے کہ کچھ لوگوں کو یہاں ملتا ہے' یہ کیسے ملتا ہے؟ اگر ادھر نہ ملے تو آپ کے پاس پھر سند ہی کوئی نہیں ہے۔ تو پیغمبروں کے بارے میں سند ہے' عشرہ مبشرہ کے بارے میں سند ہے' شہداء کے بارے میں سند ہے اور بزرگوں کے بارے میں بھی اللہ نے ارشاد فرمایا ہے عِبَادِی الصّٰلِحُون ' آپ کے قریب کے لوگ جیسے ماں باپ دادا یا آپ سے دو سو سال پہلے کے آدمی جو ہیں ان کی سند ہی کوئی نہیں ہے۔ یا قرآن کریم کے بعد کے جو لوگ ہیں تو ان کی سند کسی فارمولے کے ذریعے ہی آپ ڈھونڈیں گے' تو فارمولا Apply کون کرے گا کہ یہ بندہ شہید ہے کہ نہیں ہے۔ جس کو آپ نے نشانِ حیدر دیا ہے' کیا یہ حیدرؓ کی مرضی سے دیا ہے کیونکہ یہ ہے تو بڑا نشان ہے' اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ہم دنیا سے نیکی کی سند لیتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ ہم نیک کہلاتے ہوں اور عین ممکن ہے کہ ہمیں آگے سند نہ ملے' لہٰذا اس پر ذرا غور کرو' باقی بات میں بتاتا ہوں ............

اگر منشائے فطرت یکسانیت ہوتا تو یہ دنیا کے اندر جتنی بھی ورائٹی ہے' اس کی ضرورت نہیں تھی۔ عابد کی عبادت میں استقامت کے ساتھ یک رنگی' یہ فرشتے کا مقام ہے' فرشتہ جس طرز میں ہے اُسی طرز میں رہے گا' سجدے میں ہے تو سجدے میں رہے گا' رکوع میں ہے تو رکوع میں رہے گا اور وہ پوری اطاعت بغیر چون و چرا کے کرتا جائے گا۔ فرشتے کی حد تک تخلیقِ کائنات نامکمل تھی۔ تخلیقِ کائنات اُس سے آگے ہے۔ آگے انسان کو پیدا فرمایا گیا۔ اور انسانوں کو آپ نے دیکھا کہ عبادت کا ایک جیسا فارمولا ایک جیسا نتیجہ بھی پیدا نہیں کرتا اور غالباً اس کی ایک جیسی منشاء بھی نہیں ہے۔ اگر اللہ کریم صرف یہی چاہتے کہ سارے یکساں عبادت ہی کرتے رہیں تو ماحول یکساں عبادت والا ہو جاتا اور سب کا کام برابر ہو جاتا۔ فرض کرو کسی آدمی کو Genuinely نماز کے دوران کوئی جینئین قسم کی Trouble ہو جائے' تکلیف ہو جائے اور پھر وہ نماز Attend نہ کر سکے تو کیا زندگی میں ایسا ہوتا ہے؟ ہو سکتا ہے۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں۔

اگر کسی کام کی افادیت حج ہے تو اس سے بڑی اور کیا افادیت ہو سکتی ہے' تو وہ حج کرنے گیا' نیکی کا راستہ ہے' ایک انسان چلا گیا' حالاتِ زمانہ گزارے' محنت کی' مال اکٹھا کیا اور چلا گیا۔ سارے لوگ اس نیک راستے پر آئے اور اُس دوران حج کرنے والے سارے نیک لوگ ہیں۔ حج کے دوران کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ نہیں ہونا چاہیے جس پر اسلامی ملت کو وہ واقعہ بیان کرنے پر دقت ہو' خدانخواستہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ حج کے دوران اس کا کوئی نقصان ہو گیا یعنی جیب کٹ گئی۔ یہ سب کچھ میلوں میں تو ہوتا ہے مگر اللہ کے گھر میں ایسا تو



نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی حاجی جا رہا تھا تو دوسرے نے کہنی اتنی زور کی لگائی کہ اس کی طبیعت خراب ہو گئی۔ ایسا ہوتا ہے اور خصوصاً طواف کے موقع پر دو آدمی نیچے آ گئے' یا کسی کو چاقو لگ گیا یا حج کے اندر کم از کم کسی کو جھوٹ بولنے کی توفیق نہ ہو۔ ایسا ہمارے دور میں ہوا تھا' ایک جھوٹا امام آ گیا تھا۔ میں اصل میں کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کم از کم اپنے گھر میں تو اس کو روکے۔ فرض کرو کہ وہ سچا ہی تھا اور اگر امام سچا ہی تھا تو سچے کے ساتھ لوگوں نے وہی کیا جو ہمیشہ سچوں کے ساتھ کرتے آ رہے ہیں۔ اُسے ٹھیک کر دیا۔ تو جو آدمی اللہ کے عمل پر چل رہا ہے تو اُس کو Correspondingly نتیجتاً اللہ کی طرف سے جواب میسر نہیں آیا۔ آپ نے فارمولا غلط استعمال کیا ہے یا پھر فارمولا صحیح بتایا ہی نہیں گیا' مثلاً اگر ہمیشہ عبادت کرنے والا کسی وقت کان میں آ کے یہ کہے کہ مجھے سکون نہیں ہے تو پھر ہم اُسے کیا بتائیں؟ ایک آدمی ہمیشہ عبادت کرنے والا' ہمیشہ نیکی کرنے والا' بڑی دیر سے ایک جائز ضرورت رکھتا ہے' دعا کرتا ہے جیسے اُس کو بتایا گیا ہے اور اگر دعا پوری نہیں ہوئی تو پھر ہم اُس کو کیا بتائیں؟ مثلاً جنگ کا موسم ہو' کافر اور مومن کی جنگ ہو' اور اگر کافر کو طاقت سے اللہ میاں سرفراز کروا دے تو مومن گلہ کرنے میں حق بجانب ہو سکتا ہے اور اگر مومن گلہ نہ کرے گا تو برداشت میں چلا جائے گا۔ تو کیا مومن برداشت میں سے ہی گزریں گے اور صرف ہم ہی برداشت کرتے رہیں گے اور کیا آپ سب شہید ہونے کے لیے ہی پیدا ہوئے ہو کہ آپ لوگ جو کچھ بھی ہیں شہید ہوتے جائیں اور وقت گزرتا جائے۔ پھر یہ دور کیسے چلے گا۔ اس پر آپ ذرا غور کریں اور اپنی زندگی میں تھوڑا سا اصلاح کا پہلو

پیدا کریں۔ اصلاح ہوتی کیا ہے؟ اصلاح کے موٹے موٹے باب جو ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ اپنے حالات کو دعاؤں سے Improve نہ کرو' مثلاً ایک شیشہ خریدنا ہے تو اُس کے لیے لمبی چوڑی دعائیں نہ کرو' خرید سکتے ہو تو خرید لو اور نہیں خرید سکتے ہو تو اِسے چھوڑ دو۔ پھر فارمولا ٹھیک بن جائے گا۔ وہ چیز جو اس دنیا میں کافروں کو محنت کے ذریعے ملتی ہے تو وہ مومنوں کو بھی محنت ہی کے ذریعے ملے گی اور مومنوں کو دعا سے نہیں ملے گی۔ کافروں نے اگر لیبارٹری میں ایٹم بم بنایا ہے تو آپ لوگ مسجد میں ایٹم بم نہیں بنا سکتے۔ اتنا بے باک آپ کو ہونا چاہیے اور آپ لوگ کم از کم اس بات سے اپنے آپ کو آگاہ رکھو۔ یہ نہ کہنا کہ اب دشمن حملہ کرنے والا ہے اور ادھر سے ہم نے پھونک ماردی تو حملہ آور ادھر جا گرے گا' وہ تو ادھر جا گرے گا اور روزِ روشن کی طرح دہلی کے قلعہ میں جھنڈا لگ جائے گا' نعرہ تکبیر لگا کے ہم پہنچ جائیں گے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ تو اپنے حالات کی اصلاح کرو۔ دوسری بات یہ ہے کہ زندگی کے تمام تر واقعات میں' تمام نیکیوں میں ایک ایسی خوبی کم ہوسکتی ہے یا خامی پیدا ہوسکتی ہے یا ایک بدی پیدا ہوسکتی ہے جو ساری نیکیوں کو چاٹ جائے۔ میرا مطلب ہے کہ اس شخص نے ساری عبادت مکمل کی ہے' اُس نے ہر ایک کا حق ادا کیا' اس نے ہر ایک کی عزت کی لیکن اُس سے ایک چھوٹی سی غلطی ہوگئی کہ اُس کی ماں ناراض ہوگئی' ماں نے اُس کی بات سمجھی نہیں تھی اور وہ ناراض ہوگئی' تو ماں بددعا دے کر چلی گئی۔ اب اگر ماں بددعا دے کر چلی گئی تو آپ کے مصلے کو آگ لگ گئی' اب اُس مصلے سے عبادت نہیں بنے گی۔ مطلب یہ ہے کہ عبادتوں کی حفاظت کا جو طریقہ ہے وہ بھی کرنا سیکھو۔



ماں باپ کا رشتہ جو ہے وہ ماں باپ کے حوالے سے سوچو۔ ایک آدمی کا واقعہ ہے کہ وہ زندگی میں عام واقعات کا مالک تھا اور اچانک اُس نے دیکھا کہ حضور پاک ﷺ کے ساتھ زیادتی ہوگئی ہے تو وہ کھڑا ہوگیا اور غازی علم الدین شہیدؒ ہو گیا۔ اب اُس کی باقی زندگی کی تفصیل کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اُس نے نمازِ عصر پڑھی تھی کہ نہیں پڑھی تھی اور ظہر کے وقت وہ مسجد میں حاضر تھا کہ نہیں تھا۔ تو وہ حضور پاک ﷺ کے نام پر کھڑا ہوگیا اور اقبال بھی پیچھے' قوم بھی پیچھے' لوگ بھی پیچھے' بندے بھی پیچھے اور وہ ایک سند ہوگیا بلکہ وہ سند الواصلین ہوگیا۔ تو یہاں تک ہم نے بات کی تھی کہ اپنے واصل ہونے کی سند زندگی میں ضرور تلاش کرنا' اس کو Doubt' شک میں نہ چھوڑنا کہ پتہ نہیں کیا ہوگا؟ اگر یہ کہتے ہو کہ پتہ نہیں کیا ہوگا تو پھر برا ہی ہوگا۔ ایسے تو یہ بات سمجھ نہیں آتی ہے کہ پتہ نہیں کیا ہوگا' ٹھیک ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جو بار بار یہ فرماتا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم کہا کرو کہ ہمیں صحیح راستہ دکھا اور اگر اُس نے صحیح راہ دکھانا ہے تو اتنی بات اُس کو کہنے کی کیا ضرورت ہے' اُس کے بندے ہیں اور ہر روز ہی کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں سیدھی راہ دکھاؤ۔ اور اگر سیدھی راہ دکھا دی ہے تو دوبارہ کہنا ویسے ہی اچھی بات نہیں ہے اور اگر اُس نے دکھانا نہیں ہے تو پھر ہم کہہ کہہ کے تھک گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے راستہ دیکھا ہوا ہے اور اس کی تعریف وہ بتاتا ہے کہ صراطِ مستقیم ہے کہ ان لوگوں کا راستہ ہوتا ہے جن پر اس کا انعام ہوا۔ تو آپ اس کے انعام یافتہ لوگوں کی راہوں پر چلو اور اس کے انعام یافتہ لوگوں کی راہوں کی تلاش کرو' جھگڑا نہیں کرنا ہے۔ جو آدمی آپ کے ذہن میں ہو کہ اس پر کسی

صورت میں اللہ کا انعام ہوا ہے' کسی پر شکل کا انعام ہو گیا' اچھی صورت کا انعام
بھی بڑا انعام ہے۔ اور یہ اللہ کے انعامات کا راستہ ہے اور آپ گن لو کہ اللہ
کے انعامات کیسے کیسے ہوتے ہیں۔ اللہ کے جو انعام ہوتے ہیں انہیں معلوم کرنا
بڑا مشکل تھا۔ آپ کے پاس ماضی کی ساری تاریخ پڑی ہے' اس میں سے آپ
اللہ کے انعام گنوا لو کہ ہم کس کو اللہ کا انعام ہونا کہتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ
پیغمبر ﷺ اور تمام انبیاء کرامؑ جو ہیں وہ انعام یافتہ ہیں اور یہ ہمارا ایمان ہے۔ ان
کی زندگی انعام یافتہ ہے اور وہ تو Pure فارمولا ہے۔ اور ہمارے پاس ایک مکمل
Sample ہے نمونہ ہے۔ پیغمبر کی زندگی میں خوبی کیا ہے؟ اس نے ہر بار اللہ کی
دعوت دینی ہے اور اپنی دعوت ہی نہیں دینی ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں ناں؟
پیغمبر نے ہر بات اللہ کے لیے کرنی ہے اور اپنی زندگی اللہ کے نام پر
برداشت کرنی ہے' پیغمبر جیل میں ہو تب اللہ کا ہے اور وہ کوئی گلہ نہیں کرتا اور اگر
تکلیف میں ہو' بیمار ہو تو گلہ نہیں ہے' پیغمبر جلاوطن ہوئے' شہر اور بستی سے باہر
نکالے گئے' بادشاہ کے گھر سے نکالے گئے اور گھر سے نکالے گئے۔ بڑے جلیل
القدر پیغمبر ہیں موسیٰ علیہ السلام' پہلے ماں سے جدائی ہے' دریا ہے' صندوق ہے'
لہریں ہیں' نیل ہے پھر وہاں محل میں پلنا ہے اور پھر وہاں سے بھی نکلنا ہے اور پھر
نکلتے چلے گئے ہیں لیکن پیغمبر ہیں۔ پیغمبر کے اوپر جو انعام ہے وہ یہ ہے کہ اللہ
سے اس کا رشتۂ خیال ٹوٹتا نہیں ہے' اور ہر حال میں رشتۂ خیال قائم ہے' تکلیف
میں وہ خدا کو جلدی پا لیتا ہے' سکھ میں بھی دیکھ لیتا ہے' شادیوں میں بھی دیکھ لیتا
ہے' غم میں بھی دیکھ لیتا ہے' تو پیغمبر جو ہے اس کی خوبی یہی ہے۔ پیغمبر کہتے اسے



ہیں جو ہر حال میں واصل رہے۔ اولیائے کرام جو ہیں وہ تبع تابعین کے ماتحت
ہیں اس لیے وہ کبھی کبھی دنیا کے بھی کام کر لیتے ہیں اور کبھی کبھی وصالِ حق بھی کر
لیتے ہیں۔ اب آپ کی زندگی کا وہ شعبہ جس میں آپ کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے
اور آپ کہتے ہیں کہ یا اللہ اس کی اصلاح ہو جائے' عین ممکن ہے کہ وہ شعبہ آپ
کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے کا ایک فارمولا ہو' یعنی جس کو آپ دور کرنا چاہتے
ہو یعنی کہ یا اللہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا یہ واقعہ یوں ہو جائے اور یوں نہ ہو جیسا کہ
یہ ہو رہا ہے۔ جیسا ہو رہا ہے اس کو اگر اللہ کی طرف سے ہوتا ہوا دیکھ لو اور قبول
کرو تو شاید اس کے اندر سے آپ کو وہ چیز حاصل ہو جائے جو آپ چاہتے ہو۔
مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو آپ اپنی زندگی میں ناپسند کرتے ہو عین ممکن ہے یہ
ایک گیٹ ہو' اللہ کے قریب جانے کا ایک راستہ ہو۔ اگر آپ اپنی زندگی بدلنا
چاہتے ہیں' تو آپ نے زندگی نہیں بدلنی بلکہ زندگی بدل نہیں سکتی' آپ نے اپنے
آپ کو بدلنا ہے۔ اگر مکان بدلو گے تو پھر بھی اسی جیسا مکان بناؤ گے' دروازہ
ادھر نہیں رکھو گے تو ادھر رکھ لو گے' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' مکان وہی رہتا ہے'
اس میں صرف آپ نے رہنے کا انداز بدلنا ہے اور رہنے کا انداز یہ ہے کہ آپ
شکر میں رہو اور اگر آپ کبھی دل سے شکر کرنا سیکھ لو تو پھر آپ کے ساتھ ہونے
والا ہر واقعہ آپ کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بہت پریشان
نہیں کرنا ہے کہ یہ بھی کر' وہ بھی کر۔ اللہ جو کر رہا ہے ٹھیک کر رہا ہے اور تھوڑا سا تو
بھی کچھ کر۔ مقصد یہ ہے کہ ہر آدمی جو ہے جس آدمی کو ذرا اللہ کا شعور ملتا ہے
جب چار نمازیں پڑھتا ہے تو بل بنانا شروع کر دیتا ہے' آپ کی عادت ہے کہ

مہینہ بھر کام کرتے ہیں تو پھر تنخواہ کا بل بناتے ہیں۔ نماز پڑھی' روزے رکھے اور تیس روزے رکھے یا نہ رکھے لیکن عید کے بل بنانا شروع کر دیے۔ تو لوگ یہ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ سے اس کی رضا ہی مانگو' پھر آپ کو آسانی مل جائے گی' کوئی بزرگ مل جائے تو جس سے دعا لینی ہے اس سے دعا لو' اور جس کی خدمت کرنی ہے اُس کی خدمت کرو۔ فارمولا بالکل بجا ہے لیکن عام طور پر جب بھی انسانوں کی کشادگی ہوئی ہے وہ فارمولے کے علاوہ ہوئی ہے۔ آپ فارمولا جاری رکھو اور کسی آدمی کی خدمت کر دو۔ مثلاً آپ دعا کر رہے ہو' یہ بات مشکل ہے لیکن پھر بھی آپ سمجھو کہ آپ دعا کر رہے ہو کہ یا اللہ مجھے اس وقت کوئی چیز دے دے' کوئی چیز کھانے یا پینے کی دے دو۔ آپ یہ دعا کر رہے ہو اور آپ یہ دعا محویت سے کر رہے ہو' سچے اللہ کے آگے سچی دعا کر رہے ہو' پھر دعا منظور ہوگئی اور کوئی انسان پانی کا گلاس لایا۔ جو انسان پانی کا گلاس لایا تو یہ پانی کا گلاس براہِ راست اللہ کے پاس سے آیا ہے کیونکہ آپ نے کسی کو تو بتایا نہیں۔ ہے بلکہ آپ صرف اللہ کو بتا رہے تھے۔ اب وہ جو پانی لایا ہے آپ یہ سمجھو کہ اس کو کس نے بھیجا ہے۔ تو دعا کے نتیجے کی اتنی عزت کرو جتنی منظور کرنے والے کے ساتھ ہے اور جب دعائیں منظور ہوتی ہیں تو جو سبب بنتے ہیں ان اسباب کی مسبب کے برابر عزت کیا کرتے ہیں۔ وہ دعا جس نے سبب Create کیا' وہ مسبب ہی نے کیا ہے! تو مسبب کا تقرب دعا کے ذریعے Create ہونے والے اسباب میں ہے۔ اس طرح آپ کا مسبب سے تعلق ہو جائے گا۔ جب دعا کرنے والا کہتا ہے کہ میں جنگل میں بیٹھا دعا کر رہا تھا تو آپ یہ چیز کیسے لائے



ہیں؟ کہنے لگا کہ میں یہاں سے گزر رہا تھا اور میں نے سوچا کہ آپ کو پین دے دوں' آپ اس سے لکھا کریں۔ اُس نے کہا پین کو چھوڑو' لیکن میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں کیونکہ تُو تو مجھے وہ آدمی لگتا ہے۔ اور وہ حقیقتاً وہی آدمی ہوتا ہے کیونکہ دل کی بات کے سوال کے جواب میں آنے والا دلوں والا ہوگا اور وہ حادثہ نہیں ہوتا۔ آپ کی غلطی یہ ہوتی ہے کہ جب دعائیں منظور ہوتی ہیں تو آپ اُس کا احسان نہیں مانتے ہیں' ان چیزوں کی وہ عزت نہیں کرتے جو عزت اُن کے قابل ہوتی ہے۔ اس لیے جب آپ کے قریب سے اللہ گزر جاتا ہے تو آپ پرواہ نہیں کرتے۔ مثلاً کسی کی زندگی سے موت گزر گئی' اتنا بڑا واقعہ گزر گیا' عزرائیل پاس سے گزر گیا تو پھر واقعہ ہوگیا' ہنسی والی زندگی میں غم آ گیا تو یہ اللہ نے کر دیا' اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف خیال رکھو' رجوع رکھو' تو وہ آپ کے پاس کہیں نہ کہیں اپنی Indication' نشانی دیتا رہتا ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ یہ جو آپ کی اولاد ہے لوگوں نے الگ الگ رہنا ہے' آج اگر نہیں تو کل الگ رہنا ہے' کل نہیں تو پرسوں الگ رہنا ہے۔ اور جب بھی اولاد نے الگ رہنا ہے تو اولاد نے رہنا ماں باپ کے دل میں ہی ہے اور دل آپ کا Busy ہے' مصروف ہے اور آپ اپنے ماں باپ کے دلوں میں رہتے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ کی یاد کرنے والا اس محبت سے بھی آزاد ہو جائے تو یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے اللہ سے محبت ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اپنے دل کو اتنا آزاد کر دے کہ فطری محبتوں سے بھی آزاد ہو جائے' اس لیے ان فطری محبتوں کو بھی آپ الٰہی محبت سمجھو۔ یہ بھی تو اُس کی مہربانی ہے۔ اور فطری رشتوں کی بھی

وہی عزت کرو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا مقام ہے۔ آپ اولاد کی خدمت بھی کرتے رہتے ہیں اور ان سے نفرت بھی کرتے رہتے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ اپنی لیبر کو Waste ضائع کرتے ہیں۔ آپ اُن سے محبت اللہ کی طرف سے سمجھ کر کرو اور عبادت کر رہے ہو تو عبادت کرتے چلے جاؤ۔ آپ اپنے دور میں اپنا انجام دیکھیں کہ آپ کدھر کو جا رہے ہیں' ''انعمت'' یعنی انعام والے گروہ میں آتے ہیں کہ نہیں آتے۔ آپ اپنے زمانے میں یہ ضرور دیکھیں کہ کیا کچھ لوگ دنیا میں ایسے آئے جو انعمت علیھم والے تھے کہ نہیں آئے۔ آپ یہ سوال اپنے دل میں رکھا کریں کہ اُس پر اللہ کا انعام ہوا کہ نہ ہوا۔ ابھی بخشش کا زمانہ نہیں آیا' وہ فیصلے کا دن ابھی آئے گا' وہ ایک مقرر شدہ دن ہے جس دن انصاف ہونا ہے۔ اگر میں آپ سے یہ پوچھوں کہ وہ دن تو ابھی آئے گا لیکن ہم اپنا اندازہ' تجربہ کریں' تو کیا میاں میر صاحبؒ بخشے ہوئے لوگوں میں پائے جائیں گے؟ آپ کہیں گے کہ ضرور پائے جائیں گے۔ اب یہ آپ کے پاس گواہی کیسے ہے؟ یہ ایک یقین اور ایک تیقّن ہے۔ آپ کا داتا صاحبؒ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ یہ بھی یقین ہے۔ حضور شاہِ جیلانؒ کے بارے میں بھی آپ کو یقین ہے' بابا صاحبؒ کے بارے میں بھی یقین ہے۔ تو آپ کو یہ یقین ہے کہ وہ ''انعمت علیھم'' میں سے ہیں۔ یہ پتہ چل گیا کہ ایسا ہوتا ہے یعنی کہ اللہ کی طرف سے بخشے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ اپنے دادا جان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بخشے ہوئے ہیں' اُن کی عادات اور خصائل ایسے ہوں گے اور ضرور ایسے ہوتا ہوگا۔ اس کے علاوہ جس بزرگ کا نام لیں تو آپ کہیں گے کہ وہ



''انعمت علیھم'' میں سے ہیں۔ آپ کا یہ یقین ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں حضور پاک ﷺ کے زمانے کے بعد' صحابہ کرامؓ کے زمانے کے بعد' کربلائے معلیٰ کے بعد' حضور غوث پاکؒ کے بعد' داتا صاحبؒ کے بعد اور خواجہ صاحبؒ کے بعد بھی یہاں تک بات چلتی آ رہی ہے۔ اُس زمانے میں ''انعمت علیھم'' میں لوگ تھے' یا تو آپ یہ کہیں کہ اس کے بعد ''انعمت'' کے لوگ نہیں آئے۔ تو پھر بار بار کہنے کی ضرورت کیا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم یعنی ہمیں سیدھی راہ دکھا ان لوگوں کی راہ جو ''انعمت علیھم'' میں سے ہیں۔ تو وہ قیامت تک آتے رہیں گے جب تک آپ یہ پڑھتے رہیں گے۔ تو اس بات کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اب آپ کے لیے آسان نسخہ یہ ہے کہ آپ نے زندگی میں کسی انسان کو ڈھونڈنا ہے' جس شخص پر انعمت علیھم' اللہ کا انعام ہوا۔ اس لیے اُس زُمرے کے' اُس Category کے کسی ایک باب کو یا کسی ایک گروہ کو یا کسی ایک سنگت کو آپ نے دریافت کرنا ہے۔ فرض کرو کہ یہ بات ایسے ہی ہے کہ بابا فرید گنج شکرؒ بخشے ہوئے ہیں اور اگر بابا صاحبؒ یہ کہہ دیں کہ میں تم پر اتنا خوش ہوں کہ تم اور ہم بہشت میں اکٹھے رہیں گے تو پھر اُس شخص کے بخشے ہوئے ہونے کی سند مل گئی' یہ سند مل گئی' وہ سند الواصلین ہو گیا۔ اب اگر کوئی شخص جو آپ کی نگاہ میں بخشا ہوا ہو اور آپ کو مل جائے اور وہ آپ کو اپنی سنگت میں ملا لے تو تم پر بھی وہ پرتَو آ گیا۔ یہ جو بعد میں اندیشہ نکلتا تھا کہ کیا ہونا ہے اور کیا نہ ہوگا' تو یہ اندیشہ یہیں حل ہو جائے گا اور پھر آپ سہولت کے ساتھ چل پڑیں گے اور پھر اُس شخص کے ملنے کے بعد آپ کا سارا دینی نظریہ Concept جو ہے وہ Recast ہو گیا۔

Readjust ہو گیا' فارمولا وہی رہا' صرف Readjustment ہو گئی۔ یعنی اگر سر ڈھانپنا ہی ہے اور ٹوپی نہیں پہنتی تو پگڑی باندھ لو' اس سے کیا فرق پڑے گا۔ کہنے کا مدعا یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ Readjustment ہو گئی۔ یہ جو واقعہ ہے یہ عام طور پر نہیں ہوا' اور لوگوں نے اس بات پر دقت پیدا کر دی کہ یہ واقعہ آگے ہوگا حالانکہ یہ آگے نہیں ہوگا بلکہ ادھر ہی ہوگا۔ اب آپ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم دیکھو ومن کان فی ھٰذہ اعمٰی فھو فی الآخرۃ اعمٰی جو یہاں اندھا ہوا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوا۔ جس کو اس کی راہ یہاں نہ ملی' اُس کو وہاں کیا راہ ملے گی' وہاں تو جا کر اللہ تعالیٰ سے دوسرا اسلام کرنا ہے' پہلا اسلام تو ادھر ہی سے ہوگا۔ تو اگر یہاں پر آنکھ نہ کھلی تو آگے آنکھ نہیں کھلے گی۔ کہتے ہیں کہ جب آنکھ بند ہو گئی تو پھر کیا کھلنی ہے' کھلنی تو بند ہونے سے پہلے چاہیے۔ کسی ایسے صاحب نصیب کے ساتھ کسی ایسی چیز کی دریافت ہو' جس کے ساتھ آپ کی وابستگی ہو تو آپ وہاں سے سند لے لو۔ یہ تکلیف یا رواج کی وجہ سے نہ ہو بلکہ دل سے ہو۔ اب اس سند کو شعر کی شکل میں سنو۔

پوچھ اُس سے جو منظور ہے فطرت کی گواہی
تُو صاحبِ منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی

وہ بتائے گا کہ تم ٹھیک ہو گئے ہو۔ اگر وہ کہہ دے کہ تم ٹھیک ہو گئے ہو تو پھر پرچی اپنے سرہانے رکھ کر سو جاؤ اور پھر تم پاس ہو گئے۔ اگر کوئی بھی نہ ملے تو اپنی ماں سے لکھوا لو۔ تو جو جس سنگت میں پرویا گیا اسی سنگت کے ساتھ اُس کا حشر ہوگا۔ اللہ سے بخشش لینے کا بہت آسان طریقہ ہے' اللہ نے یوں نہیں



بولنا جیسے ہم سمجھ رہے ہیں' کہ نماز پڑھنے کے بعد کہے کہ جاؤ تمہاری دعا منظور ہو گئی اور کام ٹھیک ہو گیا ہے۔ ہم نے آپ کو ایک فارمولا بتایا تھا کہ دنیاوی کام عبادت سے نہ لو۔ کافر کو جو چیز محنت سے ملی تمہیں بھی محنت سے ملے گی' ایٹم بم لیبارٹری سے ملا اور فارمولا جیسے ملا ویسے ہی ملے گا۔ عبادت سے تمہیں کیا ملے گا؟ عبادت سے صرف عبادت ملے گی۔ عبادت سے مزید عبادت کرنے کا جذبہ ملے گا۔ جس کی مغرب کی نماز قبول ہو گئی اُسے عشاء کی نماز مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور آپ یہ پڑھتے جاؤ' اس میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے' یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے' اس حکم کے کوئی اجزاء نہیں بنانے' یہ مسلمانوں کے رولز ہیں' یہ اُن کی Shape ہے' یہ اُن کی Drill ہے اور یہ اُن کا مقام ہے۔ دنیاوی طور پر اللہ تعالیٰ آپ کو آسودگی عطا فرمائے۔ پھر آسودگی ہو جاتی ہے۔

سوال:

اللہ تعالیٰ کی یہ بات سمجھ نہیں آتی جو اس نے قرآن میں فرمائی ہے کہ میرے پتھروں سے نہریں نکلتی ہیں اور یہ کہ انسان اور پتھر جہنم کا ایندھن بنیں گے...........

جواب:

جس کی کائنات ہے وہ جانتا ہے کہ اس نے دوزخ کیوں بنائی ہے۔ یہ وہی جانے۔ دوزخ کیا ہوتی ہے' یہ وہ جانے۔ آپ بس اپنی جان بچاؤ' تم پتھر ہو کہ تم جمادات ہو۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اپنی نجات کی راہ دیکھو اور آپ تو ان کی ابتلاء کی راہ دیکھ رہے ہو۔ آپ کو اپنی نجات کی راہ دیکھنی چاہیے ...........سب

پتھروں سے نہریں جاری نہیں ہوتی ہیں' کچھ پتھر ہیں جن کا تخصیص کر کے بتا دیا گیا ہے' ایک پتھر اسود ہے' ایک احمر ہے۔ ان کا فرق سمجھ لو۔ یہ رنگ کا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو فضیلت دی' تمہیں محبوب کیا' تم پر بڑے انعامات ہوئے۔ اور آگے پھر یک لخت اللہ فرماتا ہے کہ ثم قست قلوبکم کہ تمہارے دل سخت ہو گئے فھی کالحجارہ جیسے کہ وہ پتھر ہیں۔ یعنی کہ یہ انسان کا خدا سے دور ہونے کا نتیجہ بتایا کہ تم پتھر ہو گئے۔ یہاں اتنے بڑے کام کی بات کی ہے' لطف دار بات ہے' اور اگر اس کو غور سے سمجھو کہ اللہ نے کیا کہا کہ تمہارے دل پتھر ہو گئے' جیسے کہ وہ پتھر ہوں حالانکہ میرے پتھروں سے بھی نہریں جاری ہیں اور وہ بھی روتے ہیں اور تم روتے ہی نہیں ہو' تمہارے دل اتنے سخت ہو گئے ہیں کہ تمہاری آنکھ پتھرا گئی۔ تو اس پہ غور کیا کرو۔ یعنی کہ نہ رونے والے انسان کو پتھر سے بدتر کہا ہے۔ جس آنکھ سے آنسو جاری نہیں ہوتے وہ پھر انسان کیا ہوا' پتھر ہی ہو گیا۔ تو پھر رونے والا پتھر جو ہے یا رونے والا آدمی جو ہے یہ اگر دوزخ میں جائے تو پھر دوزخ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ آپ کا دوزخ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ بلکہ دوزخ ہے ہی یہی کہ آنکھ کا پتھر ہو جانا۔ جس دوزخ کی خوراک اور آگ یہ پتھر ہیں' اس پتھر کو آگ لگی ہوئی ہے۔ انسان ایک تو گناہ کرتا ہے اور پھر اکڑتا ہے' ایک تو دوزخ میں جا رہا ہے اور پھر پتھر بنا ہوا ہے' تو یہ پتھر ہے دوزخ کی خوراک۔ کون سا؟ جو اکڑا ہوا پتھر کی طرح ہے اور خوراک دوزخ کی ہے۔ پتھر دل انسان پتھر ہی بن کر جہنم میں جا رہا ہے' وہ جہنم کا ایندھن ہے کیونکہ پتھر دل ہے' اس پر مانگنے والے کا ذرا اثر نہ



ہوا' اُس نے کہا کہ خدا کے لیے دے' لیکن یہ پتھر کا پتھر ہی رہا۔ تو یہ پتھر دوزخ میں جا رہا ہے اور اُس دوزخ کی خوراک یہ پتھر ہے۔ جس کو نہ اپنے پر رحم آیا اور نہ بیگانے پر رحم آیا تو وہ ظالم ہے ........... اللہ تعالیٰ نے تو بڑی بڑی باتیں بتائی ہیں' آپ لوگ اللہ کی باتوں کو بڑے غور سے دیکھا کرو تا کہ بحث نہ ہو۔ سوال وہ پوچھا کرو جو بات آپ کو سمجھ نہ آئے۔ سب سے اچھا خوش قسمت انسان اور سب سے بڑا بدقسمت انسان کون ہے؟ جو امیر ہو اور نرم دل ہو' جس کی جیب بھی بھری ہوئی ہو اور نگاہ بھی بھری ہوئی ہو' وہ سب سے خوش قسمت انسان ہے۔ اور سب سے بدقسمت انسان کون ہے؟ وہ جس کی جیب بھی خالی ہو اور دل بھی خالی ہو۔ ایسا شخص بدقسمت ہے۔ غریب ہو کے ظالم ہونے والا آدمی سب سے زیادہ بدقسمت ہے۔ اس طرح بڑے لوگ نظر آئیں گے کہ غریب اور پھر ظالم ہیں۔ آپ لوگوں کو بتانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ دل میں کبھی سوچو کہ جنت میں آپ کے خیال میں جو جو لوگ آپ کے قریب ہونے چاہییں تو آپ زندگی میں اُن لوگوں کے قریب رہنا۔ یہ آدھی جنت ہے۔ تو آپ کے مطابق جو لوگ جنت میں آپ کے قریب ہونے چاہییں' زندگی میں اُن کے قریب رہنا اور مکانوں میں دیوار نہ ڈالنا' اگر یہ غلطی کر بیٹھے ہیں' دیوار ڈال بیٹھے ہیں تو پھر مٹا دو۔ تو جن لوگوں سے مل کر جنت میں رہنا چاہتے ہیں اور یہ آپ چاہتے ہیں کہ جنت میں وہ آپ کے پاس ہوں تو زندگی میں اُن لوگوں کے ساتھ محبت سے رہنا۔ یہ آدھی جنت ہے اور باقی کی آدھی جنت یہ ہے کہ جو لوگ آپ کو ناپسند ہیں وہ بھی وہاں ہو سکتے ہیں' آپ اُن کو وہاں ناپسند نہیں کر سکیں گے؟ اس لیے اُن کو ناپسند کرنا

یہاں پر ہی چھوڑ دو۔ اس طرح آپ کی جنت بن گئی اور جنت یہاں سے بنا کر جاتی ہے۔ جنت کہاں سے بنا کر جاتی ہے؟ یہاں سے ہی بنا کر جاتی ہے۔ پسند کے جو لوگ ہیں اُن سے مل جاؤ۔ اور آپ کی یہ دیواریں ساری عارضی ہیں کہ یہ میرا مکان ہے اور یہ تیرا مکان ہے' یہ تیری قبر ہے' یہ میری قبر ہے' یہ تیرا قبرستان' یہ میرا قبرستان' یہ سب Non sense ہے' آپ محبت کے ساتھ رہو' اور جو لوگ آپ کو ناپسند ہیں عین ممکن ہے کہ وہ جنت میں ہوں اور اگر جنت میں آپ نے جا کر جھگڑا کر دیا کہ یا اللہ! یہ کدھر سے آ گیا۔ تو وہ آپ کو اٹھا کے رکھ دے گا اور پھر تمہیں دوزخ میں ڈال سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کے دل میں کسی کو ناپسند یدہ سمجھنے کی گنجائش نہیں رہنی چاہیے۔ ناپسندیدہ شخص کو اللہ جانے اور اللہ کا کام جانے' اگر کسی ناپسندیدہ شخص کو اللہ معاف کر سکتا ہے تو اس کو آپ کیوں نہیں معاف کر سکتے۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو اللہ معاف نہیں کر سکتا۔ صرف ایک آدمی کے ساتھ آپ کو ناراض ہونے کی اجازت ہے کہ جس نے آپ کے سامنے حضور پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ ورنہ اور کسی کے ساتھ آپ کو ناراض ہونے کا حق نہیں ہے۔ باقی ہر ایک کو بخش دو۔ چور جو مال لے گیا اُس کو دعا دو' اور اگر اُس کا پتہ ملے تو اس کی مدد کر دو تا کہ آئندہ چوری نہ کرے۔ وہ غریب آدمی تھا جو مدد لے گیا۔ بچوں کو بہت دعا دیا کرو اور انہوں نے اپنی زندگی آپ ہی گزارنی ہے اور آپ کا علم انہوں نے قبول نہیں کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اور ہی علم دینا ہے' اور آگے اور زمانے آ رہے ہیں۔ تو آپ نے کسی کے ساتھ دقت نہیں کرنی' رنجش نہیں کرنی' آپ کا دل جنت کب بنے گا؟ جب اس میں ہر طرح کے لوگ ایک' یکساں پسند کے ساتھ موجود رہیں۔ ایک آدمی آیا اور کسی کی



ان میں گستاخی کی' پھر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور اُسے معاف کر دیا۔ ب اللہ نے اُس کو معاف کر دیا ہے تو آپ بھی اسے معاف کر دیں۔ اس طرح ب کے لیے معافی کا جذبہ رکھیں اور سب کے لیے دعا کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ب پر رحم فرمائے اور کرم فرمائے۔

صلی اللہ تعالی علی خیر خلقه ونور عرشه سیدنا و مولنا محمد ہ واصحابه اجمعین۔ آمین ۔ برحمتک یا ارحم الرحمین۔

# 6

1 کیا ولی پیدائشی طور پر ہوتے ہیں یا کسی پراسیس سے گزرنے کے بعد بنتے ہیں؟

2 اگر کسی سے محبت ہو تو اس کے ساتھ کہاں تک Liberty لی جاسکتی ہے؟

3 ایسی صورت میں اقبالؒ کے ''شکوہ'' کا کیا مقام ہے؟

4 ایک غیر مرئی آواز سن کر دل بند ہوتا ہے اور سانس رکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے' تو اُس آواز کو کیا کہا جاسکتا ہے؟

5 فقیری کے یہ جو فارمولے بنے پڑے ہیں ان کا کیا کریں؟

6 تو یہ جو درد ہے کیا یہ بھی عنایت ہے؟

7 کیا خواہش کو Curb کرنا چاہیے؟

8 یہاں پر ہم سوال کر کے آپ سے جواب پالیتے ہیں' ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب آپ نہ ہوں پھر سوال ہو اور پھر بھی جواب ملے اور اُسی آواز میں ملے' تو کیا ہم اُس کو سچا جانیں؟

9 شکر کا جو احساس ہے وہ کیسے ادا ہونا چاہیے؟

سوال:

کیا ولی پیدائشی طور پر ہوتے ہیں یا کسی پراسیس سے گزرنے کے بعد بنتے ہیں؟

جواب:

آپ یہ بتائیں کہ کبھی کسی بچے ولی کی قبر آپ نے دیکھی ہے؟ کیا کوئی ایسا ولی کامل دیکھا ہے جو بارہ سال کی عمر میں انتقال فرما گیا۔ آپ نے نہیں دیکھا ہوگا۔ کیا ایسا ہوا کہ ساڑھے چھ سال کی ولیہ مرگئی؟ مطلب یہ ہوا کہ یہ ودیعت والی بات تو نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ علی اصغرؑ کا نام لو تو وہ پیدائشی ولی ساز ہیں' وہ تو ولی ساز ہوئے اور ولی گر ہوئے۔ تو ولی جو ہے یہ نسبت کا نام ہے' فارمولے کا نام نہیں ہے' بچپن میں مل سکتا ہے اور بعد میں بھی مل سکتا ہے۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ آپ چاہتے ہیں کہ کوئی ایک Process ہونا چاہیے' اُس میں چلنا چاہیے اور پھر ہم One fine moming ایک صبح ہم ولی بن جائیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی جس طریقے سے ولی بن گیا تھا' آپ بھی اس طرح کر کے ولی بن جائیں۔ ولی آپ کے ماننے سے بنتا ہے' اگر آپ نہ مانیں تو وہ آپ

کے لیے ولی نہیں ہے۔ ماننے والا کہتا ہے کہ وہ میرے لیے ولی ہے' پیر ہے' جس طرح کہتے ہیں کہ چاہے میری کوئی بات نہ مانے لیکن میرا باپ ہی میرا باپ ہے۔ تو وہ اس رشتے سے کیسے نجات پا سکتا ہے' اگر اس میں عقل نہیں ہے پھر بھی وہ باپ ہے۔ آپ میری بات سمجھے؟ تو ولی کون ہوا؟ ولی نسبت سے ہے' جس طرح باپ رشتے سے بنتا ہے اور باپ Process سے' عمل سے' نہیں بنتا ہے ......... یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ باپ علم والا ہونا چاہیے تب ہی اُسے باپ ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ باپ پڑھا لکھا ہے' نہیں پر باپ بنا ہوا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ پھر بھی تیرا ابا ہے۔ تو وہ رشتہ ہی ایسا ہے۔ لہٰذا اگر وہ پڑھا لکھا نہ ہو تب بھی باپ ہے اور واجب الاحترام ہے۔ آپ بات سمجھے؟ یہ نہ کہنا کہ ہمارے پر حکم چلانے والا کم از کم ہم سے زیادہ دانا ہونا چاہیے۔ تو وہ کہتا ہے کہ اگر باپ نادان ہو تب بھی اُس کا حکم ماننا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ولی ہو' اللہ کا دوست ہو' ظاہراً اس کی ساری باتیں غلط ہوں' تمہاری سمجھ سے باہر ہو وہ پھر بھی ولی ہے۔ اللہ پیغمبروں کی بات نہ مانے تب بھی پیغمبر جو ہیں وہ پیغمبر ہیں' یہ اللہ کی مرضی ہے کہ کسی پیغمبر کی دعا پوری کر دی اور کسی کی پوری نہ کی۔ وہ تو ہے ہی اللہ' اسی کا نام اللہ ہے جو پرواہ نہ کرے۔ اُسے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ میاں اس طرح آپ کی Popularity' شہرت میں فرق آئے گا۔ وہ تو Popularity' شہرت سے آزاد ہے کیونکہ وہ ہے جو اللہ' کوئی مانے یا نہ مانے وہ پھر بھی اللہ ہے' وہ جو کچھ کر سکتا ہے اگر وہ نہ کرے تو یہ اس کی شان کے خلاف نہیں ہے۔ یہ رونق ہے اس کی۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اُسے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اے اللہ آپ سارے کام کر تو سکتے



ہیں لیکن یہ تو آپ نے نہیں کیا۔ اللہ کہتا ہے میں تو کیا سے کیا کر کے دکھا دوں۔ لوگوں نے پوچھا کہ قیامت کیسے آئے گی؟ تو اللہ نے فرمایا کہ قیامت کا بعد میں سوچنا' یہ دیکھو پہاڑ ہے اور یہ میدان ہے' پہاڑ سے پہاڑ کے دامن تک مٹی دیکھو' تم قیامت کا کیا فکر کر رہے ہو' یہ تو دیکھو کہ میں نے یہ سب کیسے بنا دیا ہے' یہ تو دیکھو کہ پتھر کے ساتھ مٹی اور مٹی کے ساتھ پتھر' آسمان بغیر کسی ستون کے' زمین بچھونا ہے' پھر تمہیں نیند آ جاتی ہے' اب جو نیند پیدا کر سکتا ہے اُس سے قیامت کی بات کیا پوچھتے ہو؟ کیا بات سمجھ آئی و جعلنا اللیل لباسا و جعلنا النهار معاشا ہم نے رات کو لباس بنایا اور اور دن کو معاش بنایا۔ صبح ہوتے ہی سارے معاشیات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور رات لباس ہے' آرام ہے اور صحت ہے۔ قیامت کی بات کیا پوچھتے ہو' وہ تو آ جائے گی لیکن آپ یہ دیکھو کہ یہ سب کیا ہے۔ تو جو یہ سب بنا سکتا ہے اُس کے لیے کیا مشکل ہے' جب پہلی دفعہ پیدا کرنا اُس کے لیے مشکل نہیں ہے تو دوبارہ پیدا کرنا اُس کے لیے کون سی مشکل ہے۔ یہ نہ کہنا کہ دوبارہ کیسے پیدا کرے گا کیونکہ ایک دفعہ تو فنا ہو گئے' مٹی ہو گئے۔ تو اللہ کہتا ہے کہ کیا پہلے مجھے پیدا کرنا مشکل لگا' کیا میں نے کہا ہے کہ مجھے مشکل لگ رہا ہے' Unaided بغیر کسی کی مدد کے سارا کچھ بنایا' جب سورج بنانے میں مجھے مشکل کوئی نہیں ہے تو کیا موم بتی بنانا مشکل ہے۔ گویا کہ اللہ کو اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ باتیں پوری ہوں کہ نہ ہوں' انسان کہے یا نہ کہے اور تم مانو کہ نہ مانو۔ وہ چاہے تو پیغمبر کی بات کو صداقت بنا دے۔ پیغمبر کہہ سکتا ہے کہ میں نے تو بتا دیا تھا اب آگے اللہ کی مرضی۔ تو وہ مکمل طور پر پیغمبر ہیں' اگر ایک پیغمبر

نے کہہ دیا کہ کل عذاب آنے والا ہے اور عذاب نہیں آیا تو پھر بھی وہ پیغمبر ہیں۔
اب آپ کو راز کی بات بتاتے ہیں کہ ولی جو ہے وہ Born بھی ہے اور Made بھی ہے۔ پیدائشی بھی ہے اور بنایا بھی جاتا ہے۔ Process کا نام بھی ولی ہے اور Step کا نام بھی ولی ہے یعنی عمل اور درجے کا نام ولی ہے۔ He should pass through the process or he should step otherwise وہ پراسیس سے گزر کر بھی ولی بن سکتا ہے اور ویسے بھی ولی بنایا جا سکتا ہے۔ اب Step والا ولی بن گیا۔ دیکھنے والا کہتا ہے تو کیسے ولی بن گیا؟ کہتا ہے کہ میں محبوب ہوں، کسی ولی ساز کا محبوب ہوں، ولی گر کا محبوب ہوں۔ تو جو ولی گر کا محبوب ہے وہ ولی ہے کیونکہ جو ولی گر ہے اُس کا کام ہے ولی بنانا اور وہ اُس کا محبوب ٹھہرا، اس کی صفات کا پتہ نہیں کہ کیا ہیں۔ لہٰذا ولی جو ہے وہ ولی ہے۔ کہتے ہیں کہ دوستوں کا دوست ہوتا ہے اور دشمنوں کا دشمن بھی دوست۔ اور اگر دنیا میں اللہ کا ایک بھی دوست ہے تو اُس دوست کے جتنے دوست ہیں سارے اللہ کے دوست ہیں۔ تو حضور پاک ﷺ کے جتنے بھی چاہنے والے ہیں یا چاہے جانے والے ہیں وہ سارے اللہ کے دوست ہیں۔ تو فارمولا کیا بنا؟ اللہ کے دوست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ کے حبیب ﷺ کے دوست کے چاہنے والے یا وہ جن کو حضور ﷺ نے چاہا وہ ولی ہیں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جن کو اللہ کے حبیب ﷺ نے چاہا۔ وہ کون لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے محبوبؐ دعا کر رہے ہیں کہ یا اللہ تعالیٰ کہ یہ شخص مجھے دو۔ تو چاہا جانے والے کا چاہا ہوا ولی ہے، جس کو چاہنے والے نے چاہا، جس کو چاہے جانے والے نے چاہا وہ ولی ہے۔ تو ولی کسی اور



فارمولے کا نام نہیں ہے۔ یہ نہ کہنا کہ اتنے وظیفے کیے لیکن ولی نہیں بنا۔ وظیفے سے ولی نہیں بنتا۔ طوطا چاہے جتنا ذکر کرتا جائے طوطے کا طوطا ہی رہے گا۔ تو ولی نہ ذکر سے بنا، نہ فاقے سے بنا اور اگر تُو سمجھتا ہے کہ نہانے دھونے سے بنے گا تو فقیر کہے گا کہ مینڈک بھی سارا دن نہاتا رہے مگر مینڈک ہی رہتا ہے، ٹراتا رہے گا۔ تو وہ صفت کیا ہے جس سے ولی بنتا ہے؟ وہ صفت ایک ہی ہے، اگر تیرا دل صاف ہو جائے، اگر دل آئینہ ہو جائے تو وہ خود بخود آ جائے گا جس کے لیے دل صاف کیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ سانچ جیسی عبادت کوئی نہیں، سچ جیسی عبادت کوئی نہیں ہے اور جھوٹ جیسا گناہ کوئی نہیں ہے، جس میں جتنا سچ ہے وہ اتنا ولی ہے۔ اگر کسی نے سچ بول دیا اور کہتا ہے کہ میں نے کوئی عبادت نہیں کی تو وہ ولی ہو سکتا ہے۔ آپ تو فارمولا بناتے ہیں کہ اس نے کوئی عبادت نہیں کی ہے اس لیے یہ کچھ نہیں بن سکتا جب کہ یہ عبادت ہی تو کر رہا ہے، سچ بولنے کی عبادت کر رہا ہے۔ اور تم جھوٹ بولتے ہو، چار عبادتیں کرتے ہو اور بتاتے پانچ ہو، تو اس طرح آپ کی ساری عبادت اکارت جاتی ہے اور سب بے کار ہو جاتا ہے۔ تو سچ جیسی عبادت نہیں ہے اور جھوٹ جیسا کوئی گناہ نہیں ہے، اور جس میں جتنا سچ ہے اُس میں اتنا ہی اللہ ہے اُسی کو ولی کہتے ہیں۔ ولی کس کو کہتے ہیں، جس کے ساتھ اللہ ہو نحن اولیوءُ کم فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ اس دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں ہم تمہارے ولی ہیں اور تم ہمارے ولی ہو، دوست ہو۔ اللہ کا فرمان ہے کہ میرے بندوں نے کہا کہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور وہ ہمارا رب ہے اور وہ اس بات پر قائم رہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم

الملئکۃ تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔تو اللہ نے اپنے دوستوں کے بارے میں فرمادیا ہم تمہارے ولی ہیں دنیا کے اندر اور آخرت کے اندر۔جس کا اللہ ولی ہو تو اُسے آپ کیا کہیں گے؟ مثلاً کسی کو آپ حضور غوث پاک" کہہ دیں' اگر وہ ولی ہیں اور آپ کو ولایت کا فارمولا معلوم بھی ہو جائے اور آپ سے پوچھا جائے کہ وہ کیا فارمولا ہے تو آپ کہیں گے کہ بڑا ولی وہ ہے جو زیادہ پیسے سے نواز دے۔اور اگر یہی بات ہے پھر تو کافروں کے پاس بے شمار پیسہ ہے اور وہ آپ کو بھی دیتے ہیں۔یہ بات کہ کیا وہ اللہ کے دوست تھے؟ تو اس کا فیصلہ اللہ کرے گا اور اگر اللہ نے فیصلہ کرنا ہے تو اللہ کا فیصلہ تو ہو گیا ہو گا' وہ ابھی ہونا باقی تو نہیں ہے' تو یہ ہے ولایت۔جب اللہ کا Announced Decision ہو جائے' فیصلے کا اعلان ہو جائے تو وہ ولی ہو جاتا ہے اور یہ Announcement' اعلان ہو جاتا ہے۔ایک بزرگ کے بارے میں لکھا گیا کہ وہ صاحب جو تھے اچھی زندگی بسر کرنے سے گریزاں تھے' ایک دفعہ نشے کے عالم میں آرہے تھے' راستے میں انہیں کاغذ کا ٹکڑا ملا جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا' انہوں نے اٹھالیا کہ کہیں بے ادبی نہ ہو جائے اور اُس کو خوشبو لگا کر دیوار پر رکھ دیا۔یہ حضرت جنید بغدادیؒ کے زمانے کا واقعہ ہے۔صبح صبح حضرت جنید" تشریف لے گئے اور انہیں مبارک دی کہ آپ ولی ہو گئے ہیں۔انہوں نے کہا میں تو گناہ گار آدمی ہوں' میں کہاں اس قابل کہ آپ ہمارے گھر میں آئیں' آپ میرے گھر مجھے شرمندہ کرنے آئے کیوں ہیں' تو انہوں نے کہا کہ اللہ نے کہا ہے کہ آپ ولی ہیں۔ تو آپ کے اندر کیا خوبی ہے کہ آپ ولی بن گئے ہیں؟ اُس نے کہا کہ خوبی تو کوئی



نہیں ہے' ہم شراب پیتے ہیں اور ہر وقت شراب کا عالم ہے۔جنید بغدادیؒ نے کہا اللہ نے تو سچ کہا ہے اور تیری Announcement کی ہے' ولایت کا اعلان ہوا۔اُس نے کہا واقعہ تو یہ ہے کہ رات کو میں آرہا تھا کہ اللہ کا نام نظر آیا' میں نے خوشبو لگا کر رکھ دیا۔انہوں نے کہا کہ پھر اللہ کا جواب یہ ہے کہ" تُو نے میرے نام کو خوشبودار بنایا اور میں تیرے نام کو خوشبودار بناؤں گا"۔تو وہ اللہ کا ولی بن گیا ............تو اللہ کے ولیوں کی داستانیں اور ہیں اور اُن میں فارمولے لگانے کی کوشش نہ کرنا کہ اللہ کا ولی کیسے ہوتا ہے؟ بعض اوقات ایک آدمی ہوتا ہے جسے ولایت کا کوئی شعبہ تک نہیں آتا' اسے پتہ نہیں ہوتا کہ ولایت کے کیا شعبے ہوتے ہیں کیونکہ اُس بے چارے کو پتہ کوئی نہیں ہوتا۔ولی کے آستانے پر لانگری صرف روٹی پکاتا ہے اور لانگری کہلاتا ہے' تو ولیوں کا لانگری بھی ولی ہے۔آپ بات سمجھ رہے ہیں۔تو ولیوں کے شعبے الگ الگ ہیں۔تو وہ جو ولیوں کو کھانا کھلانے والا ہے خود ہی ولی ہو گا۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ولی ہونا جو ہے یہ استقامت کی بات ہے' باقی عام طور پر ولی کی Maturity کے' شعور کے بعد ولی Announce ہوتا ہے' اس کا اعلان ہوتا ہے' یہ ازل سے ایسا ہے۔اب آپ اگر یہ کہیں کہ ایک آدمی جو چالیس سال یا پچاس سال میں ولی بن گیا تو کیا یہ ولایت ودیعت تھی؟ بالکل ودیعت تھی۔یہ نہ کہنا کہ اس سے پہلے ایسا تھا' یہ تھا' وہ تھا' تو وہ جو ایسا ویسا تھا ابھی اُس کی تشکیل ہو رہی تھی' اور اب وہ اپنے آپ میں آگیا ہے' اپنے آپ کو پہچاننے لگ گیا ہے۔تو ولی جو ہے وہ پیدائشی ہے بلکہ قبل اَز پیدائش ہے اور Announcement اعلان جب ہو جائے تب ہو جائے گا۔

اگر ولی کا ایک مرید نہ ہو وہ تب بھی ولی ہے' ولی اپنے آپ سے بے خبر رہے تب بھی ولی ہے' ولی سے لوگ بے خبر رہیں تب بھی وہ ولی ہے' ولی کی باتیں پوری ہو جائیں تب ولی ہے اور ولی کی ایک بھی بات پوری نہ ہو تب بھی ولی ہے۔ تو ولی کی بات ہی عجیب ہے۔ میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے کہ مشکل کشائی تو مشکل کشاؒ کی ہے لیکن یہ مشکل کشائی اپنے لیے نہیں ہے' پھر بھی وہ مشکل میں ہونے کے باوجود مشکل کشا ہے۔ تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلے اپنی مشکل حل کریں کیونکہ آپ مشکل کشا ہیں۔ وہ ہر حال میں مشکل کشا ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشکل کشائی کی جو بات ہے وہ مشکل کشائی کی ہی بات ہے۔ آپ اس بات پر غور کریں کہ ولی جو ہے وہ ولی ہے اور آپ کے کسی فارمولے کا وہاں کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کو صرف ولی ہی پہچان سکتا ہے' ولی کا فارمولا یہ ہے کہ اس کی صرف پہچان ہوتی ہے اور اس کے لیے ایک نظر ہوتی ہے۔ ولی اگر مشکل کو کشا کر دیں تب ولی ہیں اور نہ کریں تب بھی ولی ہیں۔ تو ولی کا شعبہ ایسا ہے کہ صرف ایک ولی ہی دوسرے ولی کو پہچانتا ہے' یہ اللہ کی رضا کا شعبہ ہے' اللہ کی مرضی کا شعبہ ہے' جس کو چاہے اللہ مقبول کر دے اور جسے چاہے منظور کر لے ؎

جسے چاہا در پہ بلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا

تو ولی کی پہچان کیا ہے؟ کہ اپنے آپ کو پہچانو' اپنی خواہشات کی گٹھڑی کا خیال کرو کہ پھینکی ہے کہ نہیں پھینکی' میرا خیال ہے کہ پھینک ہی دینی چاہیے۔ اب یہ نہ کہنا کہ ولی بننے کا فارمولا تو بتایا نہیں باقی ہر چیز بتا دی ہے کہ یہ صوفی آرڈر ہے' یہ قادری آرڈر ہے' یہ نقشبندی آرڈر ہے' یہ چشتی آرڈر ہے' یہ فلاں Sect کا آرڈر



ہے' اُس میں یہ ہوتا ہے' اس میں یہ ہوتا ہے' سانس روک کر ذکر کیا جاتا ہے' با آواز ذکر کیا جاتا ہے' کہیں قوالی ہے اور کہیں قوالی نہیں ہے' قوالی سے کوئی فرق نہیں پڑتا' قوالی میں بے شمار لوگ ولی اللہ تو کیا انسان ہی نہیں ہیں۔ قوالی میں قول' کلام جب تک کسی درویش کا نہ ہو تو قوالی' قوالی ہی نہیں ہے' یہ غزلیں پڑھتے ہیں' دوسری چیزیں پڑھتے ہیں' مثلاً یہ کہنا کہ ؎

یہ مسجد ہے یہ بت خانہ چاہے یہ مانو چاہے وہ مانو

اس طرح تو یہ دونوں برباد ہو جائیں گے یعنی گانے والا اور سننے والا۔ آپ صرف وہی بات مانو جو آپ کا عقیدہ ہے۔ اگر بزرگ ایسی بات کہیں تو صحیح ہے جیسے شاہ نیازؒ نے کہا ہے کہ ؎

کافرِ عشق ہوں میں بندۂ اسلام نہیں
اُن کی یادوں کے سوا اور کوئی کام نہیں

اب اُن کی یادوں میں واقعہ اور طرح کا ہو گیا۔ لوگ ایسے کام کرتے رہتے ہیں کہ فارمولے بنا بنا کر اسلام کو توڑتے رہتے ہیں۔ تو اللہ کے ہاں کسی کا کوئی فارمولا نہیں چلتا۔ وہاں کیا فارمولا چلتا ہے؟ کہ وہ جانے اور اس کی پسند جانے' جس کے دل میں اللہ کی یاد ہے وہ ولی ہے' اللہ نے جس کو اپنے پاس جگہ دی ہے وہ ولی ہے' جس کے لیے اللہ کا سلام آتا ہے' وہ ولی ہے۔ تتنزل علیھم الملئکۃ اور اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ تو وہ کون لوگ ہیں؟ وہ ولی ہیں۔ جس نے اپنی زندگی میں یا اپنی دنیا میں اللہ کو مقام اور جگہ دی اللہ کی دنیا میں اُس کا مقام اور جگہ ہے۔ جس نے اپنے دل کو اللہ کی یاد سے معمور کیا اُس کو اللہ تعالیٰ نے پسند

کیا۔ تو یہ آپ کے دل کی بات ہے' آپ جس کو یاد کرو آپ اُسی کے محبوب ہیں۔ پہلے محبت کرو تو پھر محبوب ہو۔ فارمولے سے گریزاں رہو۔ اگر ایک فارمولا آپ کو اُڑان دے تو دوسرا فارمولا آپ کو گرا دے گا۔ جب آپ فارمولے کے ساتھ اُڑ رہے تھے تو اُس وقت کی نماز کیسے قضاء ہوئی؟ یہاں پر دوسرا فارمولا گرا گیا۔ لہٰذا اس طرح نہ اڑو تا کہ گرنا نہ پڑے' اتنا اونچا نہ اُڑو کہ گرنے پر چوٹ لگے' کرامتوں سے گریز کرو' یہ بڑی کرامت ہے کہ اگر غم آئے تو تسلیم کر جاؤ' برداشت کر جاؤ' تکلیف آئے تو شور نہ مچاؤ' پیسہ آئے تو غرور نہ کرو' نہ مغرور ہونا اور نہ مایوس ہونا۔ یہ دو کام کر دو تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ کیا کہا؟ کہ نہ مغرور ہونا اور نہ مایوس ہونا' پیسہ چلا جائے تو مایوس نہیں ہونا اور پیسہ آ جائے تو مغرور نہیں ہونا۔ ولی بننا تو بعد میں دیکھا جائے گا لیکن پہلے انسان تو بنو.......... آپ بولیں۔

سوال کریں۔ آپ سوچا کریں اور گھر سے ہی سوال سوچ کر آیا کریں۔

سوال:

اگر کسی سے محبت ہو تو اس کے ساتھ کہاں تک Liberty لی جا سکتی ہے؟

جواب:

Liberty لینا ایک محاورہ ہے' یہاں پر لبرٹی لینے کا مطلب آپ بے تکلف ہونا لے رہے ہیں۔ آپ نے انگریزی استعمال کی ہے اور اگر صرف لفظ Liberty ہو تو اس کا مطلب اور ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ اس لبرٹی میں Respect' احترام کتنا ہے۔ یعنی کہ محبت کے حوالے سے انسان کس حد تک فری ہو سکتا ہے۔ اور کیا! ایسا ممکن ہے؟



؎ یار کی جب گفتگو ہونے لگی
آپ سے تم' تم سے تُو ہونے لگی

کیا ایسا ممکن ہے؟ ممکن ہے۔ اب جو محبت ہے اور احترام ہے اس کا ایک شعر میرؔ نے کہا تھا ؎

دور بیٹھا غبارِ میرؔ اُن سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

یعنی کہ عشق اتنا تھا اور ادب کا مقام اتنا تھا کہ دور ہو کے بیٹھ گیا' غبار بھی دور ہو کر بیٹھ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ عشق کی خوبی یہ ہے کہ محبوب کے حوالے سے بزدل بنا دے گا' کمزور کر دے گا اور باقی لوگوں کے لیے بے باک کر دے گا۔ وہ صرف پروگرام بناتا رہتا ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں ہم وہ کہتے ہیں اور اسی پروگرام میں کہتے کہتے ہی اگر وہ آ جاتا تو ؎

یوں کہتے اور یوں کہتے' یوں کہتے ہی وہ آتا
سب کہنے کی باتیں تھیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

تو وہاں تو بولنا ہوتا نہیں ہے' وہاں تو سوال ختم ہو جاتا ہے ؎

لب پہ آ کر رہ گئی ہے عرضِ حال
کیا کرے خورشید سے ذرہ سوال

وہاں سوال ختم ہو جاتا ہے' وہاں بات ختم ہو جاتی ہے' سوال ختم ہو جاتا ہے' نام ختم ہو جاتا ہے۔ اور "میں" ختم ہو جاتی ہے' بس صرف نفس کبھی نہیں ختم ہوتا۔ لہٰذا وہاں بے باکیاں تو ختم ہو جاتی ہیں' پھر لبرٹی لینا کیا ہے۔ لبرٹی کا معنی آزادی ہے تو وہ

لبرٹی نہیں دیتا۔

اُس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

تو یہ اسیری بھی ہے رہائی بھی ہے۔ اگر وہ کہے کہ جا تو آزاد ہو گیا تو وہ کہتا ہے کہ ہم خاک آزاد ہیں، تیری یاد میں قید ہوئے پڑے ہیں۔

سوال:

ایسی صورت میں اقبالؒ کے ''شکوہ'' کا کیا مقام ہے؟

جواب:

اقبالؒ نے ''جوابِ شکوہ'' لکھ کر ''شکوہ'' ہی کیا تو معافی مانگی ہے۔ اس نے جوابِ شکوہ لکھ کر مولویوں سے اور لوگوں سے جان چھڑائی ہے کہ اب مجھ سے ''شکوہ'' کا سوال نہ پوچھنا کیونکہ ''جوابِ شکوہ'' آ گیا ہے۔ کہتا ہے کہ میں معافی چاہتا ہوں، انسان ہوں، بات لب پہ آ گئی تھی، اللہ نے خود ہی جواب دے دیا، اللہ نے کہا کہ تم تو سارے انسان ہو، یہ کیا کہہ رہے ہو ......... ورنہ ''جوابِ شکوہ'' اللہ کے زیادہ قریب ہے۔ خود بات کرنے پر لوگوں نے اقبالؒ سے سوال کیا لیکن اللہ کی طرف سے بات کرنے پر کسی نے اعتراض نہیں کیا حالانکہ وہ اپنی طرف سے بول رہا تھا۔ اس لیے نہ یہ گستاخی ہو سکتی ہے، نہ یہ بے باکی ہو سکتی ہے اور نہ کچھ اور ہو سکتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جتنے بھی بزرگ بولے ہیں یہ محبوب کی اجازت سے بولے ہیں۔ یعنی کہ اتنا بے باک ہونا کہ اللہ کی طرف سے بول رہا ہو، تو وہ سند بھی محبوب کی محبت ہے اور بولنا بھی اُس کی اجازت سے ہے۔ تو



ڈرنے والا اتنا ڈرتا رہا اور اتنا پابند رہا کہ آج وہ ہر پابندی سے آزاد ہے کیونکہ یہ اس کی اجازت ہے۔ یہ بڑا لمبا قصہ ہے کہ کون کیا ہے، Liberty کہاں لی جا سکتی ہے کہ کہاں نہیں لی جا سکتی۔ بہرحال جتنی لبرٹی وہ دے اتنی لبرٹی آپ لے سکتے ہیں اور اگر وہ نہ دے تو نہیں لے سکتے۔ یہ بیان اُن کے درمیان راز ہے یعنی یہ محبوب اور محب کے درمیان ایک راز ہے، جب وہ چاہے دے دیتا ہے اور جب وہ چاہے نہیں دیتا۔ اس میں لبرٹی لینے کی بات نہیں ہے، اگر وہ دے تو لبرٹی ملتی ہے ورنہ اُس کو اشارہ کرنے کی بھی ضرورت کوئی نہیں ہے، جہاں وہ بٹھانا چاہتا ہے وہاں انسان بیٹھ جاتا ہے اور جہاں نہ بٹھانا چاہے انسان نہیں بیٹھ سکتا، وہ چاہے تو مزاج کو گرم کر دے، وہ چاہے تو مزاج کو بالکل بے کیف کر دے۔ سب اس کی مرضی سے ہے۔

سوال:

ایک غیر مرئی آواز سن کر دل بند ہوتا ہے اور سانس رکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، تو اُس آواز کو کیا کہا جا سکتا ہے؟

جواب:

اس کو کچھ نہ کہو، اس کا فارمولا نہ بناؤ، وہ آواز جو ہے آپ اُس کو فارمولا نہ دو بلکہ اُس کو صرف آواز ہی کہو۔ آواز جو ہے یہ ایک راز ہے، جس طرح دھواں ہوتا ہے۔ آپ جنگل کے اندر جا رہے ہیں اور ایک دھواں دیکھا، تو دھواں کا معنی ہے کہ کہیں آگ جل رہی ہو گی، کسی مسافر نے جلائی ہو گی یا جنگل میں کوئی آبادی ہو گی، تو یہ دھواں کسی آدمی کی نشان دہی کرتا ہے۔ اسی طرح آواز جو ہے

یہ کسی انسان کی ہوگی' آواز کسی ایسے انسان کی ہوگی جس کے ساتھ آپ کا تعلق ہے۔ اس وقت آپ ساتھ والے سے پوچھیں کہ آواز آئی؟ وہ کہتا ہے کہ کوئی آواز نہیں آئی۔ تو یہ آواز تعلق کے ساتھ ہے اور اگر یہ تعلق راز ہے' اب راز اور آواز دونوں مل جائیں تو پھر یہ خاص بات ہے' آپ جانیں اور وہ جانے۔ یہ آواز مرئی ہو یا غیر مرئی ہو' وہ کسی انسان کے حوالے سے ہو یا کسی غیر انسان کے حوالے سے ہو' تو اثر کرنا یا فیض دینا آواز کے ذریعے بھی ہوتا ہے۔ پھر فیض دیا جاتا ہے منظر کے ذریعے سے' نگاہ کے ذریعے' کان کے ذریعے' اور دل پر نازل ہونے کے ذریعے سے۔ اگر ایک خیال ذہن میں پیدا ہو جائے تو یہ فیض ہے۔ مثلاً یہ خیال آیا کہ میں جو آشیاں بنا رہا ہوں اپنے رہنے کے لیے تو میری عمر تو تھوڑی ہے' تو آشیاں کا کیا کریں' پھر وہ کہتا ہے کہ اسے برق بنا کے جلا۔ تو بات یہ ہے کہ ۔

یہ بنا رہا ہوں جو آشیاں اسے برق بن کے جلا بھی دے
میری کائنات نثار ہو کبھی میرے اجڑے وطن میں آ

تو یہ اور کہانی ہے۔ کوئی آشیاں بناتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے کہ کیا بنا رہے ہو' میں تو اس کو دیکھ چکا ہوں۔ لہٰذا ہر آدمی کا اس آواز والے کے ساتھ الگ الگ تعلق ہے' کسی کو خاموشی میں راز ملا کسی کے کان میں Whisper کیا گیا' کسی کو Audable آواز آئی' کسی کو Visible نظارہ آیا' کسی کو اچانک احساس پیدا ہو گیا' پتہ نہیں کیسے پیدا ہو گیا' بس ایسے ہی ذہن میں خیال آیا۔ یہ دینے والے کی مرضی کا فارمولا ہے' دینے والا جانے اور لینے والا جانے۔ وہ جو چاہے کردے' اُس کو کیا کمی ہے'



وہ جو چاہے عطا کر دے ............

سوال:

فقیری کے یہ جو فارمولے بنے پڑے ہیں ان کا کیا کریں؟

جواب:

بے شک فارمولے بنے پڑے ہوں' آپ یہ دیکھیں کہ یہ عام انسان کا سوال نہیں ہے کہ ولی کون ہے اور کون نہیں ہے۔ آپ کا یعنی عام انسانوں کا کام یہ ہے کہ وہ عافیت کے ساتھ زندگی بسر کریں' یعنی وہ لوگ جو عافیت پسند ہیں۔ اللہ نے آپ کے اندر محبتیں رکھ دی ہیں' آپ کو بیوی سے' اولاد سے اور پیسے سے محبت ہوگی۔ ان تین چیزوں سے محبت رکھ دی۔ اس لیے آپ لوگ گھر میں رہیں گے' شادی کریں گے' بچے ہوں گے' فیسوں سے لے کر کالج کے داخلوں تک پریشانیاں ہوں گی' ان حالات میں عام آدمی کے لیے ولایت کا کیا مقام ہے۔ تو یہ حالات ہوں گے' انسان اِدھر سے اُدھر ہوگا اور اُدھر سے اِدھر ہوگا' اس نے کہا کہ کہیں گمراہ نہ ہو جاؤ اس لیے نماز پڑھو' مساجد میں جاؤ' حج کرو' روزہ رکھو انکم حاصل کرو اور اس انکم میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور عافیت میں رہو۔ تو یہ سارا فارمولا ہے اور آپ فارمولے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ عام آدمی کو کہا جاتا ہے کہ اللہ کے لیے اڑھائی فی صد زکوٰۃ دے دو۔ اور وہ جو خاص بندہ ہے کہتا ہے کہ کیا اللہ نے اڑھائی فی صد مانگا ہے؟ تو باقی میں نے کیا رکھنا ہے' میں باقی بھی دے دیتا ہوں' اب اس شخص پر فارمولا لگے گا' اُس کا فارمولے سے کیا تعلق ہے کیونکہ اسے تو اللہ نے کہہ دیا ہے کہ واقرض اللہ قرضا حسنا ہے کوئی

اللہ کو قرض حسنہ دینے والا۔ تو وہ کہتا ہے کہ جان دے دوں گا' پھر ہر چیز حوالے کر دیتا ہے۔ تو پھر اُس آدمی کے لیے فارمولا کوئی نہیں ہے۔ عام آدمی سے کہو کہ کچھ پیسہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو وہ کہے گا کہ جان حاضر ہے' باقی پیسے تو بچوں کے ہیں ان کو دے دیے ہیں' میرا اس میں کیا ہے۔ تو عام آدمی کو یہ فارمولا ملا ہوا ہے' وہ آرام سے اپنی گزارے اور اس کا یہ سوال ہی نہیں کہ ولی کیسے ہوتا ہے' ولی بنتا کیا ہوتا ہے' ولایت کیا ہوتی ہے' محبت کسے کہتے ہیں اور محبت کی کیا ضرورت ہے۔ جن لوگوں کا یہ سوال ہے اُن کو بھی یہ بتایا گیا ہے کہ فارمولے کے اندر رہنا' فارمولے کے باہر نہ جانا۔ کوئی درویش' کوئی فقیر' کوئی صوفی' کوئی عرفان والا' صاحبِ عرفان' اُس کی خانقاہ میں سب سے پہلے آپ کو مسجد ملے گی' وہ مسجد پہلے بناتے ہیں خانقاہ بعد میں بناتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مسجد بنانے کے دوران - مولوی بھی خود ہی رکھا' اور مولوی ان کے ساتھ لڑتا رہتا تھا کہ بابا جی آپ سارا دن کیا ڈرامہ کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب آپ دعا کرو کہ ہم بخشے جائیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ نے تو سارا دین ہی خراب کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا خراب کر دیا ہے؟ مولوی صاحب نے کہا ہم تو کہتے ہیں کہ دین کے پانچ ارکان بہت ضروری ہیں لیکن آپ کہتے ہیں کہ چھٹا رُکن بھی بہت ضروری ہے' تو وہ کون سا ضروری رُکن ہے؟ بابا فریدؒ نے کہا کہ روٹی ضروری ہے۔ مولوی نے کہا کہ بابا صاحب نے سارا اسلام خراب کر دیا ہے۔ بابا صاحبؒ شیعہ نہیں تھے' انہوں نے سوچا کہ میں کیسے اپنے آپ کو شیعہ سے بچاؤں اور لوگوں کو فقیری بھی سکھاؤں۔ اُن کا اپنا ایک آرڈر ہے' "آرڈر" کا



معنی سلسلہ' تو انہوں نے فرمایا ۔

اللہ محمدؐ چار یارؓ حاجی خواجہ قطب فریدؒ

انہوں نے فرمایا اللہ کو یاد رکھو' محمدؐ کو یاد رکھو' چار یارؓ کو یاد رکھو' کسی کو برا بھلا نہ کہو' اور خواجہ صاحب معین الدین چشتیؒ کو یاد رکھو' خواجہ قطب الدینؒ کا ادب کرو اور باقی فرید ہی فرید ہے' میں آپ کے لیے حاضر ہوں۔ تو وہ مولوی صاحب نہیں مانتا تھا کہ روٹی کیسے رُکن ہو سکتی ہے۔ پھر وہ مولوی صاحب حج پر گیا واپسی پر ان کا جہاز تباہ ہو گیا اور وہ ایک جزیرے پہ پہنچ گیا۔ وہاں پر اُس کو بھوک لگ گئی مگر روٹی نہ ملی۔ تین دن ایسے گزر گئے۔ پھر ایک درویش آیا۔ مولوی صاحب نے کہا روٹی ہے؟ تو یہ کہتا ہے کہ روٹی تو ہے' مولوی صاحب نے کہا کہ تھوڑی دے دو میری جان نکلی جا رہی ہے۔ درویش نے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں روٹی تو تمہیں دے دوں گا مگر پہلے تو اپنے حج کا ثواب مجھے دے دے۔ مولوی صاحب کی جان لبوں پر آئی ہوئی تھی' اس نے کہا کہ حج کا ثواب کیا' میرے سارے ہی ثواب لے جاؤ' میری زندگی کا سوال ہے' مجھے روٹی دے دو۔ جب مولوی صاحب حج سے واپس آئے تو بابا صاحبؒ نے پوچھا کہ اب سناؤ چھٹا رُکن کون سا ہے؟ روٹی۔ تو بات یہ ہے کہ جیسا کہ بابا صاحبؒ نے فرمایا ہے ۔

روٹی میری کاٹھ کی تے لاون میری بھک

یعنی میری لکڑی کی روٹی ہے جو میری بھوک ختم کرتی ہے۔ بابا صاحبؒ کہتے ہیں کہ کاٹھ کی ملے' پھر بھی روٹی ملے۔ تو کاٹھ کی روٹی ایک راز ہے۔ بابا صاحبؒ کے علاقے میں جنگل تھا' تو کہتے ہیں کہ ہماری معیشت کاٹھ ہے' لکڑیاں ہیں'

جنگل ہیں یعنی جنگل سے کاروبار کرو' لکڑیوں کا کاروبار کرو' Carpentery کرو' لکڑی سے چیزیں بناؤ' تو یہ تمہاری معیشت ہے۔ تو مدعا یہ ہے کہ دنیا کے کام بھی نہ چھوڑو اور ولایت بھی کرتے رہو۔ تو جب تک آپ کا دل اُس چیز سے آشنا نہ ہو کہ ولایت ہوتی کیا ہے تو آپ کہیں ایسے ولایت والا کام نہ کر لینا کیونکہ یہ بڑا مشکل ہے۔ دنیا داروں کے سوال کے لیے ولی نہیں ہوتا' ولایت اس لیے نہیں ہوتی کہ آپ کے سوالوں کا جواب مل جائے گا۔ تو ولایت کیا ہے؟ کہ آپ کے درد کو سکون مل جائے' آپ کی تمنا سرفراز ہو جائے' اگر آپ کے پاس درد ہے تو ٹھیک ہے اور جب آپ کے پاس درد ہی نہیں ہے تو پھر آپ نے کیا کرنا ہے۔

تو یہ اندرونی درد کا علاج ہے۔

سوال:

تو یہ جو درد ہے کیا یہ بھی عنایت ہے؟

جواب:

بلکہ یہی عنایت ہے' صرف یہی عنایت ہے' جب وہ عطا کرتا ہے تو درد ہی عطا کرتا ہے' باقی سارے کام ہو جائیں گے۔ تو وہ جو درد ہے وہ آپ کو لیے چلا جا رہا ہے۔ اگر کوئی آپ کو خوشبو لگا گیا اور چلا گیا' اب وہ جہاں جائے گا آپ اس کے پیچھے پیچھے چلتے جاؤ گے۔ اسے کوئی کہے کہ کہاں جا رہے ہو' گمراہ ہو گئے ہو' جنگل میں کہاں جا رہے ہو' لیکن وہ کہتا ہے کہ میں ٹھیک جا رہا ہوں کیونکہ اُسے پتہ ہوتا ہے کہ خوشبو آ رہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ گمراہ ہو رہا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ مجھے اُدھر سے خوشبو آ رہی ہے۔ اب درد کا سکون جہاں جائے گا وہ وہاں پہنچ



جائے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ بہت دور چلا گیا' گمراہ ہو گیا مگر وہ گمراہ نہیں ہو گیا بلکہ اُسے جو درد ہے اُس کا علاج وہاں پر ہے' وہ وہاں جائے گا۔ لہٰذا وہ عافیت میں چلا گیا۔ یہ اللہ کی شان ہے' اللہ کے کام ہیں' اللہ نے کسی کے ساتھ اپنی تمنا لگا دی اور تمنا اُسے جدھر لے جا رہی ہے وہ ادھر چلتا جا رہا ہے اور جہاں تمنا کو سکون مل گیا وہ وہاں بیٹھ جائے گا' درد کو عافیت مل گئی۔ یہ اس کا فارمولا ہے۔

سوال:

کیا خواہش کو Curb کرنا چاہیے؟

جواب:

یہ جو Curb کرنے کی' قید کرنے کی آپ بات کر رہے ہیں' وہ چیز کوئی ہوا تو نہیں ہے کہ آپ اسے Condence کر دو' Liquidate کر دو' یعنی نہ اس کو مائع بنا سکتے ہیں اور نہ بند کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ایک اور ہی چیز ہے۔ وہ جو درد ہے' کرب ہے' انتظار ہے اور خواہش ہے تو وہ Curb کرنے کی بات ہی نہیں ہے' Curb انگریزی کا ایک لفظ ہے جس کا مطلب ہے کنٹرول کرنا مگر You Can't control it' آپ اُسے کنٹرول نہیں کر سکتے' درد کو کہیں قید نہیں کر سکتے۔ درد جو ہے یہ بے تابی ہے' اُسے جتنا چھیڑو گے وہ اور بڑھے گا۔ لہٰذا آپ اُس کو کچھ نہ کرو' وہ اپنا مداوا آپ ہے' درد خود ہی اپنے علاج کو آسمانوں سے منگواتا ہے اور زمینوں سے منگواتا ہے۔ لہٰذا آپ کے کرنے والا کام نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فضل ہے اور اگر میں یہ کہوں' آپ کو یہ بتاؤں کہ یہاں لاہور آنے کا میرا کوئی امکان نہیں تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں نے لاہور نہیں آنا ہے' مگر یہ

اللہ کے کام ہیں' اس کی شان ہے۔ پھر مجھے بتانے والوں نے بتایا کہ دیکھو' تم ان لوگوں کو کہاں چھوڑ چلے ہو جن کو تم نے داستانِ غم آدھی سنائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر سچ ہے' انسان سچا ہے تو اُسے سٹپٹانے کی ضرورت کوئی نہیں ہے' اور اگر جھوٹا ہے تو سٹپٹانے کا فائدہ ہی کوئی نہیں لہٰذا آپ اطمینان سے بیٹھو' جتنے آپ سچے ہو اس سے اور سچے ہو جاؤ' علاج کا فکر نہ کرنا' سچے کا علاج اللہ کے پاس ہے' اور جھوٹے کا علاج تو پھر ہونا ہی نہیں چاہیے۔ تو سچا جو ہے وہ کہتا ہے کہ ابھی میرا علاج نہ کریں' یہ درد رہنے دیں ؂

خدا کرے کہ یہ دکھ دور ہی نہ ہو ہرگز
بڑا مزہ ہے کلیجے پہ تیر کھانے میں

تو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' درد والے کا علاج کیوں ہو جائے' علاج ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ علاج کا نہ ہونا بھی پراسیس ہے' کوئی شخص جو ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ آگ بجھ جائے۔ درد والوں کی آگ بجھ جانے سے کیا مطلب ہے۔ بلکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ آگ جو ہے یہ ولی کا پراسیس ہے۔ تو ولی کا اور ولایت کا کیا پراسیس ہے؟ کہ آگ لگی ہوئی ہو' قیامت تک نہ بجھے' وہ مل کے بھی روئے اور بچھڑ کے بھی روئے۔ اُس سے کسی نے پوچھا کہ بچھڑ کے تو روتے ہیں لیکن اب ملنے کے بعد کیوں روتے ہو؟ کہتا ہے کہ یہ مجھے نہیں پتہ اور سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا ہے۔ تو وہ دونوں حالتوں میں روتے ہیں۔ تو یہ ایسی راز کی بات ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔



سوال:

یہاں پر ہم سوال کر کے آپ سے جواب پا لیتے ہیں' ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب آپ نہ ہوں پھر سوال ہو اور پھر بھی جواب ملے اور اُسی آواز میں ملے' تو کیا ہم اُس جواب کو سچا جانیں؟

جواب:

آپ یہ بتائیں آپ ہماری موجودگی میں ہماری زبان سے نکلے ہوئے جواب کو سچا سمجھنے کی عزت افزائی کیوں کر رہے ہیں؟ کیا ڈر کے ایسا کر رہے ہیں؟ ہم نے مان لیا کہ اس آواز سے سوال کا جواب آئے گا' صحیح ہے' مگر وہ جواب چاہے عدم موجودگی میں آئے' چاہے موجودگی میں آئے اور چاہے خواب میں آئے' آپ اُسے تسلیم کرو۔ لہٰذا جب آپ نے تسلیم کر لیا کہ یہ آواز سچ ہے یا آپ کے خیال میں سچ ہے تو وہ آواز جہاں سے بھی آئے وہ سچ ہے' اگر کسی اور کی زبان سے وہ آواز نکلے تو بھی سچ ہے۔ وہاں یہ نہ کہنا کہ صرف آواز ملتی جلتی تھی۔ یہ ہوتا ہی اس طرح ہے' بعض اوقات بالکل ایسا ہوتا ہے کہ آواز Identical ویسی ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کہتا ہے آپ کون ہیں؟ وہ ابھی ابھی آیا ہوتا ہے' یہ اُس کو دیکھتا جا رہا ہے اور وہ اس کو دیکھتا جا رہا ہے۔ پوچھتا ہے کیا اس شہر میں نو وارد ہو؟ پہلے کہاں دیکھا تھا؟ ابھی ابھی دیکھا ہے' کیا ٹرانسفر ہو کے آئے ہو؟ آپ نے اُس سے کوئی بات کی تو انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں اِسے یوں کر لینا چاہیے اور وہ کر گیا۔ پھر وہ ملا تو پوچھا کہ کیا وہ کام کر دیا تھا؟ اس نے کہا جی کر دیا تھا۔ ایک آدمی جنگل میں راہ کھو گیا' جنگل کے اندر بندہ نہیں ملا' دل میں آواز دی

توگڈریا آ گیا اور پوچھا کہ آپ کیوں پریشان ہو رہے ہو؟ کہتا ہے کہ پتہ نہیں کیا بات ہے راستہ نہیں مل رہا۔ اُس نے ابھی اپنے شیخ کو آواز نہیں دی تھی بلکہ دل میں پکارا تھا' تو گڈریے نے کہا کہ میرا خیال ہے آپ یہاں سے وہاں چلے جاؤ اور وہاں سے آگے چلے جانا۔ تو جب وہ اپنے شیخ کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کیا چرواہے نے راستہ دکھا دیا تھا۔ تب وہ کہتا ہے کہ ہمیں تو راستہ آپ نے ہی دکھایا تھا' ہم کیا جانیں کہ چرواہا کیا ہوتا ہے۔ تو بات اتنی ساری ہے! تو جب آپ ماننے چل پڑو تو ہر شے ہی وہی ہے اور اگر نہ مانو تو وہ بھی وہ نہیں ہے۔ آپ ہی بتائیں کہ کیا نہ ماننے والے کا کوئی خدا ہے' کیا کافر خدا کو مانتا ہے' اُس کا خدا تو ہے ہی نہیں۔ ہر چند کہ خدا ہے لیکن کافر کا نہیں ہے' جب وہ نہ مانے تو اس کا خدا کیا ہے۔ اور وہ جو ماننے والا ہے وہ تو ہر طرح سے خدا کو مانے گا۔ اس لیے جو اشارہ آئے وہ ٹھیک ہے۔ تو اللہ کے ماننے والے جب اللہ کے سفر پر چلتے ہیں تو راستے کا ہر اشارہ اُن کو اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ بے معنی بات نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں کوئی خاص بات ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کر دیا ہے۔ افحسبتم انما خلقنکم عبثا کیا تم یہ سوچتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کر دیا' یہ جو کچھ ہو رہا ہے کیا یہ عبث ہے۔ یہ ''ایسے'' ہی نہیں ہے' اس ایسے کے پیچھے بہت بڑا ''ویسے'' ہے' بہت سمجھنے والی بات ہے' کوئی چیز عبث نہیں ہے.......... یہاں اس محفل میں سوال تو ایک آدمی کرتا ہے تو کیا باقی لوگ اس شخص کے سوال کا جواب سننے کے لیے بیٹھے ہیں؟ تو یہاں پر تو سب کے ساتھ بات ہو رہی ہے' سب کے سوالات آ رہے ہیں اور



سب کے جوابات جا رہے ہیں' سب توجہ میں ہیں' سب کے ساتھ اللہ کی مہربانیاں ہو رہی ہیں۔ یہ اس طرح ہے جیسے اذان کوئی کہے اور نماز کوئی پڑھے۔ بڑی آسان سی بات ہے اور یہ کیا مشکل بات ہے۔ کچھ اذانیں دیتے جائیں اور باقی نمازیں پڑھتے جائیں۔ بس یہ ہے قصہ' کہانی یہ ہے' اذان والا بھی نماز پڑھے گا' اپنی اپنی ڈیوٹی ہے اور اپنے فرائض ہیں۔

سوال:

شکر کا جو احساس ہے وہ کیسے ادا ہونا چاہیے؟

جواب:

شکر جو ہے وہ آپ کا اپنا عمل ہے۔ شکر کی خوبی یہ ہے کہ اگر وہ قبول ہو جائے تو شکر ہے۔ اگر قبول ہو جائے تو اس پہ شکر کرنا۔ اس طرح کہا کرو کہ اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے ان نعمتوں کی وجہ سے جو تو نے عطا فرمائی ہیں اور اس بات کا شکر ہے کہ تُو نے مجھے شکر کرنے والا انسان بنایا' اِن نعمتوں کا شاکر بنایا' اور پھر اس بات کا شکر ہے کہ میں شکر گزاروں میں پایا گیا۔ شکر والے سب لوگ یہ دعا کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب خواب بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ذبح کا ایسا واقعہ ہوا ہے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے والد سے گزارش کی کہ اگر آپ نے خواب دیکھا ہے تو یابت افعل ما تومر اے ابا حضور آپ وہ کریں جس کا آپ کو حکم ہوا اور ستجدنی ان شاء اللہ من الصٰبرین اور آپ مجھے پائیں گے شکر گزار بندوں میں۔ یعنی کہ اللہ کے دیے ہوئے خواب کی Actual تعبیر کی وجہ سے بھی ہم شکر گزار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری جان قبول کرنے کے لیے

ایسا خواب میرے ابا کو عطا فرمایا۔ اگر آج کل ایسا ہوتا تو بیٹا کہتا کہ ابا جی عقل کی بات کرو‘ یہ کوئی خواب ہے‘ مجھ سے اگر ویسے ہی تنگ ہیں تو بتا دو ہم گھر سے چلے جائیں گے۔ تو یہ شکر گزاروں والی بات تھی۔ تو شکر جو ہے یہ ایک بڑی خاص بات ہے‘ کم لوگ شکر گزاروں میں پائے جاتے ہیں۔

اب آپ کے لیے دعا کریں۔ آپ کے لیے کیا دعا کریں؟ دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شکر گزاروں میں مقام دے تاکہ آپ ہر چیز کا شکر ادا کریں کہ یا اللہ تیرا شکر ہے‘ یہ کہیں کہ میں تیرے شکر گزار بندوں میں ہوں اور جہاں بھی ہم وابستہ ہیں وہیں پر زندگی گزار دیں‘ اس میں کوئی Transition نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی عطا فرماتا چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرو اور اللہ تعالیٰ سے یہ توفیق بھی مانگو کہ آپ ان وابستگیوں کو جو اولاد کی شکل میں ہیں یا ماں باپ کی شکل میں ہیں آپ اُن کے فرائض پورے کر سکیں۔ یہ بڑا ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو تباہی کر دیں۔ اولاد چاہے آپ کو پسند ہو کہ نہ ہو‘ اولاد‘ اولاد ہے‘ والدین کو چاہے زیادہ علم ہو کہ نہ ہو آپ والدین کی خدمت کریں‘ والدین گزر جائیں تب بھی اُن کی خدمت کرو‘ گزرے ہوئے والدین کی خدمت کیا ہوتی ہے؟ اگر والدین کا کوئی بیٹا یا بیٹی زندہ ہے تو اُس کی خدمت کرو۔ آپ کو ایسا کبھی نہ کہنا پڑے کہ یہ لڑکی جو ہے یہ میرے باپ کی بیٹی ہے اور میں اُس کی خدمت کرتا ہوں۔ وہ آپ کی بہن ہے! تو اپنے بہن بھائیوں کی خدمت کریں‘ یہی آپ کے ماں باپ کی خدمت ہے۔ اور اپنی اولاد کی خدمت کریں‘ اور اُن کو برائی سے بچائیں‘ ان کو دین کی تعلیم دے کر جائیں‘ دنیا کی تعلیم دے کر



جائیں‘ دنیا کی تعلیم وہ انشاء اللہ خود ہی حاصل کر لیں گے۔ تو آپ اپنے آپ کو بھی تباہی سے بچائیں۔ اور سب سے بڑی دعا یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ ایسا رزق عطا فرمائے جو نیک رزق ہو اور پاکیزہ رزق ہو‘ محتاجیاں دور ہو جائیں اور آپ گمراہیوں سے بچ جائیں۔ اللہ اتنا رزق نہ دے کہ آپ گمراہ ہو جائیں اور اتنا نہ دے کہ آپ کے حالات کمزور ہو جائیں۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ حبیبنا و شفیعنا و سندنا و مولٰنا محمد و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین۔

ترتیب: ڈاکٹر مخدوم محمد حسین

# اللہ

- جتنا تم اللہ پر راضی ہو اتنا اللہ تم پر راضی ہے۔
- اللہ کی عطاؤں پر الحمد للہ اور اپنی خطاؤں پر استغفر اللہ کرتے ہی رہنا چاہیے۔
- اللہ کی رحمت سے انسان اس وقت مایوس ہوتا ہے جب اپنے مستقبل سے مایوس ہو۔
- اللہ والے خیال کے گناہ کو اچھا نہیں سمجھتے کیونکہ عمل کا گناہ تو وقت کے ساتھ ویسے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ خیال کا گناہ غفلت سے شروع ہوتا ہے اور اس کی انتہا کفر تک ہے۔
- جو انسان اللہ کے جتنا قریب ہوگا' اتنا ہی انسانوں کے قریب ہوگا۔
- اللہ ہر آخر کا اول اور ہر اول کا آخر ہے۔
- اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ہمیں بھولنے کی صفت دی ورنہ ایک غم ہمیشہ کے لیے غم بن جاتا۔
- اپنی مرضی اور اللہ کی مرضی میں فرق کا نام غم ہے۔
- اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔